ماہِ
ملکہ
مریم مظفر
Pdf available at
www novelsclubb com
FB INSTA
novelsclubb

السلام علیکم

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔ تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

ماہِ ملکہ

از

مریم مظفر

www.novelsclubb.com

انتساب۔۔۔

ماہِ ملکہ میرے لیپ ٹاپ کے نام جس نے گھنٹوں میری ٹائپنگ سپیڈ برداشت کی ہے اور ماہِ ملکہ مہرالنساء شاہ میر کے نام جس نے اس سے بھی زیادہ گھنٹے میری کہانی سنی، سمجھی، پڑھی اور نکھاری ہے۔

اِن دونوں کے بغیر یہ سفر شاید کبھی شروع ہی نہ ہوتا۔

www.novelsclubb.com

ماہِ ملکہ

از مریم مظفر

قسط14

(second last episode)

www.novelsclubb.com

خلاصہ

کہانی ہے مصر میں مقیم چار لوگوں کی۔۔

کہانی ہے ایک کشتی کی۔۔

چمکتی چیزوں کی لت،

عدل کا جنون،

بہتری سے بھاگنے کی چاہ،

تلاش کی آرزو،

کہانی ہے ایک متوازی دنیا کی۔۔۔

عورتوں کی مردوں پر حکمرانی کی۔۔۔

انسانیت کے انسانیت پر تجربوں کی۔۔۔

سچ کی اصل صورتوں کی۔۔۔

کہانی ہے چار لوگوں کی۔۔۔

اور انکی قید خانی کی۔۔۔

باب منصف

ایک طرف کنواں تو دوسری طرف کھائی والی مثال یہاں کچھ ردو بدل کے ساتھ پیش آئی تھی۔ پشت پر تیزی سے بہتا دریا تھا اور مدِ مقابل عجلت سے اترتا اعتبار۔دبیر السازار سیاہ چغہ پہنے ہاتھ کھڑے کیئے یونہی مسکرارہا تھا۔دھند آہستہ سے چھٹی تو فاطر اسلام کے تاثرات بھی شفاف ہوئے۔وہاں قرب تھا،لب بھینچے تھے اور چہرے پر سوائے تکلیف کے اور کچھ نہ تھا۔

”کیوں؟“ اپنے اندر ناپید توانائی اور تمام تر بکھرتے حوصلے کو سنبھالتے فاطر کی زبان سے شکوہ کے بجائے سوال ادا ہوا۔ دبیر السازار کے کمزور ہاتھوں پر جا بجا خراشیں تھیں۔ جلد بے حد بے رنگ اور نسوں کا جال چھپانے میں ناکام تھی۔

دبیر نے کندھے اچکائے۔ فاطر طنزیا ہنستے چہرہ پھیر گیا۔

”دوبارہ پتہ نہیں؟ پھر سے پتہ نہیں۔“ وہ جیسے عاجز آچکا تھا۔ ”آخر جاننا کیا ہے تمہیں جو آج تک پتہ نہیں لگ سکا۔“ اب کے اس کی آواز غصہ اور بے زاری سے بلند ہوئی۔ پسِ منظر میں کائنات سانس لے رہی تھی جبکہ فاطر کی خود کی رفتہ رفتہ جا رہی تھی۔ سوال پر دبیر کے اٹھے ہونٹ دھیرے سے نیچے کو مڑے۔ تاثرات اور نگاہوں میں غیر انسانی سکوت سا چھا گیا۔ گہری بھوری آنکھوں کا سیاہ پن اوجھل ہوا۔

”تم میرے باپ کے کوئی ساتھی نہیں۔“ اب کے مرد کی ہنسی میں طنز اور سوگ معاون تھا۔ ”تم کسی ابوالسلام ظہور کے لیئے کام نہیں کرتے۔ (انکشاف) کون ہو

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

تم آخر؟'' سیاہ چغہ ہوا کے دوش پر ہلکا سا جھولنے لگا۔ زیرک نگاہوں نے دبیر کے چہرے پر اچھنبے کے بل پڑتے دیکھے۔

''سوچ رہے ہو کہ مجھے کیسے علم ہوا؟'' دبیر نے آہستہ سے گردن ہاں میں ہلائی۔ فاطر کی مسکان میں فتح تھی۔

''میں نے اپنے باپ سے صرف محبت نہیں کی دبیر۔ انہیں سمجھا، پھڑکا اور حفظ کیا ہے۔ تمہیں لگتا ہے کہ ایسے شخص سے تم ان کے متعلق من گھڑت کہانیاں کہو گے اور وہ سمجھے گا نہیں۔'' دبیر کی بھنچی بھنویں گواہ تھی بات ابھی بھی کچھ خاص پلے نہیں پڑی۔ فاطر اسلام نے سرد سانس اندر اتاری۔

''تہ خانے میں کیئے ان سوالات کا مطلب دل کا بوجھ ہلکا کرنا یا تم سے میرے والد کے مطابق بات چیت کرنا نہیں بلکہ (ہونٹ کا کونا کچھ اور اٹھا) اپنے شک کی تصدیق کرنا تھی۔ بھلا خدا کی موجودگی سے انکار کرنے والا مجھے کب سے خدا کی مدد جیسی دعائیں دینے لگا۔'' جھاڑیوں میں کھڑے مرد کی الجھن دھیرے سے فنا

ہوئیں۔ دماغ میں فاطر کے الفاظ بجلی کی رفتار سے چلتے ایک بھولی یاد اشت کے دروازے گراتے آگے بڑھ گئے۔

(”آپ کب سے اندازوں کی بنیاد پر نتیجے نکالنے لگے سیدی۔“ دبیر کی فکر پر فاطر نے مسکراتے ہوئے جمین کو دیکھا۔ وہ نیند میں کسمسایا۔

”جب سے وقت ہاتھ سے نکلنے لگا۔“ جمین کو تھپکی دے کر سلاتے آدمی کو دبیر حیرت سے دیکھ کر رہ گیا۔ فاطر اسلام کے چہرے پر آسودگی تھی، اطمینان لاپتہ تھا۔

”پھر خدا کرے آپ کا اندازہ درست ثابت ہو۔“ دبیر السازار اور خدا کی باتیں۔ وہ نہ اپنے دین سے واقف تھا نہ خود کی ذات سے۔ یہ جملہ اس نے فاطر کے دھرم کی پیش گوئی میں کہا تھا۔ دبیر پردہ ہٹاتے چلا گیا تو فاطر وہیں بچے کے سرہانے بیٹھا رہا۔ پل بھر کی مایوسی غائب ہو چکی تھی۔ اب وہاں گہرا اطمینان تھا۔ کون جانے کیوں۔)

www.novelsclubb.com

ماضی کا وہ باب بند ہوا تو حال میں ہوتی کشمکش قدرے سمجھ آئی۔فاطر کے پیچھے سے اڈتے پانی کی لہروں میں اضافہ ہوا۔یوں جیسے قدرت بھی اس مرد کا غصہ محسوس کر رہی تھی۔

"پہلے یہ مجھے ایک وہم لگا...... تمہارا بے دھیانی میں کہا جملہ۔حیرت تو مجھے تب ہوئی جب ہم تین (وہ کہنا چاہتا تھا میری باپ کی لاش، مگر لب مقفل رہے) جب ہم تین ماہِ ملکہ کی اصلیت جاننے تہ خانے میں موجود تھے مگر وہاں تم نہیں تھے۔" اسے یاد آیا کیسے ملاقات کمرے سے کچھ دور موجود فاطر اسے کھڑا گھور رہا تھا۔اس وقت کے اندیشے درست تھے یا وہ قبولیت کا لمحہ تھا جو آج ایسا سامنا اس کے نصیب میں آیا۔

"میں جس نے ہمیشہ تمہاری بھلائی سوچی اسے تم آج (فاطر نے ٹوٹے قلم کی جانب اشارہ کیا) مارنے چلے تھے۔" دبیر کے اندر اگرتی برابر بھی ندامت تھی تو وہ چہرے پر عیاں نہ ہوئی۔

''کیوں کہے تم نے اتنے جھوٹ؟'' ملال تھا جو سمیٹا نہ گیا۔''ہمارے بیچ رہتے ہوئے بھی تم ہم سے ایک قدم آگے تھے۔'' انکشاف جس کا اختتام کھوکلی ہنسی پر ہوا۔ دیکھتے دیکھتے فاطر اسلام کی رنگت کا تضاد سکوت میں آیا۔ کندھے اکڑاتے وہ کچھ یوں کھڑا ہوا پل بھر کو ابولا سلام ظہور کے عکس کا گمان گزرا۔

''تم کوئی ہمارے ساتھی نہیں، نہ میرے باپ کے کارندے ہو تم تو.....ماہِ ملکہ کے جاسوس ہو۔ ان کا کھیل کا ایک اور ترتیب شدہ مہرہ۔'' وہ جان گیا تھا، دبیر السازار کو لگا اسکے کندھے اک بار بھر بوجھ تلے دب گئے۔ یہ احسانات کبھی ختم کیوں نہیں ہونگیں۔ سپاٹ تاثرات اور خالی نظروں سے فاطر کی بھنچی بھنویں دیکھیں۔ وہ جوابات کا طالب تھا اور دبیر السازار الفاظ کے معاملے میں روزِ اول سے کنجوس۔ وہ اصولوں کا علم بردار تھا اور دبیر السازار اصولوں سے نابلد۔

''میں......مجبور تھا۔'' نگاہیں جھکاتے وہی گھساپٹا جملہ دہرایا۔

"تمہارے پاس بچانے کو بال تک نہیں، تم کیسے مجبور ہو گئے۔" جتاتے ہوئے اسکی آواز قدرے اونچی ہوئی مگر غصہ قابو کیئے وہ جگہ پر جما رہا۔

دبیر نے کوئی اضافی جملہ نہ کہا۔ ہر وضاحت، سب دلائل وہ جانتا تھا ناکارہ ہیں۔ فاطر اسلام اپنی عدالت میں اسے مجرم کے درجے تک پہنچا چکا تھا۔ کچھ دیر تک دریا کے کنارے کھڑا مرد اسے چبتی تلخ نظروں سے دیکھتا رہا۔ آس پاس سانس لیتی قدرت اس وقت بے معنی تھی۔

"کیا تم نے کبھی...... ہمیں اپنا مانا ہے؟" دبیر کی آنکھوں کی سیاہی واہوتے بھورے پن میں گھلی۔ چہرہ اٹھایا اور جو تڑپ اور مایوسی اسے فاطر کے چہرے میں دکھی وہ پچھلے تمام لمحات سے کثیر تھی۔ اس کا حلق الفاظ سے خالی تھا، زبان ہلی ضرور مگر آواز نہ نکل پائی۔

"کیا تم نے کبھی ہمیں ساتھی سمجھ کر ہمارا احساس کیا ہے؟ چلو احساس بھی چھوڑو ...... کبھی ہم پر ترس کھایا ہے؟" چاہ کے باوجود بھی دبیر نظر نہ ہٹا سکا۔ تمام جواب

اس کے پاس موجود تھے بس دیتے وقت کندھوں پر پڑے احسانات کا بوجھ اسکے منہ پر ہاتھ رکھ گیا۔

تھک کر سانس خارج کرتے اس نے ٹھوڑی گردن سے لگالی۔فاطر کو اپنے جواب مل گئے۔ اداسی اور طیش کے درمیان کسی غیر مانوس جذبے کو محسوس کرتے وہ قدرے ہنسا۔اس باریک تیز ہنسی میں آج زندگی فانی تھی۔

"سمجھ نہیں آرہا تمہیں خود غرض کہوں یا شاطر۔" خود کلامی کرتے اس نے آنکھوں کے درد کرتے پپوٹے انگلیوں سے مسلے۔ دبیر نے یقیناً کچھ کہنے کو لب کھولے۔

"میرے قتل کا حکم کس نے دیا تھا؟" دبیر کے کھلے لب ازخود بند ہو گئے۔ فاطر ابھی بھی دھیرے سے ماتھا مسل رہا تھا جبکہ دبیر پاؤں کے قریب موجود کنکر گننے میں محو تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"کیا میرے علاوہ بھی تمہیں کسی کے قتل کا حکم ملے ہے؟"

"ہاں!" دبیر کی نظروں کے روبرو کنکر تھے۔

"کس کے؟" گردن پر ہاتھ رکھے اب وہ بائیں جانب موڑ رہا تھا۔

"المیرا کے۔" گردن کی پشت پر ہاتھ جم سا گیا۔ وجود سر تا پیر مجسم صدمے کی کیفیت میں چلا گیا۔

"کب؟" ہاتھ گراتے اسکے یک لفظی سوال میں کاٹ تھی۔

"جن دنوں ہم قلعے میں نئے آئے تھے وہ تہہ خانے جا رہی تھی۔ میرے پاس قلم کی نوک میں چھپا زہر تھا۔" خالی لہجہ۔ نہ ملال، نہ شرمندگی، نہ فخر۔

"وہ جو مجھے ایک مرتبہ بے ہوش ملی تھی کیا تم نے اس کے ساتھ کچھ کیا تھا؟" سنجیدگی سے اسکی بات کاٹتے اپنی پیشن گوئی سنائی۔ وہ مرد اپنے لیئے اتنا حساس نہیں تھا جتنا اس عورت کے معاملے میں ہو جاتا تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

دبیر نے گردن نفی میں ہلائی، فاطر نے مطمئن سانس خود میں اتاری۔

"لیکن میں نے اسے قتل نہیں کیا بلکہ (ماضی کے اوراق پنوں کی صورت نگاہوں کے سامنے اڑے) میں نے تو اسے ڈھکے چھپے لفظوں میں تنبیہ کی تھی لیکن وہ المیرا ہی کیا جو کھائی میں کودے بنا کھائی پار نہ کرے۔" آخری تعریف پر فاطر نے نظریں چرائیں۔ بات تو دبیر کی سو فیصد درست تھی۔

"تو..... کیا ماہِ ملکہ نے تمہیں اس نرم دلی پر بخش دیا؟" دبیر کے وجود میں ہلچل نہ آئی بس وہ خاموش ہو گیا۔ وہ وقفہ طویل سے طویل تر ہوا۔ اس سے پہلے فاطر بیزار اس پر اپنی بیزاریت کے جوہر دکھاتا دبیر مکالمہ گو ہوا۔

"میں بس ایک مہرہ ہو سیدی...... ایسا جو اصلیت سے ناواقف تھا۔ میں بھی تم سب کی طرح اس دلدل میں اندر تک دھنس چکا ہوں۔" فاطر اسلام کی ناگواری ناسمجھی میں بدلی۔ دبیر نے درخت سے جھولتے ایک پتے کو انگلی کی پور سے محسوس کیا۔ ہوا کے دوش پر مصری قاضی کے بال لہرائے۔

”یہ میرا مقصد نہیں۔ میں بھی مجبور تھا۔“

وقت کی ریل کو پیچھے گھماؤ۔ مفلسی، بے بسی، خون خرابے اور میٹھے طعنوں کا ایک لمبا سفر تہہ کرو اور پھر ٹھہر جاؤ۔ کہانی وہاں سے دوہراتے ہیں جہاں سے شروع ہوئی تھی۔

★

کہانی اس مہرہ کی جس نے تحفظ کو جنم دیا

بادالونہ، سپین

www.novelsclubb.com

where luck is tested and life is made easier

(۔جہاں قسمت کو آزمایا اور زندگی کو آسان بنایا جاتا ہے)

وہ مسلسل پندرہ منٹ سے اسی سطر کو دوہرائے جا رہا تھا۔ چہرے سے ٹکرانے والے اس پمفلٹ کو سنبھال کر دبیر السازار اپنے ساتھ تو لے آیا مگر کیوں؟ روئی اس کے

سوجے ہونٹ سے ٹکرائی۔سسک کر آنکھیں بند کر لیں۔سامنے کھڑے ادھیر عمر دبلے پتلے پاکستانی مرد نے اسے غصہ اور تکلیف سے دیکھا۔"کیوں کرتے ہو ایسے کام؟"

دبیر نے اسے کوئی جواب نہ دیا، غور سے اس اشتہار کا مطالعہ کرنے لگا۔"ماہ ملکہ کروز لائنز" کے نام سے وہ ایک پیلے اور نارنجی رنگ کا پمفلٹ تھا۔وہ لوگ نوکری کی تلاش میں تھے۔اپنے بار کاؤنٹر پر ایک عام سے ویٹر کی تلاش میں جسے ایک دن میں دس ہزار مصری پاؤنڈ ملیں گے۔دبیر کو جو چیز ٹھٹک رہی تھی وہ تھا ایک دن میں دی جانے والی سیلری۔وہ مصر میں رہ چکا ہے۔جانتا تھا ایک دن میں دس ہزار کوئی لکثری کروز لائن والا ویٹر کما سکتا تھا اور جہاں تک اسکی چھٹی حس نے اسے اشارہ دیا۔ماہِ ملکہ کروز شپ صرف نام کی ہی ملکہ لگ رہی تھی۔

"کتنی بری طرح پیٹا ہے تمہیں ان بدبختوں نے۔" فرحان کی آواز پر اس کے پڑھتے لب رکے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

کن آکھیوں سے اپنے خیر خواہ کا بھراپے کی طرف بڑھتا چہرہ دیکھا۔ سفید سرمئی بالوں کے حالے میں دکھتا پر فکر زرد چہرہ۔ دبیر نے مایوسی کے مارے نظریں جھکا لیں۔ یہ وہ آدمی تھا جس نے اسے سہارا دیا تھا۔ دبیر کو اس کے سہارے کی قدر یا اس شخص سے انسیت نہیں تھی، اسے تو کسی سے بھی کوئی انس محسوس نہیں ہوا۔

فرحان سے اس کا رشتہ احسانات کا تھا۔

دبیر نے اپنا مطالعہ جاری رکھا۔ پمفلٹ کے بالکل نیچے 'کونٹیکٹ اَس' کا نمبر بھی درج تھا۔ کوئی ای میل، کچھ نہیں۔ اگر وہ اپنی آنکھیں پڑھنے دیتا تو تم جان جاتے وہاں کن خیالات کی گھما گہمی اور کس فیصلہ کا اٹل پن تھا۔

"میں فرحان کے تمام قرض ادا کر کے غائب ہو رہا ہوں۔"

اس وقت ذخمی ٹانگ اور سوجی آنکھ والے آدمی کی بات کوئی جان جاتا تو ہنس کر اس کے گنجے سر پر تالی مارتے آگے بڑھ جاتا۔

★

دبیر السازار کے کمرے کا سامان ایک خستہ بستر، کپڑے لٹکانے کے لیے ایک بار اور دیوار سے جھولتے آئینہ پر مشتمل تھا۔اس کو اور چاہیئے بھی کیا تھا؟غذا کے سوا۔ بیڈ پر چت لیٹے ایک بازو کا تکیہ بنائے وہ بند اور بے حد گند سے بھرے پھنکے کو دیکھتے محو خیال تھا۔خالی ہاتھ میں تھامی پنسل مسلسل لمبی انگلیوں کے بیچ آگے پیچھے گھوم رہی تھی مگر دبیر السازار کا نکتہ نگاہ گرد آلود چھت تھی۔

اس کی زندگی بے مقصد تھی۔ کبھی کبھار وہ سوچتا تھا اسے پیدا ہی کیوں کیا گیا۔ بعض واوقات اسے زندگی کی ضرورت بھی محسوس نہ ہوتی۔ایسی چیز کا کیا فائدہ جب ان تھک کوشش کے بعد حاصل حصول کے آگے سوالیہ نشان درج ہو۔کچھ اس نشان کے ساتھ ہی مر جاتے تھے اور کچھ اس نشان کے آگے دیگر نشانات لگا کر۔وہ جب بھی اپنے ارد گرد نظریں دوہراتا تو لوگوں کو ایک ریس میں لگا پاتا تھا۔ آخر وہ بھاگ کس کے لیئے ہیں یا بھاگ کس سے رہے ہیں؟اور آخر میں وہ ایک ہی

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

چیز اخذ کرتا....... یہ سب غیر ضروری تھا۔ زندگی، قوانین، مقاصد، خوشیاں، جذبات، دن، رات، انسان، دین، درہم....... خدا.......دبیر السازار کے لیئے کل کائنات بے رنگ تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ اسکے تخلیق کردہ مسودہ جات بھی بے رنگ ہوتے ہیں۔

چہرہ پھیر کر سرہانے کے کنارے رکھے سفید اور پیلے کاغذ کو دیکھا۔ کچھ کھٹک سا رہا تھا۔

اٹھتے ہوئے وہ دیوار میں موجود ایک پٹ والی کھڑکی تک آیا۔ بوسیدہ شرٹ سے دکھتے اس کے ناتواں بازو کی نسیں نمایاں تھیں۔ کچھ دیر وہ یونہی کھڑا رہا پھر آگے بڑھتے کھڑکی کی بار پر کہنیاں ٹکائیں اور چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں گرالیا۔ لبوں پر ایک خالص مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں خلوص۔ مکمل چاند اپنی تمام تر روشنیوں سے دبیر السازار کو اپنی آغوش میں لے چکا تھا۔ رات کا وقت وہ واحد لمحات جب اسے دنیا میں کچھ رنگ محسوس ہوتے تھے۔ شور سے عاری، روشنیوں

سے بالاتر چاروں اور ساکت کر دینے والی وحشت تھی۔ دبیر کے لیئے وہ وحشت ہر رحمت سے بھر کے تھی۔

”میں یہاں سے دور جانا چاہتا ہوں۔“ خاموشی میں اسکی آواز کی گونج پیدا ہوئی۔ ” جہاں کوئی ذمہ داری نہ ہو۔ کسی کی طرف داری بھی وجود نہ رکھتی ہو۔ جہاں کوئی مجھ پر بے لوث ہو کر احسانات نہ کرے۔ میں ضمیر اور نفس پر یقین نہیں رکھتا۔“ یک دم کہیں سے مدھم بھورے بالوں والی بلی فاصلے پر بنی بالکنی پر آٹھہری۔

”میرے نزدیک رشتے داریاں نبھانا بھی کوئی ضروری نہیں۔ لوگ ایک دوسرے کی مدد کیوں کرتے ہیں؟ (دبیر نے ہاتھ بڑھاتے بلی کے بالوں میں پھیرا) وجوہات ہیں نا۔ مگر ہر وجہ میں ضرورت ہے۔ کہیں تعریفوں کی ضرورت، کہیں خود کو مطمئن کرنے کی تو کہیں کسی اور سے بدلے میں مدد مانگنے کی۔ پھر آخر انسان مدد کرنے والے کو اتنا عظیم کیوں سمجھتا ہے اور خود غرضی کو اتنا حقیر کیوں؟“ بلی

مہارت سے بالکانی ٹاپتے اب دبیر کی کھڑکی میں آبیٹھی۔ مدھم مسکراہٹ لیئے وہ اسے کندھے پر بٹھانے لگا۔

"مگر فرحان.....اُس کی ضرورت کیا ہے؟ تنہائی کے خانے کو پر کرنا۔ وہ تو کوئی بھی کر سکتا ہے پھر آخر میں ہی کیوں؟ جبکہ میں نے اسے کبھی کچھ فائدہ بھی نہیں دیا۔" بلی اب اپنا چہرہ دبیر کے شانے پر رکھے نیند کی وادی میں جانے لگی۔ دبیر نے اس کے کانوں سے چھیر چھاڑ کی تو بگڑ کر اس نے اپنا پنجا دبیر کی گال پر دے مارا۔ ذخمی گال پر ہاتھ رکھتے اس کی مسکراہٹ کچھ اور پھیلی۔

"انسان سے بڑی عجیب شے میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ ایک بار کسی چیز کا عادی ہو جائے تو پھر بھلے وہ چیز اچھی ہو یا بری چھوڑتا نہیں ہے۔ آخر انسان بدلاؤ سے اتنا گھبراتا کیوں ہے اور پھر جب کچھ بدل جائے تو اس کا بھی عادی ہو جاتا ہے؟ جب سب جذبات وقتی ہیں تو پھر اتنے اہم کیوں؟" بلی اب اس کی بدسلیقہ چادر کی چنٹوں

سے کھیلنے لگی تھی جبکہ وہ دوبارہ اپنی مشق میں غرق ہوتے کہنیاں ٹکاتا جھک گیا۔ ہاتھ کھڑکی سے باہر جھول رہے تھے جبکہ آنکھیں آسمان پر مرکوز تھیں۔

”لوگ مجھے nihilist(فنائیت پرست) کہتے ہیں۔ کوئی مجھے منفی مزاج بھی سمجھتا ہے۔ کئیوں کو میں ڈپرسڈ تو کسی کو میں منافق لگتا ہوں۔ ظاہر ہے بری عادت تو ایک میری بھی ہے کہ ڈرگز لیتا ہوں۔ چھوڑنا چاہوں تو چھوڑ بھی سکتا ہوں اور چھوڑ بھی دونگا.........اگر یہ علم ہو جائے کہ ان میں ایسی کیا کشش تھی کہ دو عقل رکھنے والے انسانوں نے نشے کی لالچ میں ایک دوسرے کا خون کر دیا۔“ دبیر کی مثال بجھی شمع لیئے اندھیرے میں راستہ تلاش کرنے والے مسافر کی سی تھی۔ جو راستہ نہ ملنے کا ڈھول تو بجا سکتا ہے مگر ذرا ہمت کر کے شمع نہیں جلا سکتا۔

”مجھے ان کے مر جانے کا غم نہیں، رتی برابر بھی دکھ نہیں۔ مجھے بس تجسس ہے.........کیا انسان کی عقل اور خود مختاری اتنی کمزور ہے جو سہارے کے بنا زندگی نہیں گزار سکتا۔ اگر سہاروں کی ہی ضرورت ہے تو پھر زندگی کی کیا وقعت؟ یہ تو

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

پھر ایسی مثال ہوئی جیسی ایک سزا ہے اور اسے کسی طرح کاٹے جاؤ کاٹے جاؤ۔"
شاید ہی کسی نے دبیر کو ایسی گفتگو کرتے دیکھا ہو۔ثابت ہوا وہ مرد لفظوں کے معاملے میں کنجوس نہیں بس دوسرے کے سامنے بولنا اسے مصیبت سی لگتی تھی۔

"میں فرحان کو چھوڑ سکتا ہوں اور چھوڑ بھی دونگا اگر اس کی نیت کی وجہ مل جائے۔ فلحال تو مجھے خود کو آزادی دلوانی ہے۔اس کے قرض سے بھی اور اپنے قرضوں سے بھی۔" محبوب بادلوں کی اوٹ میں آنے لگا تو معشوق بھی کھڑکی سے ہٹ گیا۔بلی اب کمرے سے نکل چکی تھی مگر اپنے پیچھے ماہِ ملکہ کے پمفلٹ کو اٹھا کر زمین پر پھینکنا نہ بھولی۔اٹھا کر اسے سیدھا رکھتے دبیر نے سرہانے تلے دبا دیا۔بستر کی نیچے بنے خانے کو باہر نکالتے پیروں کے بل جھکا۔سامنے سکیچ بُکس کا ایک جہاں آباد تھا۔ نامکمل مصوری کو اٹھاتے دراز بند کیا اور بستر پر دوزانوں ہو کر بیٹھ گیا۔

آج کی رات سرمئی لکیروں کے نام۔

★

اگلے دن

ہاں وہ کال کرے گا؟ بالآخر فیصلہ لے لیا گیا۔ سیڑھیوں سے اٹھتے وہ فوراً اندر کمرے میں آیا۔ پیچھے ہیٹر پر رکھا لینڈ لائن اٹھایا۔ نمبر ملایا۔ بیل جارہی تھی۔ دل میں اندر کہیں ایک خوف بھی تھا، چھٹی حس اشارہ جو کررہی تھی کے کچھ غلط ہے۔

وہ آزاد ہوگا، بس یہ اہم ہے۔

پانچویں مرتبہ بیل گئی، اس کا دل ڈوبنے لگا مگر پھر۔

"ماہِ ملکہ کروز شپ کی hiring services میں کال کرنے کا شکریہ، how may I help you؟"۔

امید کی ایک لہر تھی جو اسکے پورے چہرے پر چھا گئی۔ آنکھ پر ابھی بھی پٹی لگی تھی۔ ہونٹ ابھی بھی ایک طرف سے پھٹا تھا۔ وہ اسی پھٹے ہونٹ سے مسکرانے لگا۔ مسکرانے پر اس کے چھوٹے دانتوں سمیت مسوڑے بھی ہلکے سے نظر آتے۔

★

فرحان کو سمجھانا اور منانا کٹھن نہیں تھا۔ وہ مرد تو اسی بات پر پھولے نہیں سما رہا تھا کہ دبیر بلا آخر زندگی کو لے کر سنجیدہ ہو رہا ہے۔ اب دبیر کیا بتائے وہ سنجیدگی کس کھائی کو جاتی تھی۔

★

اپنی تمام تر تفصیلات اس نے ای میل کے ذریعے ان تک پہنچائی تھی۔ ابھی وہ انٹرنٹ کیفے کے ٹیبل سے میل بھیج کر اٹھا بھی نہیں تھا جب یک دم اس کے فون پر پیغامی میسج کی ٹون بج اٹھی۔ بوسیدہ جیب ٹٹولتے جونہی فون نکالا تو پاؤں تلے زمیں نکلتے نکلتے بچی۔ اس کو ہائیر کر لیا گیا تھا۔

کسی بے روزگار کے لیئے یہ خوشی کا بلند مقام ہو گا مگر دبیر السازار کے لیئے یہ حیرت کا ڈوبتا مقام تھا۔ اس کی چھٹی حس درست تھی۔

یہ تین ماہ کی نوکری صرف نوکری ہی نہیں ہو گی۔

★

وہ تیار تھا۔ سامان سب بند تھا۔ اس کا ویزا ایکسپائر ہونے میں ایک سال تھا۔ ٹکٹ کرواتے وہ تین دن بعد بادالونہ کی اینٹوں سے سر ٹکراتی لہروں کو چھوڑتا قاہرہ کے پل تلے بہتی دریا نیل پر قدم رکھ چکا تھا۔ ٹکٹ کے پیسے کہاں سے آئے..... فرحان کے کیئے اس سوال کو دبیر السازار بنا جواب دیئے ہی خواہشات کے دیارِ غیر میں آ گیا۔

★

www.novelsclubb.com

کہانی میں جھٹکے نہ لگے تو وہ بھی بھلا کوئی کہانی ہوئی۔ دبیر السازار کو حیرت نہیں ہوئی جب شام کو ایک میلے سے ہوٹل میں سوتے اس کو پیغام موصول ہوا کہ ''ہم معذرت خواہ ہیں مگر کچھ موسومی اور تکنیکی مشکلات کے باعث ماہِ ملکہ کروز شپ کا آٹھارواں سفر تین ماہ تک کے لیئے ملتوی کر دیا گیا ہے۔''

سکرین پر موصول ای میل کو پڑھتے اس نے موبائل بند کیا، کروٹ بدلی اور بدبودار چادر سر تک تان کر سو گیا۔ نوکریاں تو چھوٹتی رہتی ہیں، نیند بھلا روز تھوڑی آئے گی۔

★

اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اور خود وہ زمین سے بلند۔ خاموش رات اسے الوداع کہتی تھی۔ اپنے ایک چاہنے والے کو۔ وہ ہاتھ پھیلائے زیرِ تعمیر سرخ پُل کے کنارے کھڑا مرنے کو تیار تھا۔ سفید ٹی شرٹ سے نظر آتے اس کے کمزور بازو آسمان میں پھیلے تھے۔ دبیز السازار کے ایک ہاتھ پر پلستر تھا، ایک ٹانگ پر پٹی اور ایک آنکھ پر آئیڈین میں ڈوبا روئی کا گولہ۔

وہ ہوٹل سے خودکشی کی نیت سے نہیں نکلا تھا، بس یہاں سے گزرتے اسے یونہی خیال آیا۔ ”میں مرگیا تو سب ختم ہو جائے گا۔ یہ زندگی، یہ روز صبح اٹھنے کی

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

کوشش، رات سونے کی جدوجہد، ذمہ داریاں، مسائل، خواہشات۔ چارو اور سکوت ہو جائے گا۔ کچھ نہیں ہی میں سب کچھ ہو گا۔"

اس نے دماغ پر زور ڈالا۔ مرنے سے پہلے اس کی آخری یاد کیا ہونی چاہیئے؟ نا چاہنے کے باوجود بھی اس کی بند آنکھوں کے پیچھے ایک ہی منظر چل رہا تھا۔ خون میں لپٹی دو لاشیں۔ ایک مرد، ایک عورت۔ مرد کے ہاتھ میں خون آلود چاقو۔ عورت کے قریب خون آلود گولی۔ دس سالہ دبیر السازارا اپنے ایڈیکٹ ماں باپ کی لاشوں کے پاس کھڑا تھا۔

ایک آخری لمبی سانس اندر اتارتے وہ تیار تھا۔

"شکریہ......ماما، بابا..... کبھی کچھ نہ کرنے کے لیئے۔ میری موت آپ کے نام۔"

وہ چھلانگ لگانے کے لیئے آگے ہوا جب۔۔۔۔"رکو!"

جب ایک مصیبت اس کے گلے پڑ گئی۔

★

بہت سو کے نزدیک گل جان اور دبیر السازار کی پہلی ملاقات باکمال اور لاجواب تھی۔ذرا دبیر سے پوچھو تو وہ بتائے گا کہ اس وقت کتنے کمال ضبط سے وہ اس لڑکی کی گردن توڑنے پر جبر کرتا خود کو بھی لاجواب کر رہا تھا۔اسے گل (ہاں شاید یہی نام ہے اس کا، یاد نہیں دبیر نیم نشے میں تھا) جیسے لوگ اس دنیا میں سب سے غیر ضروری اضافہ لگتے تھے۔کھوکلے، خود غرض،احساسِ کمتری میں مبتلا جو خود کی عزت کروانے کی خاطر دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔

اسے گل جان میں فاطر ابولاسلام کا روپ نظر آیا۔

"گل........ گل جان۔" خالص ترک لہجے میں بولتی دبیر کو دیکھا۔خاموش پُل کے نیچے بنے ٹرین اسٹیشن سے گزرتی ایک ٹرین کی چنگھاڑتی آواز سارے ماحول میں سنائی دی۔چاند سی آنکھوں جیسی گل جان مسکرا رہی تھی۔۔۔کیا وہ ہر وقت یونہی مسکراتی تھی؟ دبیر کی نظروں میں یہ سوال اٹھ چکا تھا اور اب جب تک اس سوال کا

جواب نہیں مل جاتا وہ یونہی اسے دیکھتا رہے گا۔بغیر رکے۔۔۔بغیر سوچے۔۔۔آخر اس کے پاس ایسا کیا ہے جو میرے پاس نہیں؟

★

کچھ مجبور بے بس گھڑیوں بعد

اس نے اپنے بدترین خوابوں میں بھی یہ سوچا نہ تھا کہ ماضی کا ایک بند باب یوں اس آدھے بند پل پر کھلے گا۔المیرا عنایت محسن کو اپنے سامنے سالم، زندہ، ہنستا دیکھتے دبیر السازار کو پل بھر میں لگا اس کا دماغ کھیل رہا ہے۔یہی منحوسیت باقی تھی آج کے دن میں۔المیرا عنایت محسن جیسے انسانوں کے بارے میں دبیر السازار کی ایک ہی رائے تھی؛آخر ایسا کیا خوف ہے جو تم لوگ خود کو ہی چھپانے پر مجبور ہو؟

زندگی کا ایک مزید بدنما روپ اسے المیرا جیسے نفسیات میں دیکھنے کو ملا تھا۔اپنی تنہائی مٹانے کے لیئے انسان کس حد تک گر سکتا ہے۔دبیر السازار کو تو یہ تنہائی کبھی

باعیب نہیں لگی۔ جب دنیا تمہارے ساتھ کھڑی نہیں ہو سکتی تو تم ان کے ساتھ چلنے کی لالچ میں خود سے جھوٹ کیوں بولتے ہو؟

★

اگلے کچھ گھنٹے زندگی کے نام۔ پہلے اس سستے ہوٹل سے نکلنا کیونکہ اگلی رات کا کرایہ نہیں تھا پھر کچھ دن گلیوں میں مارامارا پھرنا۔ وزن تو نہ اس کے سامان کا تھا، نہ اس کے سر کا۔ عام بندہ ایسی صورتحال میں گبھرا جاتا یا کم از کم نڈھال ضرور ہوتا۔ مگر وہ دبیر ہی کیا جو حالات کا اثر خود پر آنے دے۔ آگ لگے بستی میں گنجو اپنی مستی میں۔ تبھی تو ایک سستے سے موٹل میں صاف صفائی کا کام ملتے ہی اسے وہیں ایک چھوٹا سا کمرہ (تین لوگوں سمیت) دیا گیا۔

رات کا پہر تھا۔ سی کلاس علاقہ تھا۔ بتی غائب تھی اور اگر اوپر والی منزل سے آتی لڑکیوں کی آوازوں کا نظر انداز کر کے نیچے آؤ۔ سنسان گوشہ، گند کے ڈھیر، ایک

اور کھلی کھڑکی جس سے سٹریٹ لمپ کی نکلتی روشنی کا مختصر حصہ اندر کمرے تک آرہا تھا۔

مکمل سکوت جس میں جھینگر اور نجانے کون کون سے کیڑے مکوڑوں کی آواز تھی۔ آہستہ سے دھواں کا ایک مرغولہ اڑتا ہوا باہر آیا، فضا میں بلند ہوا اور پھر آنکھوں کے سامنے وہ اس صاف ہوا کا حصہ بن گیا۔ کھڑکی سے اندر جھانکو تو ایک چھوٹا سا کمرہ نظر آئے گا۔ جہاں ایک طرف لگا سنگل بیڈ تھا، اس سے تھوڑی ہی دور چھوٹا سا واش بیسن اور کمرے کے بیچوں بیچ آدھ کھلا سوٹ کیس جس کے اندر کم اور آس پاس کپڑے زیادہ بکھرے تھے۔

www.novelsclubb.com

کمرے میں خاموشی تھی۔ باہر سے آتی روشنی صرف کھڑکی تک محدود تھی۔ یوں لگتا تھا اندر کوئی نہیں لیکن پھر وہ اڑتا ہوا دھواں آیا۔ کچھ ہی سیکینڈز بعد دوبارہ ایک آہستہ سے مرغولہ بلند ہوا۔ سفید سرمئی سا بادل اور اگر اس کا تعاقب کرو تو تمہیں کھڑکی سے تھوڑا نیچے ہو کر جھانکنا پڑے گا۔

ایک دبلا پتلا بغیر بالوں والا مرد کمرے کے کونے میں بیٹھا منہ سے دھواں نکال رہا تھا۔اس کی آنکھیں بند تھیں یوں جیسے وہ مدہوش ہو۔ منہ سے نکلتا دھواں اسے سکون بخش رہا تھا۔ وہ کسی اور ہی دنیا میں کھویا ہوا تھا، ایسی دنیا جہاں سکون، خاموشی،راحت اور کوئی غم نہ تھا۔

دبیر السازار نے سگریٹ دوبارہ ہونٹوں سے لگایااور دھواں ناک اور منہ کے ذریعہ نکالا۔ وہ عام سگریٹ کا دھواں نہیں لگا۔دبیر السازار جائیونٹ پی رہا تھا(چرس والا سگریٹ)۔ کوئی عقلمند انسان ہوتا تو یقیناً اپنے پاس موجود پیسوں سے کچھ مفید خریدتا۔ مگر دبیر کے پاس عقل بال سے بھی کم تھی تبھی گلیوں میں فروخت ہوتی اس لعنت کو خریدنے میں بچے کچے پیسے بھی لگا دیئے۔

کمرے میں چھائی بدبو یوں تھی جیسے جلتی ہوئی لکڑی کے اوپر لیمو چھڑک دیا ہو۔ کانپتے ہاتھوں سے جوائنٹ لبوں سے جدا کیا۔ بھڑکتے ہوئے شعلے نے سامنے کا حصہ ہی نہیں دبیر السازار کی زندگی سے کچھ گھنٹے بھی یونہی گھٹا دیئے۔ اندھیری

رات، نارنجی روشنی اور چمکتا چاند ایک اور انسان کو خود کی زندگی برباد کرتے دیکھ کر رہ گیا۔

★

ایک ہفتے بعد

اسے پیغام موصول ہوا۔ پتہ درج تھا مگر وجہ غائب تھی۔ شام سے اس عمارت کے اوٹ میں چھپے وہ مسلسل پاؤں جھلا رہا تھا۔ رہائشی عمارت کے سلاخ دار دروازے کھلے تھے۔ ان سے نظر آہستہ سے ہٹاتے فاصلے پر کھڑی دو گاڑیوں کی طرف آؤ۔ نہیں نہیں ان گاڑیوں کے اندر مت جھانکو ان کے ساتھ موجود پتلی سی بند گلی کی طرف مڑ جاؤ۔ مکمل سیاہی میں خود کو لپیٹے ایک پستہ قد آدمی دیوار کے ساتھ بالکل جڑ کر کھڑا تھا یوں کے جیسے وہ دیوار کا حصہ ہو۔

www.novelsclubb.com

اس کا سر جھکا تھا اسی لیئے چہرہ چھپا۔ وجود نے اپنی جھکی گردن اٹھائی اب تم اس کا چہرہ دیکھ سکتے تھے۔ سیاہ بینی کے نیچے پیلی زرد گندمی رنگت پر جابجا خراشیں تھیں۔ زخم مندمل ہو رہے تھے۔ وہی نشے کی شدت سے ہو جانے والیں بے رونق بھوری آنکھیں اور ان کے نیچے موجود سلا ہوا لمبا سا گھاؤ کا نشان۔

"کال اٹھالو آبلا!" آواز پر اس کے کان کھڑے ہوئے۔ ذرا سا چہرہ پھیرتے دیکھا تو ششدر رہ گیا۔ وہی نیلی آنکھوں والی چڑیل نچلا ہونٹ دانتوں میں دباتے عمارت میں داخل ہو رہی تھی۔ فاصلے سے بھی وہ دیکھ سکتا تھا کہ گل (یہی نام تھا؟) رو دینے کے قریب ہے۔ اپنی عجلت اور پریشانی میں اسے یقیناً دبیر کی موجودگی محسوس نہیں ہوئی۔

گل کے جاتے ہی وہاں خاموشی دوبارہ پھیل گئی۔ البتہ اس کی سوچ ایک نہج پر ٹھہر گئی...... روتے ہوئے بھی کسی کی آنکھیں کیسے چمک سکتی ہیں؟

www.novelsclubb.com

اچانک کہیں بہت دور سے بھاری دروازے کے چڑ ہونے کے بعد بند ہونے کی آواز آئی، پھر کسی کے قدموں کی اور دیکھتے دیکھتے اس بند گلی میں واقع عمارت کے ساتھ جڑی کمزور سیڑھیوں سے ایک آدمی نیچے آیا اور نہایت عجلت سے دبیر کے قریب سے ہوتا گلی سے باہر نکل گیا۔

دبیر السازار نے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ وہ جو کچھ دیر پہلے خالی تھا اب وہاں ایک لفافہ تھا۔ نوٹوں کی گڈی سے بھرا لفافہ۔ یہ وہی آدمی پکڑا کر گیا تھا۔ چہرہ بلند کر کے چاند کو دیکھا۔ اس کی محبوبہ اس سے ابھی بھی ناراض تھی لیکن وہ جلد منا لے گا۔ پکا!

"بس یہ کچھ ضروری کام ہے یہ کر لوں پھر مڑ کر کبھی اس راہ پر نہیں آؤنگا۔" دل کی پکار تھی یا کیا اس نے اپنی ٹوپی مزید نیچے کھسکائی اور گلی میں ہی کہیں غائب ہو گیا۔

جرم اپنی بنیادیں مضبوط کر چکا تھا۔

★

دنیا میں آئے دن لاکھوں کی تعداد میں نوکری کے لیئے انٹرویو ہوتے ہیں مگر کیا تم نے کبھی گہری رات میں ..... دریائے نیل کے کنارے.... آدھے قمر کی بکھرتی روشنی میں کوئی انٹرویو منعقد ہوتے دیکھا ہے۔ دبیر السازار نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ مگر لفافے میں موجود پتے کو پڑھتے تسمے باندھتا وہ بروقت ہی منزل پر پہنچ گیا۔

پانی کی سطح پر سایہ کرتا چاند چار ٹکروں میں بٹا تھا۔ لہریں آتیں اور مہتاب کے سائے کو اپنے اندر سمو لیتی۔ نئی لہر آتی، نیا سحر بنتا، نیا سایہ ابھرتا۔ رات کی خاموشی میں لہروں کا شور تازگی بخش تھا۔ اس کی سیاہ شرٹ قدرے نم ہو چکی تھی، اس پر پہنی کھلے بٹن والی دھاری دار شرٹ انگلیوں کو آدھا ڈھکے ہوئے۔ گندمی شارٹس سے دکھتی برہنہ ٹانگوں پر دریا کا یخ بستہ پانی ریت کے زرات چھوڑے سمندر کا حصہ بن جاتا۔ عاشق کا چہرہ شانت رہا۔ بازو پہلوں میں گرائے وہ یہاں آنے کے مقصد سے بے خبر تھا۔ دبیر کے بے اختیار نے سرگوشی کی۔ خوش آمدید۔۔۔۔۔ موت!

جب اسکی پشت کے سائے میں ایک وجود آٹھہرا۔ بلند قامت، چوڑے کندھے، تند و مند بازو جو سر سے لے کر پیر تک سیاہ ٹوپیں میں چھپے تھے۔ آنے والے کے سامنے دبیر السازار چھپ سا گیا۔ ساحل کی نم ریت میں دبیر کے پاؤں دھنسے تھے۔ لہر آتی اور ٹوپیں والے کے چمک دار جوتوں کی نوک پر قریب آتے ہی پلٹ جاتی۔ یوں جیسے اس کے جوتوں پر چھاپ نہ چھوڑنے کی تنبیہ انہیں قدرت نہ کی ہے۔

"أهلًا وسهلًاالسازار!" چاند، چمک، عشق سب کو اس آواز نے اپنی لپیٹ میں لیتے دبیر السازار کے وجود کو ساکت کر دیا۔ ہوا کے تھپیڑے پہلے سے سخت لگے، قدرت کی خوبصورتی اب بدنما ہوئی اور پاؤں تلے ریت دلدل بن گئی۔ کس منحوس کی شکل دیکھ کر جہاز میں بیٹھا تھا۔ جب سے آیا ہے واقف کاروں سے ہی فرصت نہیں۔

★

ماضی کو روک کر، حال کے راستے پر چلتے سیدھا قلعے کے باہر جنگل میں آؤ

دریا کا پانی ایک سمت بہتا جنگلے میں کہیں غائب ہو رہا تھا۔ بنار کاوٹ کے بہتے پانی کو دیکھتے فاطر اسلام دوزانو ہوئے ایک نم پتھر پر بیٹھا تھا۔ گردن جھکی تھی اور انگلیاں غیر ارادی طور پر گھاس کے ساتھ کھیلنے میں مشغول۔ دبیر السازار اس کی پشت پر درخت سے ٹیک لگائے ہاتھ میں ٹہنی لیئے اس کے پتے اتار رہا تھا۔ دونوں فریقین کے درمیان خاموشی تھی جبکہ ان سے کافی فاصلے پر ندی کے کنارے ماسمیت نجف فاطر کا گروہ ڈیرہ جمائے تھا۔

کوئی لڑکا نجف کی پٹیاں کر رہا تھا جبکہ وہ سب ٹھنڈے پانی سے خود کو سراب کر رہے تھے۔ نجانے کتنے دنوں بعد انہیں شفاف پانی میسر ہوا تھا، فلوقت ان کے لیئے وہی آبِ ذم ذم اور آبِ خضر تھا۔

پتے کی ٹہنی سے الگ ہونے کی آواز پر فاطر کے اعصاب چوکنا ہو جاتے۔ "اس دن دریائے نیل کے پاس انہوں نے مجھ سے تین ماہ کے لیئے میری جان کی قیمت مانگی۔ معاملہ سیدھا تھا میں ان کے لیئے کام کرونگا بدلے میں مجھے پیسے ملے گیں۔

کام کی نوعیت کچھ بھی ہو سکتی ہے مگر جگہ کروز شپ ہی ہو گی۔ بس اپنی وفاداری ثابت کرنے کے لیئے مجھے سمندر میں کودنا ہو گا۔ اگر اِس دوران میں مر جاتا ہوں تو وہ بنا کسی رکاوٹ کے سارے پیسے فرحان کو بھجوا کر میرے قرضے معاف کروادے گیں۔" لکڑی کی وہ پتلی سی شاخ اب سبزے سے مکمل پاک تھی۔ فاطر اسلام گردن پھیرے لہروں کی جلوہ افریزی دیکھنے میں محو تھا۔

"تمہیں قرضے لینے کی نوبت کیوں آگئی؟ نشہ کرنے کے پیسے نہیں تھے۔" سوال پر جواب دینا اسکی پرانی عادت تھی۔ دبیر السازار کی خاموشی اعلان تھی کے فاطر اپنے اندازوں میں درست ہے۔

"اوقات سے اونچے شوق نہیں پالنے تھے۔" حقارت سے ہونٹ کا کنارہ بلند کرتے دبیر پر ایک ناپسندیدہ نگاہ ڈالی۔ دبیر نے بھی کمال فرمابرداری سے سر تسلیم خم کر دیا۔

”مجھے اس سے زیادہ اور کیا چاہیئے تھا۔ میں مر جاتا، زندگی ختم۔ پیچھے میری موجودگی کا نشان بھی ختم جو ادھار پیسوں کی سورت کئی لوگوں کے ذہن میں گونج رہا تھا۔(دبیر نے پاؤں کی مدد سے ایک کنکر دریا کی جانب اچھالا)میں کود گیا اور بد قسمتی یہ کہ بچ گیا۔“گہری سانس لیتے دبیر نے چغے کی ٹوپی سر پر ڈالی۔

”کیا تم ماہِ ملکہ کی اصلیت سے واقف نہیں تھے؟“ فاطر اسلام نے پانی پر تیرتے کنکر کو دیکھتے پشت پر کھڑے مرد سے سوال کیا۔

”یہ معلوم تھا(انسانی بیچ وفروخت)human trafficking کرتے ہیں۔ یہ معلوم نہیں تھا(انسانی جنگی آلہ)human war weapon بھی بنا رہے ہیں۔“ دبیر اب اسکے شانہ بشانہ آیا۔ جہاں فاطر گھٹنوں پر کہنیاں رکھے بیٹھا تھا وہیں دبیر سیاہ کپڑے میں خود کو چھپائے کھڑا تھا۔

”مکمل اصلیت کب معلوم ہوئی؟“ دبیر السازار نے سرد سانس خارج کرتے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیئے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"جب ہم اس قلعے میں آئے تھے۔ میں نے کھڑکی پر ایک خون آلود ہاتھ دیکھا تھا۔ تجسس سے مجبور تہ خانے کے راستے ٹٹولتے حقیقت تک پہنچ گیا اور پھر (فاطر نے کن آکھیوں سے دبیر کا تذبذب سے بھرپور چہرہ دیکھا) میں مکمل قید ہو گیا۔ جان کی گروی تو پہلے ہی رکھوائی تھی، آزادی بھی ان کے نام ہو گئی۔"

"اور بس ایسی صورتحال میں تمہارا خودکشی کا نیک شوق نہیں جاگا؟ جبکہ اگر تم اس وقت خود کو ختم کرتے تو مجبور، بے بس، بیچارہ سمجھ کر سب تم سے ہمدردی کرتے۔" وہ مرد طعنہ پر طعنہ بغیر قرض رکھے مارتا تھا۔

"جاگا تھا (کسی نے سلا دیا، یہ بات دل میں کہی) مگر مجھے صرف جسمانی طور پر مرنا نہیں تھا لوگوں کے ذہنوں سے بھی غائب ہونا تھا۔" کچھ دیر مقابل سمت سے سوال نہ کیا گیا۔ فاطر اسلام اس کے انکشافات کے پے در پے جھٹکوں کو سنبھال رہا تھا۔ جیب میں رکھے نقشے کو نکالتے اس نے سامنے پھیلایا۔ ارادے کے مطابق

انہیں دو دن تک اس گھنے جنگل میں ہی بچ بچاؤ کرنا تھا۔ کیسے؟ یہ ایک ایسی پہیلی تھی جو انہیں باقیوں کی طرح بھی خود ہی سلجھانی تھی۔

کچھ دیر بعد ان کے قافلے میں سے ایک مرد کچھ قریب چلتا ان سے تین چار قدم دور آبیٹھا۔ پاؤں پانی میں ڈبوتے وہ یقیناً ٹھنڈک سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس کی امید سے بھری آنکھوں کو دیکھتے دبیر السازار یک دم کشمکش میں چلا گیا۔ آخر کیا تھا ان آنکھوں میں جو وہ اتنی خوش تھیں؟

''وہ زندہ ہیں۔'' فاطر کے مبہم جملے پر مرد کا ارتکاز بکھرا۔ ''اس کی آنکھیں مایوس نہیں، زندگی سے پرامید ہیں اور مقصد سے آگاہ ہیں۔ تبھی وہ زندہ ہیں اور تمہاری اس قدر مردہ۔'' دبیر کی تنی پیشانی پر آئے نادیدہ بل آہستگی سے غائب ہوئے۔ فاطر اسلام کی آنکھوں میں دکھتی طنزیہ تپش اس کے لیئے نامانوس تھی۔

''آنکھیں روح کی کھڑکیاں ہوتی ہیں اور جب روح ہی تاریکی میں ہو تو آنکھیں کیا خاک منور ہونگیں۔'' دبیر نے احتجاجی تاثر دینا بھی گوارہ نہ کیا۔ مشعل اس کے

دروازے پر دستک دے رہی تھی مگر اندر بیٹھے شخص نے مشعل کو بے معنی اور لغو کہہ کر نظرانداز کردیا۔ پھر جو اندھیرے چن لے، روشنی بھی ان کا انتظار نہیں کرتی۔

"مجھے حیرت ہے۔ تم ایک ایسے انسان ہو جس کی زندگی سے کوئی خواہش نہیں پھر تم نے فرحان کی زندگی آسان کرنے کی خاطر ماہِ ملکہ کی غلامی کیوں کی۔" سینے پر بازو باندھے وہ سر یہ لگائے سیدھا بیٹھا تھا۔

"مجھے اپنی موجودگی کا ہر نشان مٹانا تھا۔ میں مر جاؤں اور کوئی پلٹ کر میرا ذکر نہ کرے۔ میں نہ رہوں، میرے لیئے دعا کے ہاتھ بلند نہ ہوں۔ مثالی موت ہی وہ ہے کہ تم ختم ہو جاؤں اور لاش بھی کسی کو نہ ملے۔" دبیر کی تاریک باتیں اب مصری کو حیران نہیں کرتی تھیں۔

"یہاں رہنے کی میرے نزدیک کوئی قابلِ اہم وجہ نہیں۔ اس دنیا میں کوئی کشش نہیں۔"

"اگلی دنیا میں کشش ہے کیا؟"

"اگلی دنیا دیکھی کس نے ہے؟" فاطر کے سوال کا بے ساختہ جواب دیتے بھی اس آدمی کی آواز اور ادا جذبات سے ناپید تھی۔ "موجودگی تسلیم کرنے کے لیئے بصیرت ضروری ہے۔"

"اپنی موت کے بعد مستقبل کی دنیا تو تم نے بھی نہیں دیکھی۔ پھر اتنا یقین کیسے یہاں کوئی تمہیں یاد نہیں کرے گا۔" کچھ توقف کے بعد فاطر نے گھاس کھرچتے سنجیدگی سے کہا۔

"میرے اعمال اتنے عظیم نہیں کے دنیا مجھے اچھے لفظوں میں یاد رکھے۔"

"اچھے لفظوں کی خوش فہمی تمہیں ہے ہی کیوں؟" فاطر نے آبرو اچکا تا تھیکا سا وار کیا۔ "جیسے تمہارے کارنامے ہیں گلی کا بچہ بچہ تمہارے نام پر تھوکے گا۔ مرنے

کے بعد سب تم پر لعنت بھیجیں گیں۔نہ جیتے ہوئے دعائیں سمیٹ سکے نہ مرنے کے بعد دعائیں ملے گیں۔"

"مجھے لوگوں کی بددعا کی پرواہ نہیں۔" تلخی سے سر جھٹکا۔

"تمہیں نہ صحیح تمہارے اعمال نامے کو تو ہے۔" دبیر السازار کے زبان پر آئے لفظ فاطر کے جملے کی تاثیر سے بھسم ہو گئے۔ابو الاسلام کا خون آج مکمل جوبن پر ٹھاٹے مار رہا تھا۔

"نجانے کتنوں کی زندگی کے ساتھ کھیل کر تم نے پیسے کمائے ہیں۔کیا تمہیں لگتا ہے یہ حرکت کوئی بھولے گا؟" گھنی بھنوؤں تلے دہکتی آنکھوں میں سنجیدگی بھرپور تھی۔دبیر السازار نے بغیر تردد کے چہرہ پھیر لیا۔سوچنے کو ایک اور مسئلہ مل گیا۔

"انسان کی موجودگی اس دنیا سے ختم ہوگی، اس دنیا کی موجودگی اس کے اعمال نامے سے نہیں۔ میری نصیحت ہے کہ جب تک یہاں ہو کچھ اچھا سمیٹ کر جاؤ۔ موت کے بعد مواقع نہیں ملا کرتے۔" گھٹنوں پر زور دے کر کھڑے ہوتے فاطر نے جھکی گردن سے گھڑی بنے دبیر کو دیکھا۔ خود اس کا چغہ انگلیوں تک آرہا تھا جبکہ دبیر کی ناک کے علاوہ جسم کا ہر حصہ ڈھکا تھا۔

چہل قدمی کرتے وہ دریا کے کنارے چلتا مجمعے کی جانب بڑھا۔ سر جھکا تھا، ہوا کی دوش پر لباس لہرا رہا تھا۔ فاطر نے نقشہ پڑھنے کی نیت سے چہرے کے سامنے کیا جب یک دم اسے قدم ڈگمگاتے محسوس ہوئے۔ ماتھے پر ناسمجھی کا جال سا آیا، حساسیات ایک دم چوکنا سی ہوئیں۔ جب کچھ لمحات تک چار و اور سکوت رہا تو وہ اپنا وہم سمجھتے آگے بڑھ گیا۔

"طبعیت کیسی ہے اب نجف کی؟" پنجوں کے بل جھکتے فاطر نے نیم وا آنکھوں سے اسے تکتے مرد کی پیشانی پر ہاتھ رکھا۔ تپش برقرار تھی، حدت مدھم ہوگئی۔

www.novelsclubb.com
NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"ہمیں انہیں کوئی دوا دینی ہو گی۔" کم عمر لڑکے نے اجازت مانگنے سمیت مشورہ دیا۔

"دوا کہاں سے آئے گی؟ سانپ کا ذہر چٹاؤں گے یا مکوڑوں کا لیپ لگانا ہے۔" لڑکا گردن نفی میں ہلا کر رہ گیا۔ کہیں مل جائے اسے اس آدمی کو پیدا کرنے والا ہسپتال کا عملہ، فرصت سے پوچھے گا کہ "کیا اکھاڑ لیا اسے دنیا میں چھوڑ کر"۔

نقاہت سے ٹوٹتے جسم کے ساتھ نجف بمشکل سہارا لیتے سیدھا ہونے لگا جب فاطر یک دم ہی آگے بڑھا اور اسے اپنے کندھے سے لگایا۔ نجف نے بولنے کے لیئے لب جدا کیئے قسمت نے مہلت نہ دی۔ چیخ و پکار سے سب کی سماعت بڑھ گئ۔ پشت پر ہونے والی تیروں کی برسات کے لیئے وہ بالکل تیار نہ تھے۔ جھکتے ہوئے فاطر نے خود سمیت اپنے دوست کو ڈھکا۔ چلاتے ہوئے وہ سب کو چھپنے کا بول رہا تھا۔ مگر اس جنگل میں کوئی کتنا ہی چھپ سکے گا۔ درختوں کی اوٹ سے ہونے والا حملہ بے اختیار اور بے لگام تھا۔ وہ شاید نہیں یقیناً ان سب کو ختم کرنے کے لیئے

جاری تھا۔ جھکی ہوئی گردن سمیت بھی وہ جانتا تھا سب کی خوف و حراس سے کیا حالت ہو گی۔

تیز دھاڑ تیر آتا۔ کوئی درختوں کے تنے میں اٹک جاتا۔ کوئی دریا کا پانی بہا لے جاتا۔ کوئی ان کی پوٹلیوں میں چھید کرتا اور ایک ان میں سے بوکھلائے مرد کے گھٹنے کو چھو کر زمین بوس ہو گیا۔ کمزور مدافعت والا مرد بلبلاتے ہوئے گھٹنا پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اسکے لباس کا چاک پھٹ چکا تھا۔ جلد زخمی ہو کر رفتہ رفتہ سرخ ہو رہی تھی۔

دو منٹ کی لگاتار بوچھار کے بعد جب خاموشی کی چادر نے دوبارہ انہیں ڈھانپا تو فاطر نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔ کان سے ہاتھ ہٹائے اور کن آکھیوں سے حالات کا جائزہ لیا۔ کچھ دیر انتظار کیا اور جب یقین ہو گیا کہ دشمن سرحد سے ہٹ گئے ہیں رہنما نے سر بلند کرتے سب کی عافیت دریافت کی۔

دو لوگ اب اس زخمی آدمی کے سرہانے بیٹھے اسکے زخم کا معائنہ کر رہے تھے۔ سب کے سانس پھولے ہوئے اور آنکھیں یوں جیسے باہر آنے کو بے تاب۔ وہ شور اس کا وہم نہیں تھا۔ماہِ ملکہ کی حدود میں ہونے والا کوئی بھی حادثہ وہم نہیں ہوتا۔

"زخم گہرا نہیں۔ تیر چھو کر گزرا ہے۔" معائنہ کرتے لڑکے کا کہنا ہی تھا جب مریض ہذیانی انداز میں اس پر چلایا۔

"تو تم کیا چاہتے تھے میں مر جاؤں؟ چھو کر نہیں گزرا، گہرا زخم ہے۔ میں تو آگے نہیں چل سکتا بھئی۔" زخم پر پھونک مارتے وہ کبھی رو کر اپنی ماں کو یاد کرتا تو کبھی ان سب کو بد بخت ہونے کے طعنے دیتا۔ فاطر کے ہاتھ یک دم ہی بھنیچ گئے۔ لمبے ڈگ بھرتے وہ اس سسکتے بلکتے مرد کی طرف آیا۔ سب کو جھٹکے سے دور کیا۔ پوٹلی کا کپڑا چیرتے اس کے خراش زدہ گھٹنے کے گرد باندھا اور کس کر گراہ گہری کی۔ اس بے چارے کی چیخ پر چرند پرند اپنے گھونسلوں سے نکل کر بھاگ گئے۔

"پانچ منٹ آرام کرو پھر تم مجھے بھاگتے ہوئے نظر آؤ۔نہ آئے تو دوسرا گھٹنا میں اپنے ہاتھ سے ذخمی کرونگا۔" جبرے سے دبوچ کر اسکا چہرہ بلند کرتے فاطر اسلام نے غراہٹ کی۔ مجمع میں سناٹا چھا گیا۔ وہ جو موت کو آنکھوں سے دیکھ کر آئے تھے،انہیں لگا موت تو ابھی کہیں گئی ہی نہیں.... جلاد تو سامنے ہی تھا۔

ذخمی مرد کو وہیں چھوڑتے فاطر اسلام اٹھ کر حالات کا جائزہ لینا لگا۔ جبرے بھنچے تھے اور تاثرات سفاک تھے۔سد شکر باقی سب ٹھیک تھے، مگر ان کے چہروں اور آنکھوں سے جھلکتا ڈر وہ بلکل ٹھیک نہیں تھا۔فاطر بے اختیار چند قدم آگے آیا تو وہ دو قدم پیچھے ہوئے۔ بھاری جوتوں میں مقید اسکے پاؤں جیسے وہیں جم گئے۔ وہ ڈر موت کو دیکھنے کا نہیں، وہ خوف موت کے ساتھ رہنے کا تھا۔ فاطر اسلام کو اپنے ساتھیوں کی نظر منہ پر جوتے کی طرح لگی۔

سخت گیر کیفیت اپنا اثر زائل کرنے لگی۔ ماتھے پر آئی رگ دھیرے دھیرے اوجھل ہوئی۔ کیا وہ درندوں سے لڑتے لڑتے خود ایک درندہ بن چکا ہے؟ اس میں

جواب سننے کی نہ ہمت تھی اور نہ ہی وقت۔ اگر وہ ابھی لڑکھڑا گئے تو آگے کا راستہ دشوار ہو جائے گا۔ اگر اس نے دوبارہ حاکمیت جتانا چاہی تو آگے کا سفر ناممکن ہو جائے گا۔

پلٹتے ہوتے اس نے تمام کی جانب سے اپنی پشت کرلی۔ ذہن کچھ بیدار اور کافی حد تک اپنے موجودہ رویہ کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اسے گہری ندامت نے گھیر لیا، فاطر کو خود سے مردہ ضمیر کی بو آئی۔ درخت کی اوٹ میں ہوتے آنکھ کے کنارے سے خطرے کا اندازہ لگایا اور پھر دوسری جانب آتے درخت میں کھبا تیر نکالا۔ لکڑی کے بنے مضبوط تیر کا کونا لوہے کا بنا تھا۔ سد شکران کی نوک نہ تیز تھی نہ زہریلی۔

"یہ حملہ ہمیں خوف زدہ کرنے کے لیئے کیا ہے۔ ان کا جان سے مارنے کا ارادہ نہیں تھا۔" نظریں ملائے بغیر سنجیدگی سے کہا۔ بیشتر نے خوف و حراس کے زیرِ اثر سوال کرنے کی بھی غلطی نہ کی۔

www.novelsclubb.com

"مگر ہمیں کوئی مارنا کیوں چاہتا ہے۔" نجف نے گہری سانسوں کے بیچ پوچھا۔ "ہم تو امن اور شانتی سے اپنے ملک کی طرف بڑھ رہے ہیں۔" فاطر پر یہ انکشاف اچانک ہی ہوا کہ اس کے اور دبیر کے سوا وہاں سب لاعلم ہیں۔ انہیں لاعلم رکھنا اسکی مجبوری تھی مگر وقتی کہانی سنانا تو نہیں، اس سے تو فاطر آزاد تھا۔ (المیرا کی صحبت کے نتائج)۔

فاطر اسلام نے کہانی سنانے کی غرض سے گلہ کھنکھارا جب ٹھٹک کر ٹھہر گیا۔ بھنویں کچھ الجھیں اور تاثرات پیچیدہ ہوئے۔ مصری نے دائیں سے بائیں دیکھ لیا۔ ہر چہرہ ٹٹول ڈالا۔ درختوں کے سائے میں جھانک لیا مگر اسے وہ کہیں نہ دکھائی دیا۔

"دبیر کدھر ہے؟" لوگوں نے ناسمجھی سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر فاطر کی جانب نظر ٹھہرائی۔

www.novelsclubb.com

”دبیر کون ہے؟“ان کے سوال پر دل میں چھاتی پر چھائی گہری ہوئی،اندیشوں کی گھنٹیوں میں ولولہ آیا۔دھڑکنیں منتشر ہوئیں اور خون کی تمازت گرم۔بات تو صحیح تھی......آخر ”دبیر کون ہے؟“

ماہِ ملکہ میں آنا تمہارا لیا فیصلہ تھا مگر یہاں سے جانا......وہ اِن کا کیا فیصلہ ہوگا۔

(بدبخت بڈھا جان ہی نہیں چھوڑتا)۔

★★★★

باب ملکہ

www.novelsclubb.com

کبھی سوچا نہیں تھا وہ یہ کہے گی مگر کاش جنگلات میں سروائیو کرنے والے پروگرام کو نظرانداز کرنے کے بجائے المیرا نے غور سے دیکھ لیئے ہوتے تو فلحال انہیں مکھی کی اس قسم کا اندازہ تو ہوتا جو انہیں کے گروہ کی ایک عورت کے کندھے پر بیٹھی اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ان پندرہ سولہ لڑکیوں کے ساتھ وہ جزیرے کے ایک قدرے گھنے درختوں سے ڈھکے علاقے میں تھی۔ چلتے چلتے انہوں نے یہاں کچھ دیر بیٹھنے کا سوچا جب ان کے آرام کو قدرت نے نظر لگائی اور یہ ڈھائی کلو کا اڑنے والا سبز کیڑا نجانے کہاں سے ان کا سکون غارت کرنے پہنچ گیا۔

"میں اس کو مارتی ہوں۔" باقیوں کی بزدلی سے تنگ آتے المیرا خود ہی آگے آئی۔

مظلوم عورت چِلاتے ہوئے اچھلنے لگی۔

"مار نا مت اڑا دو اِس کو۔"

"میں کیا پائلٹ ہوں۔" شاخ کی مدد سے اس لڑکی کے بازو پر دستک دیتے المیرا نے ہنستے ہوئے چوٹ کی۔ اس کے پیچھے کھڑی ادوب آنکھوں پر ہاتھ رکھی اس ہولناک منظر سے منہ چرانے لگی۔

"کلمہ شہادت پڑھ لو۔" لڑکی نے ابھی بات سمجھی بھی نہیں تھی جب المیرا نے پری شدت سے شاخ اس کے بازو پر ماری۔ پتنگے کا تو پتہ نہیں ہاں البتہ اس لڑکی کی چیخ سے پرندے ضرور اڑ گئے تھے۔

کچھ ناگہانی آفات کے بعد

درختوں کے سائے تلے بیٹھی وہ پندرہ سولہ عورتیں مسلسل ایک ہی قصہ دوہرا رہی تھیں۔ بار بار اس غائب ہوئے پتنگے کے بارے میں چغلی کرتے وہ یقیناً اپنے حصے کی نیکیاں بھی اس کو دے چکی تھیں۔

پانی کے مٹکے سے گدلے پانی کا آخری گھونٹ بڑھتے المیرا عنایت محسن نے نم لب ہاتھ کی پشت سے صاف کیئے۔ گرمی کی وجہ سے چغہ اتار کر پوٹلی پر رکھا جب اندر سے جھلکتی کتاب دیکھ کر ٹھہر گئی۔ کچھ یاد آنے پر ہاتھ بڑھاتے اسے اٹھایا اور بڑی عقیدت سے کتاب کی بھوری جلد پر انگلیاں پھیری۔ کتابوں سے نفرت کرنے والی نے دل کتابوں کے عشق میں ڈوبے مرد کے آگے ہارا تھا۔

آہستگی سے کاغذ آگے پیچھے کرتے وہ ایک جگہ رک کر اندر لکھے حروف پڑھنے لگی۔ عربی میں لکھے اشعار سیاہی سے پھیلے تھے۔ فاطر کی دی گئی کتابچہ کو چہرے کے سامنے پھیلاتے المیرا نے درخت کے تنے سے ٹیک لگا لی۔ کتاب نے اس کا چہرہ ڈھک لیا تھا اور جب وہ ہٹی تو سامنے فاطر اسلام کا چہرہ تھا، وہ جنگل کو چھوڑتے قلعے میں بنے کمرے میں موجود تھے۔ نم ہوائیں اور سبزہ زار کے بجائے ارد گرد مشعل اور موم بتیاں تھیں۔ کھلے آسمان اور پتوں کے سائے کے بجائے اینٹوں کا بنا چھت اور چار دیواری تھی۔

"یہ کیا ہے؟" ایک رات پہلے کے منظر میں چلے آؤ جہاں المیرا عنایت محسن ہلکے سرمئی نیلے لباس میں فاطر کے سامنے کھڑی تھی۔ انہوں نے کل یہاں سے نکلنا تھا اور المیرا کی خوشی جو پہلے زمین پر نہیں آرہی تھی اب اس اطلاع کے بعد کے وہ دو دن تک فاطر کا منہ نہیں دیکھ سکتی دوبارہ آسمان پر نہیں بیٹھ رہی تھی۔

"کتاب ہے۔" گہرے نیلے لباس والے آدمی نے کندھے اچکاتے اپنی شاعری کا مسودہ اس تک بڑھایا۔ ارد گرد رکھی روشنیوں سے ان کے سائے دیواروں پر بنتے ان سے بھی بلند تھے۔

"مجھے کتابیں نہیں پسند۔" المیرا نے ناک چڑھائی۔

"میری کتاب ہے۔" میری پر زور دیتے اس نے مسودہ کچھ اور قریب بڑھایا۔ المیرا نے دل کی مجبوری کے ہی تحت درمیانی سی وسعت کی کتاب تھام لی۔

www.novelsclubb.com

"مجھے کیوں دے رہے ہو؟" آگے پیچھے ٹٹولتے اس کی ناک اب تک چڑھی ہوئی تھی۔(کیا مطلب اڑتالیس گھنٹے اس لمبو کی شکل دیکھنے کو نہیں ملے گی)۔

"تمہیں چاہیئے تھی نا میری شاعری کی کتاب۔" المیرا کے چلتے ہاتھ وہیں رک گئے۔ ماضی کے اوراق میں لکھے اپنے کارنامے یاد آئے تو دل ہی دل میں خود پر کراہت ہوئی۔

"اب نہیں چاہیئے۔" قدرے سنبھلتے اس نے جھجکتے ہوئے کہا البتہ کتاب بازوؤں میں چھپالی۔

www.novelsclubb.com

"پھر بھی، رکھ لو۔"

"مگر کیوں؟" فاطر کے اسرار پر اس کا سوال جائز تھا۔("کیونکہ یہ کتاب تمہارے نام ہے۔")الفاظ زبان کی نوک پر تھے۔

"میں مر گیا تو پبلش کروا دینا۔" لفظوں کو نگل کر حلق میں چھپا لیا۔ اٹھ کر اپنا سامان باندھتے اس کا رخ دوسری سمت تھا تبھی اپنے مذاق پر سامع کے چہرے پر آنے والا غصہ وہ دیکھ نہ سکا۔

"میں پھاڑ دونگی۔" جل کر کہا۔

"اپنا نقصان ہو گا۔" وہ محضوظ ہوا۔

"جلا دونگی۔" نئی دھمکی۔

"فضا پر ظلم ہو گا۔" مکمل بے خوفی۔

www.novelsclubb.com

"بس خود پڑھوں گی اور کسی کو نہیں دونگی۔" منہ بسور کر ہتھیار اٹھائے رکھے۔

"تمہارا پڑھنا ہی دنیا برابر۔" عقیدت سے گردن نیزے کے رخ پر جھکا دی۔ میدان جنگ کا دوسرا کھلاڑی اس اچانک عاجزی کے لیئے تیار نہ تھا۔ کتاب پر گرفت پھسلی، دل کی دھڑکنوں میں طوفان آیا اور چلتی زبان کو ایسا وقفہ لگا کہ اب

وہ کچھ بولنا چاہے بھی تو بول نہیں پائے گی۔اس نے ہڑ بڑا کر رخ موڑ لیا مبادا سامنے والا چہرے سے دل کی چوری نہ پکڑ لے۔

پہلے کچھ ورق ٹٹولتے اس نے روشنیوں میں کرتے چہرہ کتاب سے چھپا لیا۔کچھ دیر پڑھتے رہنے کے بعد جب ہٹایا تو منظر دوبارہ ماضی کے بند دیواری سے حال کے گھنے بلند درختوں میں تبدیل ہو گیا۔گھٹن سے گھاٹیوں کی وادی،اندھیرے سے ڈھکے بادلوں تلے چھپا سورج اور لو کی تپش کے بجائے ہوا کے تھپیڑے۔

المیرا عنایت محسن نے کتاب کا صفحہ درست کیا تو دل چیر ہوا۔ لفظوں پر خشک آنسوؤں کے نشانات تھے۔ کیا وہ یہ سب لکھتے ہوئے رویا تھا؟ عجلت سے کچھ صفحات آگے کرتے وہ ایک جگہ ٹھہر گئی۔ لمبی سانس اتاری اور ابتدائی شعر پڑھا۔پانچ منٹ تک اس نے کتاب کو ہر زاویہ سے دیکھا۔ کبھی چہرے کے قریب کر کے، کبھی دور، کبھی الٹا کر، پلٹا کر تو کبھی اٹھا کر مگر ایک بات تو حرفِ سچ تھی۔

فاطر ابولا سلام کی لکھائی کو سمجھنے کے لیئے دنیا کے ذہین فتین لوگوں کی عقل بھی کم ہے۔

”انج لکھیا جنوے پڑھن الا دیس تے رازاں تے ڈاکا مارن لگیا۔(ایسے لکھا ہے جیسے پڑھنے والا ملک کے رازوں پر ڈاکا مارنے والا ہے)۔“ تھک ہار کر اس نے کتاب بند کر دی۔ خالی پیٹ اس میں اتنی توانائی نہیں تھی یہ کیڑے مکوڑے سیدھے کرے۔

★

ماضی، اوکاڑہ

آٹھارہ سال اس کمرے میں گزارے تھے مگر آٹھ گھنٹے بند رہنے کے بعد اسے اندازہ ہوا اسکے بستر کے ایک کنارے چونٹیوں نے اپنا گھر بنا رکھا تھا۔ یہ پہلے تو نہیں تھا۔ المیرا نے خود کو یقین دلایا۔

شاید خالی پیٹ اور خشک حلق نے اس سے سمجھنے کی صلاحیت چھین لی تھی۔ کاش وہ اپنے باپ کو چلا کر کہہ سکتی اسے قید نہ کریں۔ اسے کوئی اور سزا دے دیں مگر اندھیری، خاموش، تنہا قید کی ذیادتی نہ کریں۔

چھ ماہ پہلے اس نے جیل میں ایک رات یونہی کاٹی تھی، اس کے گھر والے اس بات سے لاعلم تھے اور وہ انہیں بتانے کا ارادہ بھی نہیں رکھتی تھی۔ (ورنہ باپ سے کیئے وہ الوداعی وعدے اس کے چہرے پر چانٹوں سمیت رسید کیئے جاتے)۔ نیند کا خمار بھی جسم پر رینگتی کسی شے نے ہی توڑا تھا۔ آنکھیں کھولتے زرد لباس والی لڑکی نے اندھیرے میں غور کرنا چاہا۔ بھاری پلکوں کو آپس میں ملاتے المیرا سست روی سے ہی سہی حال کی دنیا میں لوٹ آئی۔ مٹھی پر رینگتی چونٹیوں کو جھٹک کر ہٹاتے اس نے چہرہ پھیر لیا۔

زمین پر لیٹی اس کی ٹانگیں بری طرح سن ہو چکی تھیں۔ اکڑوں جسم کو سیدھا کرتے اس نے بستر کا سہارا لیتے کھڑا ہونا چاہا۔ گھٹنے میں اٹھنے والے درد نے المیرا عنایت

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

محسن کے ارادے ناکام بنا دیئے۔ بستر کے کنارے غیر آرامدہ سے بیٹھی اس نے گھٹنا چھوا۔ شلوار کے اتنے حصے پر جما خون گواہ تھا کہ چوٹ لگی وقت گزر چکا ہے۔ آنکھیں تھک کر بند کرتے اس نے سر گھٹنے سے لگا دیا۔ ادھر منظر میں سیاہی پھیلی ادھر سیاہ رات کا منظر یاد آ گیا۔ لمبی چٹیا سے کھینچ کر نیچے لاتا باپ، میز سے ٹھوکر کھا کر قدموں میں گرتی بیٹی۔ المیرا نے سر دائیں بائیں ہلایا آفاقہ پھر بھی کچھ نہ ہوا۔

دونوں ہاتھ جبڑے پر رکھے تو باپ کا سخت لمس دوبارہ محسوس ہوا۔ "ہر آدمی باپ ہونے کا حق نہیں رکھتا۔" جھٹکے سے آنکھیں کھولتے اس نے گہرے سانس لیئے۔ کمرے میں پنکھا اور بتی بند تھے، بس برقی قمقوں کی روشنی کھڑکی سے اندر کو جھانک رہی تھی۔ باہر سے دیکھنے والے کو کیا معلوم شادی والے گھر میں دلہن کا ماتم سجا تھا۔

گھٹنوں پر زور دیتے وہ پورے قد سے کھڑی ہوئی۔ ٹانگے یوں شل تھیں جیسے کئیں سوئیاں کھبی ہوں۔ کندھے تو ایسے اکڑے تھے جیسے لوہے کے ستون تلے ہوں۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

گلے میں جھولتا دوپٹہ پاؤں تلے روندتے وہ غسل خانے کی طرف چلنے لگی۔ ہاتھوں پر لگی مہندی خشک ہو کر جلد سے چپکی تھی۔ جوتے پہننے کا تردد کیئے بنا اس نے مرے ہوئے ہاتھوں سے بتی جلائی اور کچھ دیر چوکھٹ پر کھڑی اس چھوٹے سے بھوری ٹائلز والے غسل خانے کو دیکھا۔ جہاں کموٹ، بیسن اور شاور میں اتنا فاصلہ تھا کہ اگر تین لوگ ایک وقت میں یہاں کھڑے ہوں تو جگہ کم پر جائے۔

"میں اپنی ماں جیسی نہیں بنوں گی۔" تمام ہمت جمع کرتے المیرا بیسن کے سامنے آ ٹھہری۔

"کوئی مجھے نشانہ بنائے اس سے پہلے میں اسکا مذاق بنادونگی۔" ماتھے پر بنی خراش، آنکھ کے قریب بکھرا امے کپ اور جبرے پر انگلیوں کے سرخ نشانات کو دیکھتے اس میں کوئی جذبہ نہ ابھرا۔ نہ غصہ آیا، نہ بے بسی محسوس ہوئی، نہ نفرت ہوئی تو نہ ہنسی آئی۔ کاش وہ رو سکتی ہوتی تو اس وقت دھارے مار کر بین کرتی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ہاتھ بڑھاتے اس نے کمر پر جھولتی ڈھیلی چٹیا آگے کی پھر مقابل دیوار میں نصب شلف سے قینچی اٹھائی اور چٹیا کی طرف بڑھائی۔("میرے بیٹی کے بال بڑے خوبصورت ہیں۔انہیں کبھی مت کاٹنا میرو۔") قینچی کی تیزی نے گردن کے قریب جھولتے بالوں پر پہلا کٹ لگایا، پھر دوسرا، پھر تیسرا اور آخر میں لمبی چٹیا میرو کے بالوں سے جدا ہو کر سنک میں آگری۔ ماں کی پکار پر کمزور ہو جانے والی بیٹی مر چکی تھی۔

آئینے میں دکھتا اس کا عکس انجان تھا۔آہستہ آہستہ عادت ہو جائے گی۔ کندھوں تک آتے ریشمی بالوں میں چھپا اکیس سالہ لڑکی کا بھرے گالوں والا چہرہ ہلکی سی مسکراہٹ میں ڈھلا۔ پہلی مرتبہ خود کو دھوکہ دیتے وقت المیرا نے یہ عہد کیا تھا وہ کسی کو کندھا نہیں بنائے گی، وہ کندھوں پر کھڑی ضرور ہو گی مگر کسی کو دبا کر نست نہیں کرے گی۔ بیسن کے سامنے کھڑی لڑکی اصول، ضمیر، انسانیت کو آج کاٹ کر خود سے علیحدہ کرتی تھی۔

”ہر چمکتی چیز پر پہلا حق تمہارا ہے المیرا۔طاقتور دکھنے کے لیئے طاقت ور ہونا ضروری نہیں۔“

دور اندھیرے میں کہیں سے موئذن کی آواز سنائی دی۔وہ لڑکی یونہی شیشے میں خود کو گھورتے ٹس سے مس نہ ہوئی۔موئذن فجر کی نماز کے لیئے بلا رہا تھا۔آئینہ کے سامنے کھڑی لڑکی نے آج سے ضد باندھ لی۔

”خدا صابرین کے ساتھ ہوتا ہے اور میں نے اب سے صبر چھوڑ دیا یعنی خدا نے مجھے چھوڑ دیا۔“کوئی اس لڑکی کو بتائے کہ خدا کے ہاں حاضری دیتے وقت نیت دیکھی جاتی ہے نیک نامی نہیں۔موئذن آذان دیتا رہا،المیرا ضد کو بڑھاتی گئی،تقدیر مایوسی سے سر ہلا گئی اور دروازے پر ہوتی کھٹ پھٹ تیز سے تیز تر ہونے لگی جب پیلے لباس والی مایوں کی دلہن مغرور قدم اٹھاتی کمرے میں آئی۔دروازہ آدھا وا تھا اور آنے والے کا چہرے باہر کی بتی کے باوجود قدرے اوجھل تھے۔

★

حال

وہ درخت سے ٹیک لگائے اونگھ رہی تھی مگر حساسیات بیدار تھے۔اس سے فاصلے پر موجود عورتیں کھانے کے نام پر ایک کھجور نوش کر رہی تھیں جب ان میں سے ایک نے ہانک لگائی۔ پتھر پر آدھی لیٹی اسکی کمزور حالت کو دیکھ کر لگتا تھا وہ کسی وقت بھی بے ہوش ہو جائے گی۔

"کیا ہمیں اب کبھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہو گا۔" اسکی فریاد مدھم تھی، جسم میں توانائی کی کمی لہجے سے ہی عیاں تھی۔وہ لوگ جینا چاہتے تھے اور زندگی کی لالچ میں ہر دشواری برداشت کر رہے تھے۔

کھجور کی گٹھلی پر لگے بقیہ ریشے کھاتی ادوب نے پلٹ کر المیرا کو دیکھا۔ بھوک اتنی تھی کے گٹھلی چھوڑنے کا بھی ہمت نہ تھی۔

www.novelsclubb.com

"ہمارا جہاز کب تک آئے گا ملکہ حضور؟" ادوب کی آنکھوں میں معصومانہ سا سوال دیکھتے المیرا کی ٹیک ڈگمگائی اور وہ لھڑک کر ایک رخ پر گری۔ ادوب ابھی بھی سوالیہ نگاہیں پھیرے اسے تک رہی تھی اور المیرا میں اتنی بہادری نہ تھی کے نگاہیں ملا سکے۔

وہ سب حقیقت سے انجان تھے اور کماری کی تاقید تھی انہیں انجان ہی رکھا جائے۔

"ہم یہاں سب کے مزاج سے واقف نہیں ہیں۔ کوئی گھبرا جائے گا، کوئی بے یقین ہو گا کوئی چیخیں گا اور کوئی شاید لڑ پڑے۔ ہمارے پاس ایسی افراتفری کا وقت نہیں۔ commotion ہمارا پلان خراب کر دے گا۔"

www.novelsclubb.com

المیرا نے کھلے بال کانوں کے پیچھے کرتے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ چہرہ موڑا اور سب کی پر امید توقعات خود پر محسوس کرتے سکتے میں چلی گئی۔ آج کیسا دن تھا کہ کاذب کی ذبان جھوٹ بولتے گھبرا رہی تھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"کس نے کہا ہم بھوکے رہے گیں؟ یہ جنگل ہے نا، اس میں سے شکار کریں گیں۔" جبری مسکراہٹ کے پیچھے اس نے خود کے خوف چھپائے۔ادوب کا سوال نظر انداز کرتے اس نے ان کی توجہ اہم معاملے کی طرف دلوائی۔ بھوکے کے لیئے پیٹ کا سوال ہی سب کچھ ہوتا ہے۔

"لیکن ہم کیسے کریں گیں شکار؟"

"شکار کر بھی لے گیں تو اسے پکائیں گیں کیسے۔"

"اگر شکار نے ہمیں ہی شکار بنالیا تو؟"

المیرا نے ہاتھ اٹھاتے ان جذباتی عورتوں کو ٹھہرنے کا کہا جو رکے بنا سوال پر سوال برسا رہی تھیں۔ کماری نے انہیں اندھیرے میں رکھ کر بلکل صحیح کیا ہے۔

"ہمارے پاس تیر کمان ہیں ہم شکار کر سکتے ہیں۔" گروہ میں موجود دو سپاہیوں نے آنکھیں چرائیں۔ المیرا کی بھنویں الجھیں۔

www.novelsclubb.com

”کیا ہوا؟“

”ہمیں تیر اندازی نہیں آتی۔“ المیرا سمیت ان کی بات کسی کے بھی پلے نہ پڑی۔ مصلحتاً ہاتھ اٹھاتے انہوں نے وضاحت دی۔ ”دراصل ہمارا نشانہ اتنا اچھا نہیں۔“ المیرا نے ہوا میں ہاتھ یوں جھلایا جیسے یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔

جواباً دوسری نے وضاحت دی۔ ”دیکھیں......نشانے پر تیر اندازی کی مشق کرنا اور پھر حقیقت میں کسی جانور پر مشق کرنے میں کافی فرق ہے۔“

”تم لوگ جنگ کی تیاری کر رہے تھے نا؟“ بھورے بالوں والی فتنہ نے ان کی بات کاٹی۔ ”تو یوں سمجھو یہ میدان جنگ ہے اور شکار تمہارا دشمن۔ اس کو تیر مار کر ختم کرنا ہے۔“ دونوں سپاہیان نے ڈھیر سا تھوک نگلا۔ چہروں پر آئی ہوائیاں گواہ تھی ان میں بہادری کے گن نہیں بس ڈھونگ ہیں۔ ادوب نے اپنا سوال دہراتے کھجور کی گٹھلی ایک طرف اچھالی جب یک دم اس سمت سے ایک باریک آواز سنائی دی۔ مجمع یوں خاموش ہوا جیسے سانپ سونگ گیا ہو۔

www.novelsclubb.com

"یہ کس چیز کی آواز تھی؟" جو کچھ دیر پہلے پتھر پر نیم مردہ حالت میں لیٹی تھی اب اسی پر چڑھے سانس روکے سوال کرنے لگی۔ جواب البتہ قدرت کی جانب سے آیا۔ کچھ دیر خاموشی رہی اور پھر وہ باریک سی آواز دوبارہ آئی۔ عورتیں سہم کر ایک کونے میں جمع ہوئیں۔

"یہ تو کسی سانپ وغیرہ کی آواز ہے۔" ادوب کا کہنا ہی تھا کہ سب سے پہلے ان سپاہیوں کا رنگ فق ہوا۔

"چھوڑ دو اس کو۔" لبانی نے معاملہ رفع دفع کیا جب ان دونوں بزدلوں نے باجماعت اپنی پوٹلیاں سر پر اٹھالیں۔

"ہمیں یہاں سے چلنا چاہیئے۔ سانپ زہریلا بھی تو ہو سکتا ہے۔" دو لڑکیاں ایک آواز۔ المیرا نے لبوں کو سختی سے کھینچتے ان "فولادوں" کے نام پر "کم ہمتوں" کو گھورا۔

www.novelsclubb.com

"سانپ کے زہر سے مرنا آسان ہے یا بلک بلک کر بھوک سے مرنا؟"اخضر نگاہوں کی گھوری کو نظرانداز کرتیں ان کے سر ابھی بھی پوٹلیاں کا بوجھ برداشت کر رہے تھے۔"اگر یہاں رہے تو کم از کم ہمیں کھانے کو کچھ مل جائے، اگر یہاں سے گئے تو کسی جانور کو ہم کھانے کو مل جائے گا۔" دونوں دوستوں نے ایک دوسرا کو دیکھا۔ جہاں ایک تعداری سے فوراً بیٹھی وہیں دوسری نے کمر پر ہاتھ رکھتے جواباً آبرو اچکائی۔

"اور تمہیں اتنا یقین کیسے ہے کہ ہمارا رزق یہیں پر لکھا ہے۔"المیرا نے کندھے اچکا دیئے۔

"تحقیق کرنے میں کونسا رزق کے دانے کم پر جائے گیں۔" سلگتی مسکراہٹ فوجی پر ڈالتے وہ پلٹ کر جھاڑیاں ہٹانے لگی جب چار پانچ نے اسے یہ جواں ہمتی دکھانے سے روکا۔ المیرا کے ماتھے کی تیوری چڑھی۔ تب اسے اندازہ ہوا فاطر پر رہنمائی کے درمیاں کیا بیتتی ہو گی۔

www.novelsclubb.com

”ہم یہاں سے چلتے ہیں۔“

”اگر وہاں واقعی سانپ ہوا تو ہم سب مر ور جائیں گیں۔“

”آج ہی تو کھلا آسمان دیکھنے کو ملا ہے کیوں دوبارہ قبر میں پاؤں گھسیٹ رہی ہیں۔“

المیرا نے سختی سے آنکھیں بند کرتے گہری سانس لی۔ قدرت نے ایک ساتھ اس کا واسطہ تیرہ چودہ ”گل جان“ سے ڈال دیا تھا۔ جھاڑیاں ہٹاتے اس نے ان کی آوازوں کو جھٹکا۔ ادوب بھی مدد کے لیئے آگے آئی جب ان کی آنکھیں مکمل ساکت ہوئی اور پھر ٹھہر کر پھیل گئیں۔ رفتہ رفتہ ہر کوئی ایک ساتھ جمع ہوتے پتوں کے پیچھے چھپے راز کا نظارہ کرنے لگا۔ تمام کی حالت یک مشت۔ وہ من و سلوی تھا یا ان کا وہم؟

سامنے تین چار گھنے درخت ایک ساتھ کسی تکون کی مانند جڑے تھے۔ گھنے انجیر کے درختوں پر لگی نارنجی بھوری بے شمار انجیریں انہیں اپنی طرف راغب کر رہی

www.novelsclubb.com

تھیں۔ مجمع خوشی سے جھومنے لگا، شور اونچا ہوا اور وہ سب اب جھاڑیاں ہٹاتے اپنے لیئے راستہ بنانے لگیں۔ المیرا کے منہ میں پانی آیا۔ اس وقت انجیر بھی بریانی کی پلیٹ تھی۔ خواب کی سی کیفیت میں اگلا قدم اٹھاتے اس نے ابھی زمین پر رکھا بھی نہیں تھا جب ادوب نے بازو سے کھینچتے اسے پیچھے کیا۔ نا سمجھی سے سوال کرنے کی خاطر مڑی جب ادوب نے بولنے میں پہل کی۔

"سامنے دلدل ہے۔" المیرا کو اچھنبا ہوا یا یوں کہا جائے بات اس کے سر پر سے گزر گئی۔ دھیرے سے پلٹ کر سامنے جھانکا تو سارے حواس معطل ہوئے، دل جیسے ڈوب کر ابھرا ہو۔ تکون کی مانند جھکے درختوں کے درمیاں ریت کی گہری دلدل تھی۔ اگر انجیر تک جانا تھا تو اس گھاڑے زرد بھورے مٹی کے تالاب کو پار کرنا ہوگا۔

"میں نے دیکھا ہے جو دلدل میں دھنس جائے ڈوب کر مر جاتا ہے۔" پیچھے سے آنے والی آواز پر المیرا کی آنکھوں میں بنے خواب کرچی کرچی ہو گئے۔ سب کا

جوش جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔تمام کی آوازیں ہار کر مدھم ہوئیں۔اب تماش بین منحوس شکلیں لٹکائے اپنی سبز قسمت کو اس بھورے گاڑے مایا میں دیکھ رہے تھے۔

★★★★

www.novelsclubb.com

باب محافظ

اس کا وجود بلبلے میں مقید تھا یا بلبل تلے تھا، حواس اور اعصاب بیدار ہوتے تو علم ہوتا۔ نیم بے ہوشی کے عالم میں جو پہلا اوسان جگانے والا احساس تھا وہ جلد سے ٹکراتے کسی گرم نرم کپڑے کا ہوا۔ گل جان نے بدحواسی کے عالم میں ہی ہاتھ پیر جھلائے جب اطراف سے ٹوکنے کی آواز سنائی دی۔

"ہلومت، میں ہوں...." گل جان نے شناسا آواز کے مالک کو دیکھنے کی خاطر بھاری پپوٹے جھپکائیں۔ ایک بار، دو بار اور پھر تیسری بار میں منظر کچھ صاف ہوا۔

"یاسمین جان؟" سوال میں در پیش جوش پر سامنے والا سر پیٹ کر رہ گیا۔ ادھر ادھر نگاہ دوڑاتے اس کی عینک ناک پر رکھی۔ گل جان نے افراتفری میں اپنے مددگار کے ہاتھ پر پنجے مارے۔ نسوانی سسکی بلند ہوئی۔ پتھر کے ساتھ لگی بیٹھی، دھند میں چھپی گل جان کی بصیرت اب مکمل صاف تھی۔ مسکراتے ہوئے جونہی چہرہ پھیرا مسکراہٹ کا ستیاناس ہو گیا۔ اس سے بہتر تو وہ اندھی ہی سہی تھی۔

''تم ٹھیک ہو نا؟'' شہزادی عبیل بھورا چغہ پہنے اپنی بڑی آنکھیں اٹھاتے استفسار کر رہی تھی۔ گل جان کا دل کیا وہی آنکھیں نوچ کر بولے ''ہاں اب ٹھیک ہوں''۔ بنا جواب دیئے ترک لڑکی کھڑی ہونے لگی جب یوں لگا جیسے دائیاں پاؤں غیر موجود ہے۔ وزن کے مقابلے میں وہ پاؤں اس وقت باقی مکمل جسم کو پیچھے چھوڑ گیا۔ قدم بڑھاتے اس نے سارا وزن سُن پاوں پر ڈالا۔ ٹخنے سے ہڈی ٹوٹنے کی آواز آئی اور ٹانگ میں اٹھنے والی موج الامان تھی۔ درد سے کراہتے وہ بے دھیانی میں زمین بوس ہو جاتی اگر جو بروقت عبیل اسے سہارا نہ دیتی۔ گل نے جھٹکے سے اسے خود سے دور کیا۔ شہزادی کے چہرے پر آنے والی حیرت دکھ سے گئی گنا کم تھی۔

www.novelsclubb.com

''میں اپنی مدد خود کر سکتی ہوں۔'' غراتے ہوئے وہ اس پتھر پر وزن ڈالتی زمین پر بیٹھتی گئی۔ عبیل بس اسے دکھ سے دیکھ کر رہ گئی۔ ہاتھ رکھتے اس نے پاؤں کو محسوس کیا۔ بدبخت گھوڑے کو اللہ پوچھے۔ کہیں کوئی ہڈی تو نہیں توڑ گیا گدھے کا بچہ۔

عبیل ندامت سے غلابی پڑ گئی۔ اٹھ کر سیدھی ہوئی ہی تھی جب گل جان اچانک سے چلا اٹھی۔

”دفعہ ہو جاؤ یہاں سے۔ مجھے تمہاری شکل نہیں دیکھنی۔“ (کماری کا پڑھایا گیا سارا خاموشی کا سبق وہ عورت بھول بھال گئی، ایک تو پہلے ہی بھولنے کی بیماری تھی اوپر سے لگتا ہے چوٹ بھی خاصی گہری آئی تھی)۔ اردن سے آئی شہزادی کی آنکھوں میں ٹوٹے بھرم کی کرچیاں در آئیں۔ انہیں سمیٹ کر دامن میں اٹھاتے وہ خاموشی سے پتھر کے دوسری سمت جا بیٹھی۔ گل جان کو معلوم نہیں تھا اسے زیادہ غصہ ہے کس پر۔ عبیل کے دھوکہ دہی پر، اپنی بے وقوفی پر یا پھر اس ناکارہ گھوڑے کے حشر پر۔

جوتے کے تسمے کھولے تو اسکی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی۔ ہڈی پر سوجن سے بنا گھامڑ نیلا جامنی ہو چکا تھا۔ اس نے ڈرتے ہوئے چھوا تو اچانک آنے والی سسکی زبان تلے دبائی۔ دنیا میں کسی کی اتنی اچھی قسمت نہیں جتنی گل جان کی ہے۔ شکست

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

خوردہ ہوتے اس نے گردن پیچھے گرادی اور انتظار کیا کہ یا تو کماری اسے ڈھونڈ لے یا موت کا فرشتہ آج اسے اٹھا لے۔ سفید سرمئی سی دھند کو دیکھتے گل نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ شکر کے پڑھے سارے سبق ہلکی سی چوٹ پر ہاتھ سے چھوٹ گئے۔

''تم ناراض ہو مجھ سے؟'' بمشکل کچھ ہی لمحات گزرے تھے جب پتھر کے مقابل سمت سے ایک اداس آواز سنائی دی۔ گل جان ڈھیٹ بنی رہی، جواب نہ دیا۔

''یہی بات بری لگی تھی نا کہ میں نے نگار جی کو کیوں بتایا۔'' عبیل شاید رو بھی رہی تھی۔ ''نہ بتاتی تو تم مر جاتی گل۔ میں نے چاندی کو اپنی آنکھوں سے مرتے دیکھا ہے میں نہیں چاہتی اس جیسی موت کسی اور کو بھی آئے۔'' عبیل کی بیچ بات میں ہی متضاد شخص کی ہنسی بلند ہوئی۔ شہزادی نے آج تک ملکہ کو یوں ہنستے نہیں دیکھا تھا۔ گل کی ہنسی قہقہے میں بدلتی نجانے کتنے کیڑے مکوڑوں کو ڈرا گئی تھی۔

"تم میرا مذاق اڑا رہی ہو؟" کندھے کے پار سے دیکھتی عبیل کی آواز میں شکایت تھی۔ گل نے ہنستے ہوئے گردن نفی میں ہلائی۔

"میں تو تمہاری قسمت پر ہنس رہی ہوں۔ (گل نے پیچھے دیکھا) تمہارے مستقبل سے واقف جو ہوں۔" عبیل کی بھنویں تعجب سے قریب آئیں۔

"مطلب؟" گل جان کچھ دیر اسے دیکھتی رہی، تنبیہ، توصیف، تردید اور تفتیش سب کے بعد "کچھ نہیں۔" کہتے رخ پھیر لیا۔ عبیل کے سر سے لگی تو تلووں میں بجھی اور وہ جھٹ سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

"تمہارا مسئلہ کیا ہے؟ میں تمہیں اپنا دوست مانتی ہوں۔ تمہاری مدد کرتی ہوں اور تم اتنی خود غرض ہو مجھ سے باتیں چھپا رہی ہو۔"

"تو تم نے نہیں چھپائیں؟" تیزی سے اسکی بات کاٹی تو عبیل کی شکن زدہ پیشانی پر لکیریں گہری ہوئیں۔ "تم نے نہیں چھپائیں کیا مجھ سے باتیں؟"

"نہیں۔"اور اس کا لہجہ گواہ تھا کے اس نے واقعی کچھ نہیں چھپایا۔ گل کو اس کی سچائی پر مزید غصہ آیا اور تیش میں آتے وہ اگل دیا جو بس نگلنے کے لیئے کھلا یا تھا۔

"تو پھر یہ بنگالی بِن ماں باپ کی بیٹی راتوں رات اردن کی شہزادی کیسے بنی؟" آخری لفظ پر اسے احساس ہوا کہ وہ جلد بازی میں کیا بول بیٹھے ہے۔ چاروں طرف جنگل، پتوں کا گھیرا، چھپے بادل سب اس کے اچانک تصادم سے دنگ رہ گئے۔ (ابھی کماری یہاں ہوتی اس پلاسٹک کی ملکہ کی خیر نہیں تھی)۔

بمشکل سر اٹھا کر آنکھیں ملاتے گل نے دل ہی دل میں اپنا ماتھا پیٹا۔ عبیل کے چہرے پر موجود خالی پن سے آنکھیں چراتے اس نے بچتاوے سے مجبور چہرہ ہاتھوں میں چھپالیا۔

حیرت انگیز طور پر شہزادی عبیل کے چہرے پر کوئی شرمندگی تو دور غصہ یا بے یقینی بھی نہیں تھی۔ اگلے ہی لمحے وہ تو یوں ہسنی جیسے "لے یہ بھی بھلا کوئی بات ہوئی"۔ گل کے ہاتھ گال پر منجمد ہوئے۔ کہیں اس کے کان تو نہیں بج رہے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

لباس سنبھال کر سامنے بیٹھتے عبیل ابھی بھی ہنس رہی تھی۔ گل کو یقین آگیا کہ ان دونوں میں سے حقیقی سر پر چوٹ کس کو آئی تھی۔(''کہیں سچ جاننے پر اس کا دماغ تو نہیں گھوم گیا۔'' گل کا خود ساختہ تجزیہ۔)

آنکھ کے کنارے آیا آنسو اپنے دامن سے صاف کرتے وہ ہنسی کے بیچ ہی آپ بیتی سنانے لگی۔

''دراصل میں اردن سے ہی ہوں۔ بچپن میں اپنی دنیا سے دوسری دنیا چلی گئی۔ تبھی مجھے ہمیشہ لگتا تھا i don't belong their۔ میرا اصل مقام اور گھر تو یہ تھا۔ وہاں تو سب کا کہنا تھا میں نجانے کس کی اولاد ہوں۔ ایک دن میرے کاکا (چاچا) کاکی (چاچی) کو میں گھر کی چوکھٹ پر ملی۔ وہاں ساتھ لکھا تھا کہ یہ ان کے بڑے بھائی اور اسکی ولایتی بیوی کی اولاد ہے۔ وہ دونوں حادثے میں مر گئے ہیں میں ان کا دوست ان کی امانت آپ کو لوٹا رہا ہوں۔'' ہنستے ہوئے اپنے لباس کو انگلی پر لپیٹنے لگی۔

”لو بھلا، اب ایسے کسی کی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ تو اچھا ہوا میں مصر آگئی ایک exchange سٹوڈنٹ پروگرام کے سلسلے میں ورنہ...... میں تو کبھی اپنی سچائی نہ جان پاتی۔“ وہ جو شروع ہوئی تو رکنا بھول گئی۔ یہاں گل منہ کھولے اسکی روداد سن رہی تھی وہاں کہانی گو وہ سناتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔ ترک لڑکی کو احساس ہوا اس کا منہ حیرت سے کب کا وا تھا۔ تیزی سے بند کرتے اس نے پیشانی مسلی۔ سو سوال تھے، بہتیری باتیں تھیں اور کچھ ڈھیر سو تو اختلافات تھے مگر اس لڑکی کی آنکھوں میں بنتے ٹمٹماتے تاروں کو دیکھتی بس وہ ایک بات کہہ کر رہ گئی۔

”تم فکشن پڑھتی ہو عبیل؟“ گڑیا جیسی بڑی آنکھیں یوں چمکیں جیسے یہ تو ان کا پسندیدہ سوال ہو۔

”تم بھی پڑھتی ہو کیا؟“ چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں گراتے آگے ہوئی۔

”ہاں! مگر میں بس پڑھتی ہوں۔ تم لگتا ہے اس میں جیتی ہو۔“ عبیل نے اسے کچھ خفگی اور بہت سی ناسمجھی سے دیکھا۔ جواباً گل جان خوف زدہ فکر مند نگاہیں لیئے

اسے دیکھ کر رہ گئی۔ بولنے کے لیئے بار بار لب کھولتی مگر مناسب الفاظ نہ پا کر وہیں ٹھہر جاتی۔ ضمیر اسے کماری سے کیئے عہد کی پاسداری کرنے کو کہہ رہی تھی جبکہ نفس اسے عبیل کو ساری سچائی بتانے پر اکسا رہا تھا۔ جہاں اتنا سا کہہ دیا وہاں سب کہہ دو۔ جہاں اتنا سا کہا ہے وہاں آگے کچھ مت کہو۔

”تم ناراض ہو نا؟“ عبیل کی جھجک واضح تھی۔ گل نے ضمیر کو کل کے لیئے ٹال دیا۔

”عبیل کیا تم جانتی ہو چاندی کی موت کیسے ہوئی تھی؟“ سامع سیدھی ہو کر بیٹھتے سنجیدہ ہوئی۔

”ہاں اس کو مرض لگا تھا۔“ گل نے خشک لب آپس میں ملائے۔ پھر وہ سوال کیا جو کوئی بھی عاقل بالغ ضرور سوچتا ہو گا۔

”تم اپنی دنیا میں واپس کب آئی ہو؟“

”تین سال پہلے۔“ چہک کر فخر سے بتایا۔

"اور ان تین سالوں میں یہاں کیا کیا ہوا ہے؟" اس کے سوال نے رازوں کی ایک تجوری پر دستک دی جو کسی کو یہاں تک کہ عبیل کو بھی کھولنے کی اجازت نہیں تھی مگر گل جان ضمیر کو سلا چکی تھی اور نفس کہتا تھا

"بھلا کسی اجازت کی کیا ضرورت۔"

★

من و سلوی اترا اور درختوں میں اٹک گیا اب نیچے موجود قدردان منہ لٹکائے ان انجیر کے درختوں کو دیکھ رہے تھے۔ کچھ پہلے ہی ہار مان کر دور بیٹھی کنکریوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔ دو تین اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے ٹہنیوں پر لگے پھل گن رہی تھیں اور پھر کچھ بے چاری المیرا کو دیکھتے اس کے اگلے اشارے کے انتظار میں تھیں۔

”میں نے تبھی کہا تھا کہیں اور چلتے ہیں۔ اب یہ دلدل کیسے پار کرو گے؟ پنکھ لگا کر۔“ سپاہی نے کنکر پر کنکر مارتے سب پر طعنہ کسا۔ المیرا تو ٹھوڑی پر انگلی رکھے محو سوچ تھی مگر ادوب نے اسے گھورنے کا سنہری موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ اب وہ تمام عورتیں باری باری مسئلہ سلجھانے کے بجائے دہرانے لگیں۔

”کتنے اونچے اور مضبوط درخت ہیں۔ اگر یہ دلدل نہ بھی ہوتی تو ہم پھل تک کیسے پہنچتے؟“ ایک چینی نقوش کی حامل لڑکی نے اظہار رائے دی۔

”اگر ان درختوں میں سے سانپ نکل آیا تو؟“ دوسری سپاہی کے اندیشے پر ادوب نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

”اس سانپ نے دلدل کیسے پار کی ہو گی؟“ سر پر ہاتھ رکھتے وہ سپاہی بگڑی۔

”وہ سانپ ہے۔ سانپ کے پاس پیر نہیں ہوتے وہ سیدھا رینگ کر زمین سے درخت پر چڑھ سکتا ہے۔“ سپاہی کا موقف المیرا کے ذہن کے بند دروازوں پر

www.novelsclubb.com

پوری شدت سے لگا۔ فوراً سے مڑتے المیرا نے چہکتے ہوئے تالی بجائی۔ کنکر سے کھیلتی عورتوں کے ہاتھ سے پتھر چھوٹے۔ پھل کو گنتی عورتیں بجلی کی تیزی سے سیدھی ہوئی اور مرشد کے مریدوں نے کان کھڑے کیئے۔

"ہم درخت پر چڑھ رہے ہیں۔" حاضرینِ مسئلہ دوبارہ اپنے چھوڑے کاموں میں لگ گئے۔ عورتیں ہاتھ جھلاتے کنکروں کا مینار گرانے لگیں۔ لڑکیاں چھوڑی ہوئی گنتی کو دہرانے لگیں اور مریدوں نے دوبارہ سے مایوسی کی چادر اوڑھ لی۔ وہ جو بھنویں اچکاتے داد وصولی کی اظہار خواہش میں تھی اس سے پہلے ہی عوام نے اس کی بہترین تذلیل کر کے منہ بند کروادیا۔

لمبی سانس لیتے اس نے ہونٹوں کو سختی سے ملایا۔ "میں درخت پر چڑھ رہی ہوں۔" تھوڑی سی ردو بدل اور وہ ساری مکھیوں کی طرح بھنبھناتی ہوئی اسکے قریب جمع ہوئیں۔ المیرا کا دل کیا ان سب کو دلدل میں دے مارے۔ نجانے فاطر کیسے انسانیت کے گیت گاتا ہے۔

”آپ درخت پر چڑھے گی کیسے؟“ادوب کی بات پر شانِ بے نیازی سے ہاتھ جھلایا۔

”دلدل تینوں درختوں کے بیچ میں ہے، درخت کے آگے نہیں۔ ہم ان پر چڑھ سکتے ہیں مگر نیچے گرنے سے احتیاط کرنی ہوگی۔“مجمع نے ایک بار مشکل میں چھپی غذا کو دیکھا اور پھر المیرا سے سوال کیا۔

”اور یہ ٹارزان بنے گا کون؟“چغہ کی ڈور ڈھیلی کرتے المیرا تعظیم کی خاطر جھکی۔

”میں ہونا(تم سب کے باپ کی ملازم)۔“سب نے یوں سانس روکی جیسے آسیب دیکھ لیا ہو۔ کہاں وہ خود غرض المیرا اور کہاں ہے یہ بے غرض المیرا۔ درخت میں چھپے اژدھا کی کیا ضرورت جب ایک سالم کھڑا اپنی جلد پرت در پرت اتار رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

''آپ گر جائے گیں ملکہ حضور۔''درخت کے اطراف پیر رکھتی لڑکی کو پیچھے کرتے ادوب کی آنکھوں میں فکر تھی۔المیرا نے اپنا بازو چھڑاتے تنے کو مضبوطی سے پکڑا۔

''گر گئی تو شہید کھلاؤں گیں (نہ چڑھی تو بھوکی مر جاؤنگی)۔'' اگلے ہی لمحے وہ درخت کے تنے میں پاؤں اٹکاتی کسی کوہ پیما کی طرح اوپر چڑھ رہی تھی۔نیچے موجود ادوب اس کے تحفظ کی دعا کی۔سب سر اٹھائے اسے آگے بڑھنے پر داد دے رہے تھے۔

سارے شور و غل میں دوسرے درخت پر بھی ایک عورت چڑھی۔''دو لوگ ہونگیں کام جلدی ہو جائے گا۔'' المیرا نے پلٹ کر اس عورت کو دیکھا جس کی آنکھوں میں اس کوہ پیما کے لیئے داد اور تعریف تھی۔زمرد آنکھوں کی سیاہی پھیل گئی،اس کا دل عزت سے پھول گیا۔جوش آسمانوں سے جاملا،اگر کوئی چھبیس سالہ المیرا سے سوال کرتا کہ تم آٹھارہ سالہ المیرا سے کیا کہو گی تو وہ جواب

دیتی....."ساتھ" طاقت لاتا ہے "طاقت" ساتھ نہیں لاتی۔اس کے پیچھے بھاگنے کے بجائے خود کو اتنا مضبوط بناؤ کے "ساتھ" خود تمہارے پاس آکر تمہیں "طاقتور" بنائے۔

مسکراتے ہوئے اب وہ شاخ پر بیٹھتی انجیر اپنی جھولی میں اتارنے لگی۔ بھولے سے بھی ایک بار نیچے بنے تالاب کو نہیں دیکھا۔اس سے مقابل درخت پر چڑھی عورت ایک قدرے کمزور شاخ پر تھی۔دونوں عورتیں جب اپنا دامن اچھی طرح پھل سے بھر لیتیں تو نیچے کھڑی عورتوں کی جانب اچھال دیتی۔ہر آنے والے ٹوکرے پر ان کے چہروں کی خوشی دوگنی ہوتی۔

www.novelsclubb.com

کوئی پندرہ بیس منٹ تک یہ عمل کام لانے تک جب اچھا خاصا پھل جمع ہو گیا تو چینی نقوش والی وہ عورت نیچے اترنے کے لیئے پلٹی۔بالوں کو چہرے سے پیچھے کرتے المیرا ابھی اترنے کی تیاری میں تھی جب اچانک آنے والی دلخراش چیخ نے اسکے قدم ڈگمگا دیئے۔اگر وہ بروقت شاخ کا سہارا نہ لیتی تو دلدل میں جا گرتی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

سب کی نظریں اب آواز کی سمت تھیں۔ المیرا نے مقابل پیر کو دیکھا۔ چھوٹی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی۔ چینی عورت تقریباً شاخ پر لیٹی سامنے شاخ کے تنے سے چپکے سانپ کو دیکھتی چلا رہی تھی۔ رنگ فق تھا، انجیر کا گچھا ریت کی ندی میں ڈوب رہا تھا جبکہ وہ زمین سے اوپر موت کا سامنا کر رہی تھی۔ نیچے کھڑی عوام اس سے زیادہ چلاتے جنگل کو سر پر اٹھائے ہوئی تھیں جیسے سانپ ان کے سامنے تھا اور کب کا انہیں ڈس بھی چکا ہو۔

”پتھر مارو نا کوئی اسے۔“ سپاہیان نے شور مچایا خود ہمت نہیں دکھائی۔ تنے سے جڑی المیرا کی نگاہ اچانک ہی مقابل درخت کی شاخ تک گئی اور جسم پر رونگھٹے کھڑے ہوگئے۔ انجیروں کا گچھا بے انتہا تھا۔ کچھ پھل کا بوجھ اور پھر زیادہ اس عورت کا بوجھ شاخ کو جھکانے کی وجہ بن رہے تھے۔ کوئی بعید نہیں تھی کہ وہ کب درخت سے جدا ہو اور پھل سمیت عورت بھی دلدل کا حصہ بن جائے۔

”ارے کوئی ہٹاؤ اس سانپ کو ورنہ وہ لڑکی ماری جائے گی۔“

"مدد نہیں کر سکتی تو شور بھی مت مچاؤ۔" فوراً سے نیچے آتے اس نے ان کا ہلوں کو سختی سے کہا اور خود ارد گرد پتھر کی تلاش میں نگاہ دہرائی۔ ایک طرف رکھے پتھر کو دیکھتے اس نے اٹھانا چاہا جب اسکی ہمت درمیان میں ٹھہر گئی۔

"وہ سانپ سو رہا ہے۔" پشت سے آتی آواز پر حرکت کرتے ہاتھ تھم گئے۔ چہرہ اٹھایا اور ادوب کو خلا میں گھورتے پایا۔

"وہ سو رہا ہے اسے کچھ نہیں کہے گا۔"

"تمہیں کیسے معلوم۔" المیرا کا جوش قدرے مانند ہوا۔ ادوب کا لہجہ تھا ہی عجیب۔

"سانپ ایک (سرد خون رکھنے والا) cold blooded جانور ہے۔ وہ سرد علاقوں اور سرد موسم میں اپنے بِل میں چھپ جاتے ہیں۔ جزیرے کا موسم کبھی سرد ہو رہا ہے تو کبھی گرم۔ اس وقت ماحول قدرے سرد ہے، بِل سے باہر نکلنے والا

www.novelsclubb.com

سانپ نیند میں ہے۔ تمہیں کچھ نہیں کہے گا، آرام سے نیچے آجاؤ۔" المیرا آہستہ سے سیدھی ہوئی۔

"تمہیں یہ سب کیسے معلوم؟" تعریف کم، تفتیش زیادہ تھی۔

"آپ کبھی اسکول نہیں گئیں؟" ادوب نے کمال حیرت سے سوال کیا اور المیرا کو لگا جیسے ساری دنیا اس پر ہنس رہی تھی۔ اسکول میں یہ سب بھی پڑھاتے ہیں؟

★

اعترافات کے بعد آنے والی خاموشی ہمیشہ ہی سنسان سی ہوتی ہے۔ پتھر سے جڑ کر بیٹھی دونوں لڑکیاں اپنے اپنے حصہ کا انکشاف جھیل رہی تھیں۔ عبیل کے بتائے گئے تین سال کی زندگی کا نقشہ کھینچو تو سدِباب یہی ملے گا کہ۔

سچ کھلنے سے قبل کی گھڑیاں

”بہت سال پہلے ہماری دنیا سے کچھ لوگ دوسری دنیا چلے گئے تھے۔ ان سب کو واپس لانا ہی میرا کام تھا۔“

”کیسے چلے گئے دوسری دنیا؟“ گل کے سوال پر اس نے کندھے اچکائے۔

”بہت برس پہلے جب لیبیا نے مصر پر حملہ کیا تھا تو کئی بحری جہاز لاپتہ ہو گئے تھے۔ اس میں موجود تمام لوگوں کو ڈھونڈ کر جب تک واپس نہیں لایا جائے گا متوازی دنیاؤں کے درمیاں عدم توازن یونہی برقرار رہے گا؟“ وہ جتنا عبیل کو سنتی اسے اتنا سامنے والی لڑکی کی دماغی حالت پر اِناللہ پڑھنے کا دل کرتا۔

”کون سا توازن؟“ سفید رنگت میں ناگواریت گھلی۔

”میں جب سے واپس آئی ہوں اسی جہاز میں قید تھی۔ وہی جہاز ہمیں واپس تمہاری دنیا میں لے کر جاتا تھا۔ وہاں سے ہم کشتیوں میں موجود لوگوں کو بحافظت اپنے

ساتھ گھر لے کر جاتے۔" گل کا دماغ گھومنے لگا۔اسے اچھے سے یاد تھا عبیل نے پہلی ملاقات میں اس سے کیا الفاظ کہے تھے۔

"تم نے کہا تھا تم تین ماہ سے بحری جہاز میں ہو،اب تم کہہ رہی ہو تم تین سال سے بحری سفر میں ہوں۔" عبیل کچھ دیر تو سوچ میں پڑ گئی پھر یاد آیا تو خود کو ہی ہلکی چپت لگائی۔

"ہاں تو میں تین سال سے سفر میں ہی تھی مگر دوسرے جہاز میں۔ تین ماہ پہلے اس پر رات میں حملہ ہوا تھا اور ماہِ نگار نے مجھے باحفاظت وہاں سے نکلوا لیا۔" گل کا سانس بھاری ہو رہا تھا۔دل پر ہاتھ رکھا تو دھڑکن اتنی تیز تھی کے سہم کر ہاتھ ہٹا لیا۔کماری نے کہا تھا ماہِ ملکہ کے جہازوں پر حملہ کرنے والے وہاں جنسی تشدد کے لیئے آتے ہیں۔کوئی وہاں بک جاتا اور جو زیادہ بولے وہ مر جاتا۔

گل نے بھاری سر کے اطراف ہاتھ رکھتے آنکھوں میں آتے آنسوؤں کو سختی سے پیچھے دھکیلا۔آدھی باتیں اس کے سر پر سے گزر رہی تھیں باقی کی آدھی کو سمجھتے وہ سہم گئی۔انسانیت کیا اس قدر سیاہ ہے؟

"اس قلعے میں تو میں اب آئی ہوں۔ ورنہ اتنے عرصے سے تو میں بحری سفر میں تھی۔" جھکے سر کے ساتھ گہرے سانس لیتی عورت اپنی چیخوں اور آنسوؤں کا گلہ گھونٹ رہی تھی۔ کماری نے بتایا تھا وہ باقیوں کو قلعے میں لے کر آتے مگر عبیل کو اسکی من گھڑت کہانیوں کے ساتھ وہیں جہاز پر نئے لوگوں کے ساتھ چھوڑ دیتے۔

وہ سوال کرنا چاہتی تھی کہ "کیا تم نے اتنے سال میں بدلتے چہروں پر غور نہیں کیا؟" کتنے لوگ سسکیاں لیتے، بلکتے، ایڑیاں رگڑتے مرے ہونگیں۔ کیا ماہِ ملکہ انکی تعداد سے بھی واقف ہے؟

"مصر پر کتنے سال پہلے حملہ ہوا تھا؟" گل نے آنکھیں بند کرتے عجلت میں سوال کیا۔

”جب میں غائب ہوئی تھی۔ میری عمر بیس سال ہے تو اندازاً اسی کے قریب ترین۔“عبیل کے بے داغ لہجے پر وہ افسوس کر کے رہ گئی۔

”تو پھر نگار سب سے یہ کیوں کہتی تھی کہ تم اردن کی بھاگی شہزادی ہو جس نے ان کی مدد کی ہے۔“عبیل گل کی معصومیت پر مسکرائی۔

”وہ میرا جھوٹ تھا تاکہ لوگ سوال نہ کریں یہ یہاں کیوں اور کیسے ہے؟“گل نے چہرہ اٹھایا اور حیرت سے دنگ رہ گئی۔ کیا سامنے بیٹھی لڑکی معصوم تھی یا بے وقوف۔

”تو تم اردن واپس کیوں نہیں گئی جبکہ تم نے وہیں تو جانا ہے۔“عبیل اس سوال پر مسرور ہوئی۔

"وہیں تو جانے لگیں ہو۔پہلے کچھ مسائل تھے مگر اب راستہ صاف ہے ماہِ نگار جی نے کہا ہے وہ مجھے اردن بھجوائے گیں۔" دونوں عورتیں متضاد جذبات سے گزر رہی تھیں۔ایک اپنے لیئے خوش تھی دوسری اجنبیوں کے لیئے اداس۔

"کیا تمہیں اردن بھجوانے کی قیمت مجھے ملکہ بنانے کی تھی؟"عبیل کی مسکراہٹ دھیرے سے ختم ہوئی اور گل جان کی آہستہ سے نمودار ہوئی۔بھوری آنکھوں کی مانند ہوتی چمک میں ہی اُسکے دھوکہ کی ضمانت تھی۔طنز سے ہنستے گل نے نم آنکھیں صاف کیں۔

"وہ لوگ کشتیوں میں کہاں سے آتے ہیں؟"گل جان ابھی بھی ہنس رہی تھی عبیل کی گردن احساسِ جرم سے جھک گئی۔

"ہمارے جاسوس انہیں دوسری دنیا سے ڈھونڈ کر لاتے ہیں۔"شہزادی کے انداز میں اپنے رویہ کا ملال تھا۔

www.novelsclubb.com

''کیا ہمیں بھی کشتیوں میں لایا گیا تھا؟'' گل نے نچلا ہونٹ دانت تلے دباتے کانپتے ہاتھوں کو آپس میں ملایا۔ عبیل نے آہستگی سے گردن اقرار میں ہلائی۔

''اور تمہیں کیسے معلوم یہ سب سچ ہے۔'' عبیل کا ہلتا سر ٹھہر گیا۔ ساری ندامت کو پسِ پشت رکھتے اس نے جو نظر ملائی اس میں برف کے سوا کچھ نہ تھا۔ ''اگر میں تم سے کہوں یہ سب جھوٹ ہے تو کیا تم میرا یقین کرو گی؟'' عبیل نے جاننے کی اجازت نہیں دی اور نہ ہی گل نے ایسے کسی اجازت نامہ کا انتظار کیا۔ الف تا بے اسے ماہِ ملکہ کی اصلیت سے لے کر اس کی آنے والی موت تک کی ساری کہانی کہہ ڈالی۔

www.novelsclubb.com

انکشاف کے بعد، موجودہ صورتحال

کندھے کے برابر بیٹھی گل کے چہرے پر سکوت تھا اور عبیل کی زندگی سے بھرپور آنکھوں میں وحشت..... فخر، غرور، یقین سب مٹی میں مل گیا اب نظروں کے

سامنے بس پھانسی کا تختہ دار تھا۔ گل خالی چہرہ لیئے بس دیکھ کر رہ گئی۔ کچھ دن پہلے اس کی بھی یہی حالت تھی۔

"میں..... قا...تلہ......ہوں۔" شہزادی کی آواز کسی کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔ وہ کھائی جس میں موجود وہ تین برس سے تھی اندازہ اسے تیس منٹ پہلے ہوا۔ گل کے بند ہونٹوں بار ایک طنزیا ہنسی سنائی دی۔ اپنے زخمی پاؤں کو سیدھا کرتے اس نے سنجیدگی سے اسکی معلومات میں اضافہ کیا۔

"تم بھی یقیناً کسی ماہِ ملکہ کروز میں مسافر ہوگی جب کسی نا کسی طرح۔"

"میں ان کے میوزیم میں چوری چھپے اکیلے گئی تھی۔ (تیزی سے گل کی بات کاٹتے وہ گھاس کو گھورتے ہوئے بولی) آخری چیز جو مجھے یاد ہے وہ یہ کہ میں ایک خوبصورت لباس کو دیکھ رہی تھی اور پھر جب میری آنکھ کھلی تو میں کسی قدیم وقتوں کے بنے جہاز میں تھی۔ بستر پر لیٹی، میرے سر پر ماہِ نگار کھڑی اور وہ لباس........وہی نفیس خوبصورت لباس میرے قدموں میں ڈھیر تھا۔" اس نے

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ایک ہی سانس میں سب کہہ ڈالا۔گل نے سر تا پیر لرزتی لڑکی کی آنکھوں کو آنسوں سے نم ہوتے دیکھا۔اس پانی میں نجانے کتنے فیصد غم تھا اور کتنا حصہ غصہ کے تھا، کون جانے۔

گل کو اسے اندھیرے میں رکھنے پر شرمندگی سی ہوئی تو گردن قدرے جھکا لی۔ مختصر سے وقفے کے دوران دونوں لڑکیاں سر اٹھائے آسمان میں اپنے حصہ کی آزادی تلاش کرنے لگیں جب شہزادی نے سوال کیا۔

"اور تم.... تمہیں اس سب کے متعلق کیسے معلوم ہوا؟" تیز ہوتے تنفس کے ساتھ وہ نم آنکھوں سے ہی اپنی تقریباً دوست کو گھور رہی تھی۔

گل نے نظریں چرائیں۔ ساری روداد اس نے قاری کا نام حذف کر کے سنائی تھی۔اگر کماری جان گئی کے اس نے عبیل کو سب بتا دیا ہے تو پتہ نہیں اسکی کتنی بوٹیاں بنتی اور کتنے قدو قامت میں ہوتیں۔

عبیل نے اعتراض کرنے کے لیئے ذور سے ذمین پر ہاتھ مارا۔ پسِ منظر میں بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ سنہری بالوں والی ملکہ کے کان کھڑے ہوئے۔ دل تو شہزادی عبیل کا بھی یک دم دھڑکا تھا۔ سانس روکے دونوں فریقین نے ایک دوسرے کے فق ہوتے چہروں کو دیکھا۔

''میں نے چاپ کی آواز سنی ہے۔''عبیل کی ڈری سہمی آواز سنائی دی۔ گل کے اشارے پر ہمت کرتے عبیل نے پتھر کے ایک سرے سے سر قدرے باہر نکالا جب اسے چار درخت دور کچھ سائے دکھائے دیئے۔ آنکھیں چھوٹی کرتے اس نے جو غور کیا تو اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

''کون ہے وہاں؟''گل نے سرگوشی کی۔ عبیل کی آنکھوں میں سیاہی جامد ہو کر پھیلی تھی۔ دور درختوں میں کچھ لوگ ہاتھ میں نیزا لیئے، خود کو بھورے چغہ سے ڈھانپے شاید نہیں یقیناً انہیں کی تلاش میں یہاں آرہے تھے۔ نیزوں کی تیز نوک کا اندازہ وہ دور سے بھی کر سکتی تھی۔ دھند کی وجہ سے وہ ہیولے صاف دکھائی نہ

www.novelsclubb.com

دیئے مگر وہ خدشہ کے شاید یہ عام عوام کے لوگ ہیں ہتھیار کو دیکھ کر ہی دھند کا حصہ بنا گیا۔ عبیل نے چہرہ پھیرا تو اسکی پھیلی آنکھیں، کپکاتے لب اور ماتھے پر چمکتے پسینے کو دیکھتے گل کا خود کا دل بند ہونے کے قریب ہوا۔ تیزی سے درختوں کی سمت دیکھا تو جھینپ کر رہ گئی۔

"کیا انہیں معلوم ہے تم میرے ساتھ ہو؟" نظریں موت پر تھیں سوال ساتھی سے تھا۔

عبیل نے سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ اسکی آواز سمیت ذہن بھی ڈگمگا رہا تھا۔ "مجھے نہیں معلوم۔ ماہِ نگار نے کہا تھا میری بگی ملکہِ ماہ کی بگی کے پیچھے ہوگی۔ تمہاری سواری کو میں نے ڈھلان کی طرف جاتے دیکھا اور بنا میرے کہے میرے گھڑ سوار نے بھی وہی راستہ موڑ لیا۔" گل کے ماتھے پر موجود تفکر کی لکیریں غائب ہوئیں۔ کماری نے درست کہا تھا.....ماہِ ملکہ والیں انہیں نست کرنے کا بندوبست ضرور کریں گیں۔

"یہ mass murder ہے۔" پتھر تاثرات سجائے عبیل کو دیکھا جو جگہ پر سن ہو گئی۔ خشک آنسو اور سوجی ناک میں اس کی حالت قابلِ ترس تھی۔ "یہ سب ان کے پلان میں شامل ہے۔ تمہیں اور مجھے جان بوجھ کر سازش کے تحت یہاں اکٹھا کیا گیا ہے۔" شہزادی عبیل یوں تھی جیسے کاٹو تو بدن میں خون نہیں، ہاتھ لگاؤ تو ہڈیوں پر گوشت نہیں، آواز دو تو جسم میں روح نہیں۔ موت کی سرگوشی دل پر اتری تھی اور اب انسان کے ہاتھ پیر جھلانے کا وقت تھا۔

"چلو یہاں سے۔" بنا کوئی سوال جواب، نہ کوئی شور واویلا مچائے گل نے اسے اٹھنے کا بولا۔ جونہی پاؤں ہلایا ٹانگ میں اٹھتے درد کو پکڑتے وہ گھٹنے کے بل ڈھے گئی۔ آنکھوں کے آگے ایک پل کو اندھیرا چھا گیا۔

"کیا وہ واقعی ہمیں مارنے کے لیئے آئے ہیں؟" عبیل کے سوالیہ انداز پر گل تپ کر رہ گئی۔

www.novelsclubb.com

"نہیں پھولوں کا ہار اٹھائے ہماری نظر اتارنے آئے ہیں۔" درد کی شدت سہتے وہ دانت پر دانت جماتے غرائی۔ عبیل نے ہاتھوں کو آپس میں باندھتے ایک ڈرتی نظر پیچھے ڈالی۔

"ہمیں یہاں سے نکلنا ہے عبیل..... ابھی! نہیں تو وہ ہمیں مار دیں گیں۔" اکھڑتی سانسوں کے درمیان اس نے عبیل کو بازو سے تھامتے کھڑا کیا۔

"تمہارا ایک پاؤں ذخمی ہے تم کیسے چلو گی؟"

"اگر میں نہ چلی تو دوسرا بھی ذخمی ہو جائے گا۔" منت سماجت کرتے اس کا بس نہ چلا اپنی دوست کو یہیں گاڑھ دے۔ شہزادی کا دل پتے کی مانند لرز رہا تھا۔ حوصلے تو یوں پست تھے جیسے ہلکی ہوا سے ہی اسکی سانسیں بند ہو جائیں۔ اس نے ایک بار گل کی سنجیدہ آنکھوں میں جھانکا اور دوسری بار پیچھے چلتے موت کی پرچھائی پر۔ فیصلہ کرنے کی نیت سے اس نے آنکھیں بند کیں اور ہاتھ اٹھانے نجانے کونسی دعا کرنے لگی۔

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

گل جان نے قریب آتے قافلے کو دیکھا اور قریب کھڑی لڑکی کو۔ اس سے پہلے کے وہ لعنت بھیج کر خود وہاں سے چلی جاتی عبیل فوراً سے آگے آئی۔ ہاتھ اس کے بازو سے گزار کر اپنے کندھے پر رکھا اور دوسرے سے اس کو سہارا دیتی وہ دونوں جھک کر دوسری سمت چلنے لگیں۔ وقتاً فوقتاً پیچھے دیکھتی۔ مکمل کوشش تھی کے پتہ ملنے کی بھی آواز نہ آئے۔ ڈھلان میں مزید نیچے اترتے اپنے کانوں میں سنائی دیتی دھڑکنوں کے بیچ وہ دو تین پتھروں کے مینار پیچھے آچھپی۔ ان کے تعاقب کار بلندی پر تھے جبکہ وہ نیچے قدرے اندھیرے میں چھپیں۔

خود کو عبیل کی گرفت سے آزاد کرواتے اس کچھ پل کے راستے نے ہی گل کو ہانپنے پر مجبور کر دیا تھا۔ پاؤں پر بنا نیل پہلے سے زیادہ سوج چکا تھا اسے تو یقین تھا کمر کی ایک تو ہڈیاں بھی جگہ سے ہلی ہوئی تھی۔ بمشکل آنکھیں کھولتے اس نے لمبی سانسوں کے بیچ اپنے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ کراہتے ہوئے ہاتھ ہٹا لیا، جسم کا ہر انگ

درد سے چلا رہا تھا۔ چہرہ پھیر کر عبیل کو دیکھا جو اداس کوئل بنی اپنے جوتوں میں نجانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔(بس کسی غزل کی کمی تھی ورنہ منظر مکمل تھا)۔

کچھ دیر وہ دونوں انہیں کیفیات میں رہیں۔ یقیناً ان کے تعاقب کار مایوس ہو کر خالی ہاتھ لوٹ جائے گیں۔

"یہ جنگل بھی ہمارے لیئے محفوظ نہیں۔" زخم کو ہاتھ سے چھوتے وہ نچلا لب سختی سے دانتوں میں دبائے اسکی مالش کرنے لگی۔ کس نے سوچا تھا جنگلوں کے پاس بڑی ہونے والی لڑکی ایک دن اس حالت میں ہو گی۔

"کیا وہ ہمیں مار دے گیں؟" کانوں میں پڑنے والی آواز وحشت کی کھائی سے سنائی دی۔ گل نے کن آکھیوں سے عبیل کو دیکھا۔ "مگر وہ ہمیں کیوں مارے گیں؟" عبیل نجانے کہاں کھوئی ہوئی تھی۔

ایک تو خالی پیٹ کی چڑچڑاہٹ دوسرا عبیل کا رونا دھونا۔ گل نے سختی سے اس کا بازو دبوچتے عبیل کو حال میں بلایا۔

”جاگ جاؤ عبیل۔ حقیقت وہ نہیں جو تم سمجھ رہی تھی، وہ ہے جو میں نے بتائی ہے۔“

”اور میں تمہارا یقین کیوں کروں؟“ چلا کر اپنا بازو کھینچا۔ گل کا غصہ یک دم ہی ساتویں آسمان کو چھوا۔ عبیل اس کا صبر لمحہ بالمحہ آزما رہی تھی۔

”تمہارے پاس اپنی سچائی ثابت کرنے کا کیا ثبوت ہے؟“ نمی کی وہ پتلی لکیر ابھی بھی گول آنکھوں کی بار پر ٹھہری تھی۔ ”تم کہتی ہو ماہِ ملکہ کوئی متوازی دنیا نہیں بلکہ ہماری ہی دنیا میں موجود ایک مافیا ہے جو اعضاء، انسان اور جسم کی فروخت میں ملوث ہے۔ انہوں نے یہ سارا جھوٹ اور فساد مچایا ہی اس لیئے تاکے غیر قانونی طور سے وہ انسانوں پر تجربات کر کے ایسی قوتِ مدافعت بنائے جو دنیا کے روساؤں کو تاحیات زندہ رہنے میں مدد کرے۔“ عبیل کے تاثرات میں پیچیدگی، غضب،

الجھن اور کراہت تھی۔ ”کیا تم خود کو سن رہی ہو کے تمہاری باتیں کیسی غیر یقینی اور افسانوی ہیں۔“

”کہانی تو تمہاری بھی نہایت فضول اور بے ڈھنگی ہے۔“ تلخی سے اس کا بازو چھوڑتے گل نے چہرہ پھیر لیا۔ ”اردن کی شہزادی جو کسی اور دنیا چلی گئ تو یہاں کی دنیا کا توازن خراب ہو گیا۔ دنیا کا توازن نہیں اس شہزادی کا دماغی توازن خراب تھا جو ایسی سٹوپڈ اور غیر منطقی بات پر ہنستے ہوئے یقین کر لیا۔“ بات کے آخر میں عبیل کی شان میں تالیاں پیٹتے گل نے ہنکار بھری۔ اپنے انداز پر اسے رتی برابر بھی پچتاوا نہ تھا۔ کسی کو تو عبیل کی عقل ٹھکانے لگانی ہی تھی۔

عبیل کا چہرہ یوں تھا جیسے سرِ عام اس کے تمام رازوں سے پردہ اٹھا دیا ہو۔ آنکھیں چیکتے اس نے بے دھیانی میں اپنی گردن چھوئی۔ گل نے بھی یونہی ایک بیزار نظر اس کی حرکات پر ڈالی۔ عبیل کی گردن میں جھولتے ہار کے بیچ سورج کا چہرہ بنا تھا۔ انگلیوں پر اسے لپیٹتے وہ غائب دماغی سے اپنے ماضی اور مستقبل کے درمیان

www.novelsclubb.com

ڈول رہی تھی۔ گل کی نظر بیچ سورج کے موجود لال پتھر تک گئی۔ اُلو کی بازگشت سست ہوئی، پرندوں کی اڑان دور ہو گئی، شکاریوں کی مہریں زیادہ شفاف ہوئیں اور تئیس سالہ گل جان کو ایک مرتبہ پھر سے اپنی اس لمبی زبان سے نفرت ہوئی۔

چھپٹ کر اس نے عبیل کے ہاتھوں سے وہ ہار چھینا۔

"کیا کر رہی ہو گل؟" اس سے پہلے گل منہ سے بتاتی وہ کیا کر رہی ہے ہار اپنی انگلیوں میں لپیٹتے اس نے پوری شدت سے خود کی جانب کھینچا۔ عبیل کی چیخ بلند ہوئی مگر اب وہ سنگھار عبیل کی گردن سے نکلتا گل جان کے ہاتھ میں آچکا تھا۔

عبیل نے انگلیوں سے گردن پر بنی خراش کو چھوا اور پھر گل کی حرکت دیکھ کر دنگ رہ گئی جو اب اس ہار کو اپنے درست پاؤں تلے کچل رہی تھی۔ عبیل چیختے ہوئے آگے آئی۔ تعاقب کاروں کے قدموں میں شدت آئی۔

www.novelsclubb.com

عبیل کا تنفس تیز ہوا۔ گل جان کے پاؤں کی حرکات تیز ہوئی۔ پیچھا کرنے والے بھاگنے لگے۔

عبیل آنسوؤں کو آزاد کرتے رونے لگی۔ گل جان نے ٹوٹے ہوئے ہار کو دیکھا، پتلے لبوں پر فاتحانہ مسکان تھی۔ بھاگتے قدم یک دم ہی قریب آئے۔

گل جان نے چہرہ پھیرا۔ عبیل رونے کے درپے تھی۔

گل نے لباس میں چھپا چاقو نکالا اور اس سے پہلے کے وہ اپنا دفاع کرتی اس کی پشت پتھر سے لگی تھی، نبض کے قریب اسی کا چاقو تھا اور ساتھ بیٹھی عبیل کے منہ سے نکلتی چیخ پر کسی کی سخت انگلیاں تھیں۔

★

درخت پر مقید اس عورت کی رنگت لمحہ بہ لمحہ سفید پڑ رہی تھی۔ ادوب کے کہنے کے باجود بھی وہ دس دفعہ جگہ سے ہل تو گئی مگر تنے سے لگے سانپ کا راستہ پار کر

کے اترنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ٹہنی کسی وقت بھی ٹوٹ سکتی تھی۔ وہ عورت کسی بھی وقت مر سکتی تھی۔

"کوئی جا کر اس کو اتار لائے نا۔ ہم نے پورا دن یہیں تو نہیں گزارنا۔" ادوب نے اس نکچڑی سپاہی کو دیکھتے ناک چڑھائی۔

"اگر اترتے ہوئے سانپ نے اسے کاٹ لیا تو۔" پر خوف تبصرہ۔

"مگر وہاں بیٹھے بیٹھے بھی وہ دلدل میں گر سکتی ہے۔" کمر پر ہاتھ رکھتے المیرا کا سر بلند تھا۔

"ایک طرف سے ہو کر آ جاؤ۔ وہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔" ماتھے پر آئے پسینے کو صاف کرتے اس باہمت کوہ پیمانے نے آگے پیچھے دیکھا۔ صاف ظاہر تھا اس کا ارادہ آگے کی زندگی وہی گزارنے کا ہے۔ المیرا نے ناک چڑھاتے دوبارہ نعرہ لگایا۔ ماحول میں تناؤ بڑھ رہا تھا۔

"اگر تم وہاں بیٹھی رہی تو ٹہنی ٹوٹ جائے گی۔ یا تو نیچے گر کے مرو گی یا وہاں رہ کر۔ دونوں طرف موت ہی موت ہے تھوڑی ہمت دکھاؤ بہن۔" مصیبت زدہ عورت نے بچوں کی طرح گردن دائیں بائیں ہلائی۔ المیرا کا دل کیا وہیں بیٹھ کر رونے لگے۔ آخر یہ انسان اتنے بزدل کیوں ہوتے ہیں؟

مشرقی نگاہیں مسلسل ٹہنی اور عورت کے درمیاں سفر کر رہی تھیں جب اس لڑکی نے نجانے کیا سوچتے تیز سانس لی اور دوسری شاخ پر قدم جمائے۔ یہاں اس نے وزن دوسری ٹہنی پر منتقل کیا وہاں سابقہ شاخ ٹوٹ کر مٹیالے تالاب کا حصہ بن گئی۔ سب کچھ یوں آناً فاناً ہوا کے لمحے بھر کر سب کے سانس رک گئے۔ مجمعہ کی نگاہ دلدل میں تھی جب اوپر سے عورت کے چیخ کی آواز سنائی دی۔ مجمع کی سانس دوبارہ آزاد ہوئی یعنی وہ عورت ٹھیک تھی۔

قدرے بلند شاخ پر ایڑھیوں کے بل بیٹھے اس کا نچلا لب ڈر سے کپکپانے لگا۔ ادوب نے المیرا کا بازو سختی سے جھنجوڑا۔

''آپ ہی جا کر اسے اتار لیں ورنہ وہ گر جائے گی۔'' المیرا نے ادوب کو یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو ''کیوں میں اسکے باپ کی میراث ہوں یا ماں کے جہیز میں آئی تھی؟''۔

ادوب نے بھی جواباً منت سماجت سے یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہو ''آپ تو مہان ہیں۔المیرا ادا گریٹ ہیں۔ بھلا آپ کے سامنے ایک سانپ کیا چیز''۔اور یہیں المیرا کے اکڑ کے غبارے سے ہوا نکل گئی۔نازک سا دل ہے اس کا کسی کی تعریف پر بھی پھسل جاتا ہے۔ کمر پر بازو رکھتے اسکے لب آپس میں جڑے اور چھوٹی آنکھیں مزید چھوٹی ہوئیں۔آنکھیں بند کرتے اس نے گہری سانس اندر اتاری۔ماضی کی اک خوبصورت یاد نیند سے جاگی۔

(''آپی مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' پانچ سالہ عقبی محسن نے مگرمچھ کے آنسو بہاتے اپنی پندرہ سالہ بہن سے شکایت کی۔

”مرد کا بچہ بن اور کلمہ پڑھ کر اتر جا۔ ایک بلی زیادہ سے زیادہ تمہارا منہ ہی نوچے گی۔“ جواباً بہن نے اسے جھاڑتے ہوئے اپنی خدمات فراہم کیں۔ درخت پر سہم کر بیٹھے کمزور بچے نے آنسو پونچھے اور پھر فاصلے پر سوتی بلی کو دیکھا۔ المیرا اس سے تھوڑی دور اپنا ہاتھ بڑھائے تنے سے لگی تھی۔

ان کے سکول کے راستے میں ایک ناشپاتی کا درخت آتا تھا۔ روز اس پر لگی ہری ناشپاتیاں دیکھتے المیرا کا دل للچا جاتا۔ نہ وہ اپنے ساتھ ناشپاتیاں اتارنے کا اوزار لا سکتی تھی اور درخت کو ہلانا بھی ناسود تھا، کم بخت ایک بھی پھل ٹوٹ کر نیچے نہیں گرتا تھا۔ وہ جانتی تھی اگر خود چڑھ کر اتارے گی تو پکڑی جائے گی چناچہ اس نے اپنے ٹڈے بھائی کو اس کام پر لگایا۔ بیچارہ ابھی چڑھا ہی تھا جب بلی دیکھتے اس کمزور جان کی روح فنا ہوئی اور مجبوراً المیرا کو ہی بیچ بچاؤں کے لیئے چڑھنا پڑا۔) جھٹ سے آنکھیں کھولیں تو حیران رہ گئی۔ یہ اتنے سال بعد اسے اپنے بھائی کی یاد کیوں ستائی تھی۔ سب کے اشاروں پر سامنے دیکھا وہ لڑکی اب باقاعدہ رہ رہی تھی۔ اس

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

عورت کے گھبرائے چہرے میں اسے اپنے سے دس سال چھوٹے بھائی کا چہرہ نظر آیا۔ وہ ہم رنگ آنکھیں جونہی ذہن پر حاوی ہوئی المیرا چونک گئی۔ یک دم عقبی شدت سے یاد آیا۔ نجانے وہ کس حال میں ہوگا؟ وہ کیا کر رہا ہوگا؟ کیا اب وہ سولہ سال کا ہوگا؟ اس کا قد المیرا سے بڑا تو نہیں ہوگا؟ فیصلہ کرتے اس نے لباس کے کف اوپر چڑھائے اور انجیر کے درخت کے اطراف دائیں بائیں پاؤں یوں رکھے جیسے کوئی ماہر پہاڑ ناپنے والا ہو۔ اس وقت وہ چھبیس سالہ عورت نہیں خود کو وہی چودہ سالہ سکول یونی فارم میں ملبوس لڑکی محسوس کر رہی تھی۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“ ہلکی پھلکی باتیں کرتے وہ اس عورت کو پرسکون کرنے کی کوشش میں تھی۔

”لیانہ۔“ چینی نے تھوک نگلا چوکنا نگاہوں کا مرکز وہ سوتا سانپ تھا۔

”یہاں کیسے آئی تھی؟“

www.novelsclubb.com

"شوہر سے طلاق چاہئے تھی۔ نہیں دے رہا تھا اس کی جائداد کا حصہ چرا کر بھاگ آئی۔" لہجے کو نظرانداز کرتے اور بات پر غور کرتے المیرا ہنس پڑی۔ قہقہ لگاتے اس نے کن آکھیوں سے دائیں فاصلے پر جھولتے سانپ کو دیکھا اور پھر خدا کا نام لیتے تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ نیچے کھڑی عورتیں خوشی سے چلانے لگیں۔ المیرا کا خود کا دل ہتھیلی پر دھڑک رہا تھا مگر کسی اجنبی کے سامنے اپنی کمزوری تسلیم کرنا اس کے اصولوں کے خلاف تھا۔ وہ زیرِلب مسکرائی۔ المیرا اور اصول کی باتیں؟ فاطر اسلام تمہیں اللہ پوچھے۔

"ہاتھ دو مجھے اپنا اور نیچے آؤ۔" قریب آتے اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ سانپ اس عورت سے دو شاخ نیچے تھا جبکہ المیرا اس کے عین برابر۔ آنکھیں اس او نگتے ہوئے اژدھا پر رکھتے لیانہ نے کانپتا ہاتھ آگے کیا۔ پتھر سے کھیلتی لڑکیاں کنکر ہاتھ میں لیئے دعا گوہ تھیں، پھل گنتی عورتیں آنکھیں بند کیئے منتظر تھیں جبکہ مرید منہ کھولے مرشد کی جواں مردی دیکھ رہے تھے۔ المیرا بہت سال پیچھے چلی گئی جب

www.novelsclubb.com

یونہی عقبی نے اس کا گول ہاتھ مضبوطی سے پکڑا تھا اور المیرا اسے خود سے لگائے نیچے اتر رہی تھی۔ مسکراتے ہوئے وہ خود سے خوش تھی۔

لیانہ کی انگلیاں المیرا کی ہتھیلی سے مس ہوئی۔ المیرا کا ہاتھ خالی رہ گیا۔ لیانہ کے قدموں تلے ٹہنی ٹوٹی اور شاخ سمیت لیانہ بھی سیدھا دلدل میں جا گری۔ فضا میں زنانہ چیخ ثبت ہو کر رہ گئی۔

کبھی تم نے اس سورما کا چہرہ دیکھا ہے جو میدان جنگ میں ہر چال جیت کر آخری بازی میں مات کھا جائے۔ نہیں دیکھا؟ تو ابھی المیرا عنایت محسن کا چہرہ دیکھ لو جہاں چپکی مسکراہٹ ثابت قدم تھی مگر آنکھیں خوف و حراس سے لبریز۔ المیرا نے بنا ملے اپنی ہتھیلی دیکھی جس پر بچا آخری لمس جل رہا تھا۔ اس کو لگا صرف ہتھیلی ہی نہیں وہ سر تا پیر جل رہی ہے۔

"یہ..... مر گئی؟" کسی کی آواز کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔ وہ سب دھیرے دھیرے اس تالاب کے کنارے جمع ہوئیں۔ لیانہ کا وجود سست روی سے اندر

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

دھنس رہا تھا۔ اسکی آنکھیں آدھ کھلی تھیں جبکہ چہرے پر جابجا دلدل کی چھینٹے موجود تھیں۔ کچھ دیر پہلے باتیں کرتی عورت کی سانس بھی بند ہو چکی تھی۔

سپاہیان نے جھینپ کر چہرے پر ہاتھ رکھے۔ لیانہ کا بے جان وجود دیکھتے کئی گھٹنوں کے بل ڈھے گئی۔ کچھ عورتوں کو متلی آئی تو کچھ بے اثر رہیں۔ ادوب نے آگے بڑھ کر تالاب کی گہرائی ناپنی چاہی جب کسی نے اسے دھکیل کر پیچھے کر لیا۔

"تمہیں بھی مرنا ہے کیا؟ ملکہ حضور اب چلے یہاں سے۔" پہلی بات ادوب سے اور دوسری درخت سے اترتی المیرا سے کہی گئی۔

"اور اسے ہم یونہی چھوڑ جائیں۔" ادوب نے احتجاج کیا۔

"کیسے؟ اس لاش کو۔"

"ہم اسے بچا سکتے ہیں۔" ادوب نے التجا کی۔

"اسے بچانے کے چکر میں تم سب مارے جاؤ گے۔ کیا تم ایک نیم مردہ کو بچاؤ گے یا زندہ لوگوں کا تحفظ کرو گے؟" رعب دار شناسا آواز پر ان سب کے رونگھٹے کھڑے ہوئے۔ المیرا نے پلٹ کر دیکھا اور اس سے پہلے کے لھر کھڑا جاتی مضبوط تنے کا سہارا لیا۔ ادوب نے آنکھیں چھوٹی کرتیں آنے والے سے سوال کیا۔

"تم؟" اپنے شناسا کو دیکھتے المیرا برف سے آب ہوئی۔

★

"تم؟" اپنے شناسا کو دیکھتے گل جان آب سے برف ہوئی۔

دبیر السازار چاقو کی نوک اسکی شہ رگ کے قریب رکھے عین اس کے سامنے تھا۔ اندھیوں کی زد میں آئیں آنکھیں آسمان پر چمکتے چاند جیسی نگاہوں سے تکرار میں تھیں۔ دبیر دیکھ گل کو رہا تھا جبکہ اسکا دوسرا ہاتھ عبیل کی آواز گھونٹ رہا تھا۔ نظریں اٹھاتے سیاہ لبادہ میں موجود مرد نے ڈھلان کے اوپر بنے درختوں کو

دیکھا۔ماہِ ملکہ کے بھورے مہرے ان کی تاک میں ابھی بھی جنگل کی حدود ناپ رہے تھے۔ گل کی حیرت ابھی بھی برقرار تھی جبکہ عبیل مزاحمت کرتے دبیر کا ہاتھ ہٹانے کی ناکام کوشش میں تھی۔وہ جتنی مزاحمت کرتی دبیر اتنی گرفت سخت کرتا۔یہاں تک کے اسکی انگلیوں کا رنگ تک سفید پڑ گیا۔

مصور نے دوبارہ محافظ کی آنکھوں میں جھانکا۔ایک میں تاثرات کی غیر موجودگی تو دوسرے میں جذبات کی ضرورت سے زیادہ حاضری۔

"چغہ اتارو۔" کنجوس نے دو لفظ کہے مگر نہ چھری ہٹائی تو نظر۔عبیل نے مدد طلب نظریں پتھر بنی گل پر ڈالیں۔دبیر نے کن آکھیوں سے عبیل کو دیکھا اور پھر اس کا چہرہ آزاد کر دیا۔شہزادی کھانستے ہوئے سانس لینے لگی۔اسکی گالوں پر انگلیوں کے نشان تھے جبکہ جبڑا درد سے جلتا۔کسے معلوم تھا اس آدمی میں اتنی طاقت ہے۔

"چغہ۔"عبیل کو اشارہ دیا۔

''میں اپنا اتارو؟''عبیل ششدرہ گئی۔اس سے پہلے وہ ہاں یاناں کرتی دبیر السازار اپنا سیاہ عبا اتار کر اسکی جانب اچھال چکا تھا۔عبیل مرتی کیانہ کرتی اپنا بھورا چغہ اتار کر اسے دے دیا۔

گل جان اس تمام کاروائی میں خاموش رہی۔دبیر اس کا چاقو اپنے لباس میں چھپا چکا تھا۔سر اٹھا کر ایک بار مزید دشمنوں کو دیکھا اور پھر ان دونوں لڑکیوں کو۔گل خاموش تھی،عبیل سہمی ہوئی۔

''چلو۔''جھک کر چلتے آگے نکل گیا۔شہزادی نے گل کو جھنجورتے ہوئے جگایا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟''گل نے پہلے عبیل کو دیکھا اور پھر دبیر کی ٹھہری ہوئی پشت کو۔

''میرا پاؤں ذخمی ہے میں زیادہ چل نہیں سکتی۔''دبیر نے بنا مڑے جواب دیا۔

''عبیل سے کہو تمہیں گود میں اٹھالے۔''اتنا کہتے وہ آگے چلنے لگا۔شہزادی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔کوئی اتنا بے حس کیسے ہو سکتا ہے۔اس کو چھوڑتے اگر تم گل جان

کو دیکھو گے تو چونک جاؤ گے۔ مسکراتے ہوئے وہ ترک لڑکی اپنے جوتے کس رہی تھی۔ عبیل کا دل کیا اپنا سر پیٹ لے۔ یہاں کیا سب ہی پاگل تھے؟

★

اوکاڑہ، ماضی

آنے والا بجلی کی رفتار سے کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ مقفل کرتے المیرا کی طرف پلٹا۔ اگر باہر بتی کی روشنی تیز بھی ہوتی تب بھی المیرا عنایت محسن زاہد محسن کی موجودگی پر عدم یقینی میں ہی رہتی۔ صاف مٹیالی شلوار قمیض میں موجود زاہد کچھ گھبرایا ہوا تھا۔ بھائی کی آنکھیں خود سے سات سالہ چھوٹی بہن کے زخموں کا مختصر معائنہ کرتیں اور شرم سے جھک جاتیں۔ المیرا ہونٹ کا کونا اٹھاتے تلخی سے گویا ہوئی۔

"ملنے کی اجازت ابا سے لے کر آئے ہو کیا.... بھائی؟" زاہد کی جھکی گردن سیدھی ہوئی۔ المیرا نے آج تک اسے بھائی سے مخاطب نہیں کیا تھا، اسکی یہ دل کی آرزو آج پوری ہوئی تو شدت سے دعا کی کہ دل اپنے منہ پر ہاتھ رکھتے مزید خواہشات کرنے سے خود کو روک لے۔

"ویسے اب کیوں آئے ہو؟" بیڈ کے کنارے بیٹھتے اس نے ٹانگ پر ٹانگ چڑھائی۔ زاہد کی نظر اس کے زخمی گھٹنے تک اٹھ کر پلٹ گئی۔ "اگر ہنسنے آئے ہو تو بتادوں منہ نوچ لو نگی۔ اگر معافی مانگنے آئے تو یاد رکھنا منہ پر تھوک دو نگی اور۔"

"اور اگر مدد کروں تو۔" المیرا کی ذہر اگلتی زبان رکی۔ "اگر میں تمہاری مدد کروں تو کیا کرو گی؟ مجھے اپنا بڑا بھائی مانو گی یا۔"

"ہنس دو نگی۔" جھٹ سے کہتے زاہد کا کانپتا لہجہ بیچ میں ٹوکا۔ "کہو نگی سٹیا گئے ہو تم جو ایسی امید دلا رہے ہو اور سٹیا جاؤ نگی میں اگر ایسی امید پر اعتبار لے آئی

تو۔“اندھیرے کمرے میں اسکے زخم زدہ چہرے پر قمقموں کی روشنی منعکس تھی۔

زاہد چل کر اس کے قریب آیا۔المیرا غصہ نگلتے مسکراتی رہی۔

”پھر سمجھوستیا گیا ہے تمہارا بھائی۔“سات سال چھوٹی بہن کے سر پر ہاتھ رکھتے اسکے پختہ انداز میں مان تھا۔المیرا کو زندگی میں پہلی بار اس میں ایک محافظ کا روپ دکھائی دیا۔

”اب تم بھی سٹیا جاؤ مجھ پر اعتبار کر کے۔“لہجہ شکستہ اور آنکھوں میں نمی لیئے وہ التجا کر رہا تھا یا شاید بھیگ مانگ رہا تھا۔جو بھی تھا اس حبس زدہ کمرے میں اسے کچھ دیر کے لیئے سہی سانس لینے میں آسانی ہوئی۔

★★★★

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

باب خادم

واپسی کے وہ عہد اور تلافی کے وہ قصے

ہر راہ، ہر دقت، ہر جنگ میں میرا اس کا ساتھ موقوف ہے

ہاتھ میں اٹھائی لکڑی سے وہ ایک لکیر بناتا جو پیچھے آنے والے مردوں کے قدم مٹا دیتے۔اس لکیر کو دیکھتے وہ سب مٹی اور پتوں کو اپنے پاؤں تلے روندتے آگے بڑھ جاتے۔ پیچھے ان کی موجودگی کا نشان مٹ جاتا۔ہاتھ میں ایک کمپاس اٹھائے اور دوسرے میں لکڑی چلاتے اس نے چغے کی ٹوپی چہرے پر یوں ڈالی تھی کے آدھ

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

چہرہ اوجھل تھا۔ وہ لوگ اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے جس کے دشمن سے صرف سربراہ واقف تھا۔

دریا سے دور جاتے اب وہ پتلے تنے مگر لمبے قد و قامت والے درختوں کی کشادہ چھاؤں میں آگے بڑھ رہے تھے۔ چلنے کے دوران فاطر ایک چوکنا نگاہ چاروں اور ڈال کر اگلا قدم اٹھاتا۔ یک دم بھاری شے کے گرنے اور انسانی کراہ کی آواز آنے پر وہ پلٹا۔ نجف گھٹنوں کے بل جھکے سینہ مسل رہا تھا جبکہ اسے سہارا دینے والا ایک لڑکا زمین بوس تھا اور دوسرا اپنا کندھا سہلا رہا تھا۔

"تم سے اپنا وزن نہیں سنبھلتا۔" کندھا سہلاتے اس لڑکے نے حقارت سے کہا۔

نجف کا سر کچھ مزید جھک گیا، کھانسنے کی آواز قدرے بلند ہوئی۔

"میں نے کہا تھا مجھے وہیں چھوڑ جاؤ۔" کھانستے ہوئے اس نے دوبارہ کھڑا ہونا چاہا مگر قدموں نے ساتھ نہ دیا اور وہ منہ کے بل مٹی میں آ گرا۔ اس سے پہلے وہ دوبارہ کوشش کرتا دو ہاتھ اسکو کندھے سے پکڑتے کھڑا کروا رہے تھے۔

"مرنے کا بہت شوق ہے تو میری آنکھوں کے سامنے مرنا کم از کم میں تمہیں ایک جنازہ تو دے سکوں۔" فاطر اسلام نے اسے سہارا دیتے کھڑا کیا، ایک بازہ اپنے کندھے پر ڈالا اور دوسرے سے اسکی پشت سنبھالتے سب کو آگے چلنے کا کہا۔ صبح کا روپ وہ اب تک بھولے نہ تھے۔ ٹوٹتی ہڈیوں اور پھولتے سانسوں کی مشکل کو برداشت کرتے قافلہ اب رہنما سے آگلے چلنے لگا۔

جزیرے کے اس علاقے میں بادلوں کی موجودگی قدرے کم تھی۔ جھکے درختوں کے بیچ سے آتی روشنی ان کے وجود پر سایہ فگن تھی۔ ابھی کچھ قدم ہی چلے تھے جب فاطر کو نجف کی نحیف پکار سنائی دی۔

"مجھے یہیں چھوڑ جاؤ فاطر۔ میرے پاس وقت بہت کم رہ گیا ہے میں تیز نہیں چل سکتا۔"

"تمہیں تیز چلنے کا کہہ کون رہا ہے؟" قدیم کمپاس کو بلند کرتے وہ جنوبی علاقے کی پہچان میں مصرف تھا۔

نجف نے مایوسی سے سر ہلایا۔"اگر میں اسی رفتار سے چلتا رہا تو ہم پیچھے رہ جائے گیں۔میرے قدموں کا ساتھ نبھاتے نبھاتے منزل تک نہیں پہنچ پاؤ گے۔"

"ہم نے پہنچنا کہاں ہے؟"بے اختیار کیئے گئے سوال پر نجف نے چونک کر سر اٹھایا۔ناک تک لڑھکی عینک کے اوپر سے دکھتی آنکھوں میں حیرت تھی۔فاطر نے آئبرو اچکاتے سوال دہرایا تو وہ خشک لب آپس میں ملاتے نقاہت سے بھرپور مسکرایا۔

"یعنی میرا اندازہ درست تھا۔تم کسی شے کی طرف نہیں بلکہ کسی شے سے بھاگ رہے ہو۔"اس کے فرہبہ قدم سے قدم ملاتے فاطر ممنون ہوا، آدھ دھکتا چہرہ مسکرانے لگا۔

"تمہارے اندازے ہمیشہ سے درست رہے ہیں۔"نجف نے ہنستے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔"اس دن بھی......جب تم نے مجھ سے کہا کے میں ماہِ کامل کے ہاتھوں استعمال ہو رہا ہوں اور پھر اس دن بھی....جب تم نے کہا میں خود کے ہی جذبات

سے خوف زدہ ہوں۔'' نجف کی مسکان اچانک فنا ہوئی۔ آس پاس کے بلند قامت درختوں سے قدرت کی آوازیں ماحول میں آباد تھیں۔

''تو پھر کیا سن لی اپنے جذبات کی؟'' فاطر نے سر جھکا دیا۔

''سن کر سمجھ لیا اور سمجھ کر سنا بھی دیا۔''

''کیا سنایا؟'' چھوٹے قدم اٹھاتے وہ لاٹھی کے سہارے پر تھا۔

''یہی کے عقیدت ہے اس سے۔'' نجف زیرِ لب مسکرایا۔ فاطر کا سر جھکا ہی رہا۔

''بس عقیدت؟'' جھکی گردن والا مرد سرتاپیر پتھر ہو گیا۔ چغے کی ٹوپی سے دکھتے اس کے ہونٹ آپس میں سختی سے ملے تھے۔ جواب نوک پر تھا اور ہمیشہ کی طرح وہیں رہ گیا۔ نجف کچھ دیر تک خالی نگاہوں سے فاطر کو دیکھتا رہا اور پھر کھلا کر ہنس پڑا۔ اس کی ہنسی سے دانستہ چہرہ پھیرتے وہ اپنی شرمساری اندر ہی اندر گھونٹ رہا تھا۔

"ویسے عقیدت ہے کیوں؟" زرد رنگت والی مریض نے فاطر کا کندھا ہٹاتے اپنے بل پر چلنے کی کوشش کی۔ سوال کا جواب ترتیب دینے میں اسے مختصر وقفہ درکار ہوا۔ قدم میں قدم گھلتے رہے، کوئی تجزیہ کرتا تو کوئی رائے دیتا۔ بیشتر آوازوں کے بعد جب فاطر کا جواب آیا تو سارا شور پسِ پشت ڈل گیا۔

"وہ مجھے خود کا متضاد عکس لگتی ہے۔" نجف نے اچنبھے سے شاعر کو دیکھا۔ "پہلے اس سے نفرت تھی کیونکہ وہ وہی سب تھی جس سے مجھے خار ہے۔ دھوکہ باز، منافق اور لالچی۔ تب اس کی خصلتیں اپنی ماں جیسی لگتی تھیں۔ لگتا تھا ساری عورتیں اس جیسی ہی ہیں۔" آگے چلتا مجمع ہلکی آواز میں اپنی باتیں کر رہا تھا۔ "پھر سوچ کا دائرہ وسیع ہوا۔ معلوم ہوا ہر انسان مختلف ہے چاہے مرد ہو یا عورت۔ میری ماں اپنی جیسی تھی اور وہ خود جیسی۔ اس کی حقیقت وہ تھی جو میرا ملمع ہے اور میری اصلیت بلکل ویسی جیسے اس کے جھوٹ ہیں۔" نجف عینک درست کرتے اس کے الفاظ کا مطلب سمجھنے لگا۔

"وہ دکھتی بزدل تھی مگر ہے بہادر۔ میں بنتا بہادر مگر دل سے ڈرپوک تھا۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا وہ بلکل بے فکر ہے مگر اندر ہی اندر وہ سب پر غصہ تھی۔ پہلے اس سے نفرت تھی پھر جب اسے بلکل سہما اور بچتا ہوا دیکھا تو خوش ہونے کے بجائے مجھے ہمدردی ہوئی۔ اور پھر جب ڈر کو نگلتے اسے اپنی اصلیت کو own کرتا دیکھا تو اس سے عقیدت ہو گئی۔" فاطر نے سر اٹھایا تو روشنیاں اسکی آنکھوں میں آکر ٹھہر گئیں۔ ہرے اور بھورے پروں والی ایک تتلی اس کے چہرے پر سے گزر کر آگے بڑھ گئی۔ تین ماہ قید رہنے کے بعد آزادی کی ہر چھوٹی شے میں لذت تھی۔ دونوں سامعین کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ قافلہ اب درختوں کو چھوڑتے دوراستوں پر کھڑا تھا۔ ایک طرف دھند سے چھپا تاریک راستہ تھا تو دوسری جانب سمندر کی آوازیں تھیں۔

"ہمیں پانی کی طرف چلنا چاہیئے۔ جہاز وہیں آئے گا۔" اس کی بات پر متفق تمام دوسرے راستے پر چلنے لگے۔ لاٹھی کے بل پر چلتے مرد کے تاثرات شادماں تھے۔

www.novelsclubb.com

"اچھا لگ رہا ہے۔" وہ دونوں گروہ کے آخر میں تھے جب نجف کی بات پر فاطر چونکا۔

"کیا؟"

"تمہیں یوں دیکھ کر۔ ہمیشہ جلتے کرتے رہتے تھے اب ہنستے مسکراتے اچھے لگ رہے ہو۔" اسکی بات پر وہ بے اختیار قہقہہ لگا بیٹھا۔ لوگوں نے پلٹ کر اس سر پھرے کو دیکھا اور پھر آنکھیں گھماتے چلنے لگے۔

"مگر مجھے لگتا ہے اس کا پس منظر ملکہ نہیں۔" نجف کی بھنوؤں کے بیچ لکیر سی بنی۔

"میں نے دنیا کو پرکھنے اور خود کو سمجھنے کا زاویہ بدل لیا ہے۔ جہاں پہلے سب گناہ گار اور سیاہ یا سفید لگتے تھے وہاں اب سب مسافر اور سرمئی لگتے ہیں۔" نجف نے جواباً سوالیہ آئبرو اٹھائی۔

"میں معاف کرنا سیکھ رہا ہوں۔ کچھ خود کو، کچھ باقیوں کو۔ بغض نے دل بھاری کر دیا تھا یا میرا دم گھٹ جاتا یا میں کسی کا دم گھونٹ دیتا۔" عینک کے پار آنکھوں میں توصیفی تاثر تھا۔ متفقہ رائے رکھتے معلم نے سر ہلایا۔

"ویسے اس دن تم نے مجھ سے وہ سب کیوں کہا تھا؟" بہتے پانی کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔

"کس دن؟"

"جب ملکہ قید ہوئی تھی۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا بہنوں میں سے کسی نے مجھے فرار کی لالچ دی ہے۔" چلتے لوگوں کے قدم آہستہ آہستہ ٹھہرتے گئے۔ نجف کے چہرہ کا اطمینان اداس ہوا۔

"کیونکہ اگر کوئی ہمیں وہاں سے نکال سکتا تھا تو وہ تم تھے بن ابولاسلام ظہور۔" ہوا جیسے تیزی سے آئی اور سب اڑا گئی۔ لہریں طوفان بنتی ٹھہریں اور گردشِ کائنات

رک گئ۔ ہم آہنگی میں چلتے قدم رکے تو چاروں اور وحشت چھاگئی۔فاطر کے دل کی دھڑکن جنگل میں گونجتی واحد آواز تھی۔ کیا اس کی آنکھیں وہمے میں تھیں یا اس کی سماعت کو دھوکہ ہوا۔

فاطر کو یوں لگا جیسے اس کا حلق معدے تک سوکھ کر صحرائی ریت بن چکا ہے،معدے میں بنتی تتلیاں اسے گھٹنوں کے بل گرجانے پر اکسارہی تھیں۔اس نے اپنی زبان چلائی،لب ہلائے،لفظ زبان کی سطح تک لایا لیکن یہ اس کی آواز نہیں تھی جو لوگوں نے سنی۔اچانک ہونے والی چیخ و پکار اور خوف کی دہائیاں درختوں کے تنوں تک بلند ہوئی۔بے خودی میں فاطر نے فوراً سامنے دیکھا اور سر سے پیر تک جم گیا۔دو اونچے،توانا اور مضبوط جنگلی جانور اپنی لال انگارہ آنکھیں اٹھائے پانی کی اس مختصر سی ندی کے پار کھڑے مردوں کو دیکھ رہے تھے۔

"ماہِ ملکہ میں آنا تمہارا اپنا فیصلہ تھا مگر یہاں سے جانا......وہ اِن کا کیا فیصلہ ہوگا۔" وہ آدمی سچا تھا۔وہ آدمی نجومی تھا۔وہ آدمی فاطر کا آج سے سب سے بڑا دشمن بھی تھا۔

رہنما کے ہاتھ سے کمپاس گر تا مٹی میں جا ملا۔اس نے ماہِ ملکہ سے ایسی ظلمت کی توقع نہیں رکھی تھی مگر پھر اس نے تو نرمی کی بھی توقع نہیں رکھی تھی۔

نتھوں سے سانس چھوڑتے اور دانتوں سے رال ٹپکاتے وہ جانور دو قدم پیچھے ہوئے اور پھر وہ ہوا جو انسانی ذہن کے تصور میں بھی نہیں ہوگا۔ تیزی سے آتے ان حیوانات نے بلند چھلانگ لگائی، کچھ پل فضا میں رہے، اگلے پل تیز پنجے دوسرے سرے کی مٹی میں گاڑے، دو لمحات کا وقفہ لیا اور پھر ایک نے سامنے دو زانوں بیٹھے مرد کے بازو میں دانت گاڑے۔ دوسرا اسکے پیٹ پر جھپٹا۔اس مرد کے حلق سے نکلنے والی پہلی اور آخری چیخ نے پیچھے کھڑے مردوں کو بتا دیا وہ جانور انہیں ڈرانے کے لیئے بلکہ ختم کرنے کے لیئے آئے ہیں۔ ماہِ ملکہ کا پہلا حملہ تنبیہ تھا مگر دوسرا سیدھا موت۔

”بھاگو! وہ ہمیں مار دیں گیں۔ جنگلی کتے ہیں وہ ہمیں ختم کرنے آئے ہیں۔“ جنگل میں خوف و حراس کا ہنگامہ بن گیا۔ بھوک کی قلت سے ختم ہوتی توانائی اور پے در

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

پے مشکلات کی زد میں آیا ذہن لیئے کچھ لوگ وہیں گھٹنوں کے بل جھک کر بلکنے لگے، کچھ نے الٹے پیر دوڑ لگائی، کچھ دائیں بھاگے، کچھ درخت پر چڑھے۔

جنگلی کتوں میں سے ایک نے دائیں بھاگنے والوں کا پیچھا کیا کوئی وہیں گرنے والے کے گوشت پر سیر ہوا۔ کتے نے چھلانگ لگاتے ایک ساتھ تین آدمیوں کو گرایا۔ ایک خود کو چڑھاتا ندی میں جا گرا اور پانی کی تیز لہروں میں ڈوب کر مر گیا۔ باقی دونوں آنسوئوں اور آہوں کے ساتھ جان کی منت کرنے لگیں۔ کتے نے ایک تیز دھاڑ پنجے کے ساتھ ایک کی آنکھیں نکالیں تو دوسرے کا سینا چیرا۔

درخت پر چڑھنے والے دونوں مرد ہراگلے لمحے دو قدم نیچے آجاتے۔ پریشانی میں ان کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے، ہتھیلیاں پسینے سے بھرپور درخت کے کمزور تنے میں کھب رہی تھیں جب ایک نے نیچے دیکھا اور چلاتے ہوئے اس کا چہرہ نیلا پڑ گیا۔ دونوں میں سے ایک درندہ درخت تلے رکے بھونکتے ہوئے تھوک رہا تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

چہرہ خون سے بھرا تھا۔آنکھوں میں بھوک تھی۔وہ منظر دیکھتے اس آدمی کے رہے سہے اوسان خطا ہوئے۔آدمی کا پاؤں ڈھلکا اور وہ سیدھا آ کر اپنی موت میں گرا۔

اسکی چیخ نے فاطر اور نجف سمیت بھاگتے چار لوگوں کا دور تک تعاقب کیا۔

"تیز بھاگو۔ پلٹ کر مت دیکھو۔" باقیوں پر چلاتے فاطر ان سب کے پیچھے تھا۔نجانے وہ کس سمت بھاگ رہے تھے۔ قدم زندگی کی خواہش کے لیئے سرگرداں تھے ذہن پیچھے سے آتی موت کی بو اور شور پر اٹکا تھا۔ہر نئے آنے والی چیخ، بھونک، منت، پھاڑ پر وہ قدموں میں تیزی لاتا۔دل کی آواز کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔قدم قدم سے ٹکراتے رفتار گھٹا رہے تھے۔

"ہم مارے جائے گیں۔ ہم مرنے والے ہیں۔" روتے ہوئے ان میں سے ایک لڑکے نے باآواز بلند کہا۔

"ہم نہیں مرے گیں!!!" اس کی چیخ و پکار میں یقین، اعتماد اور غصہ تھا۔ ان کا سازوسامان وہیں پیچھے رہ گیا تھا اور نجانے وہ اب باقی کے دن کیسے کاٹے گیں۔ تیز تیز دوڑتے اس نے نجف کا بازو سختی سے دبوچ رکھا تھا جب ساتھ دوڑتا مرد گھٹنوں کے بل گرا۔ آگے بھاگتے سب رک کر پیچھے دیکھنے لگے۔ جھکا ہوا مریض اب خون اگل رہا تھا۔ وہ جو پیچھے موت کو چھوڑ کر آئے تھے یہ منظر دیکھ کر ان میں سے ایک وہیں گرتے رونے لگا۔

"ہم مرنے لگیں ہیں۔ میں نے کہا تھا ہم مرنے لگیں ہیں۔" ایڑیاں رگڑتے وہ ہذیانی انداز میں سر پیٹنے لگا۔ فاطر کا دماغ فیصلہ کی دوراہی پر تھا۔ وہ نجف کو چھوڑ گیا تو اسکے سوال کا جواب کون دے گا؟ وہ نجف کو ساتھ لے کر گیا تو یہ سب مارے جائے گیں۔ وہ لڑکا ابھی بھی بلک بلک کر رو رہا تھا۔ باقی تینوں کے چہرے نم، پسینے سے بھیگے اور خون کی رکی گردش سے سفید پڑ چکے تھے۔

"جاؤ تم لوگ۔" رہنما کی سرد آواز صرف آواز نہ تھی، وہ سفر کی بندھی ڈوریوں سے ان کو آزادی دے رہا تھا۔

نجف نے خون آلود چہرے سے فاطر کے سخت تاثرات دیکھے۔ "بھاگ جاؤ یہاں سے اور جو کوئی گروہ ملتا ہے اس کا حصہ بن جانا۔" کھڑے ہوتے فاطر کو احساس ہوا کندھوں پر پڑا بوجھ لمحہ بالمحہ بھاری ہو رہا ہے۔ سربراہ ہونا کتنا مشکل تھا، یہ کوئی فاطر سے اس وقت پوچھے۔

"مجھے چھوڑ جاؤ۔" نجف نے یہ تین لفظ بھی سرگوشی میں کہے جب اچانک خون کی الٹی آئی اور وہ درخت کا سہارا لیتے جھک گیا۔ فاطر کی ایک آنکھ چغہ کے چہرے سے جھلک رہی تھی۔ امبر روشنیوں میں اس سپاہی کا تاثر تھا جس نے جنگ آخر تک لڑنے کی ٹھان لی ہو۔ جو باقیوں کی ڈھال ہو اور اپنی جان قربانی کے نام کر چکا ہو۔ ان چاروں نے ایک کشمکش میں ڈوبی نگاہ سامنے کھڑے مرد پر ڈالی۔ تھوک نگلا اور پھر نجف کو دیکھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

''جاؤ۔''ایک لفظ اور اسی میں خیر آبادی کی دعا تھی، جینے کا حکم تھا اور ساتھ نبھانے کا تشکر۔ جھک کر نجف کو سنبھالتے وہ ان سب کو خود سے علیحدہ کرتا آزاد کر چکا تھا۔ خود کو چھوڑ کر جاتے مردوں سے فاطر کو اب کے کوئی گلہ نہ تھا۔

''تمہیں بھی ان کے ساتھ جانا چاہیئے۔''ایک طرف دور جاتے قدموں کی گونج تھی تو دوسری سمت سے تیز خطرناک پنجوں کا سوز۔ نجف نے آدھ بند ہوتی آنکھوں سے چہرہ پھیرا۔ گھنے جنگل کا ہر درخت رنگوں سے عاری ہو گیا۔ نجف کی اگلی سانس حلق میں پھنس گئی۔ دل سکڑ کر مفلوج ہوا۔ عبا کے سائے میں سے دکھتی فاطر کی آنکھوں میں ایک غیر شناسہ اور اس کے لیئے غیر عام سا جذبہ تھا۔ ہونٹوں کے کنارے اٹھی مسکراہٹ، آنکھوں سے جھلکتا سرور اور چہرے کے کھنچے پٹھے۔ نجف کو لگا ان سرسبز پتوں کے بیچ اسے کسی ابلیس کے ساتھ چھوڑا ہے۔

چغے کے اندر ہاتھ لے کر جاتے وہ دھیرے سے پلٹا۔''جانتے ہو میں پہلے تمہیں اکیلا چھوڑ کر کیوں نہیں بھاگا تھا؟''نجف کے ہامی بھرنے سے پہلے فاطر نے خود ہی

جواب دیا۔ ”مجھے جاننا تھا کہ تمہاری اُس دن کی بات کا پسِ منظر کیا تھا۔“ فاطر کا ہاتھ باہر آیا اور اس میں دکھتے موٹے مضبوط چاقو پر نظر پڑتے نجف کا سانس بند ہو گیا۔

”مجھے کیا معلوم تھا اس راز کے پیچھے ایک اور راز چھپا ہے۔“ ہاتھ میں تیز دھار بھاری چھرا گھماتے فاطر دور جانے لگا۔ جنگلی کتوں کی بھاری سانسیں سماعت کے قریب آئیں۔

”میں یہ کرنا تو نہیں چاہتا تھا مگر۔۔۔۔ ماہِ ملکہ نے مجھے مجبور کر دیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔“ فاطر کی آواز کا سرد بن کسی لمحے بھی کم نہ ہوا۔

”تم کیا کرنے لگے ہو؟“

”میں تمہیں مرنے نہیں دونگا نجف، وعدہ رہا۔“ چغے کی ٹوپی کھینچ کر ناک تک کرتے اس نے درختوں کی بار میں دوڑ لگا دی۔ نجف پیچھے سے اس کے لیے چلاتا رہ

گیا۔ جب اگلے ہی لمحے تیزی سے بھاگتا کتا کچھ فاصلے پر آ کر رکا۔ نجف زندگی کے لیئے ہاتھ پیر جھلانے لگا۔ وہ کتا اسکے خون کی بو سونگھتے بھاگتا ہوا اسی جانب آیا۔ زمین پر لیٹا مرد خوف کی آخری بلندی پر چلاتے ہوئے آنکھیں بند کر گیا۔

دو چھلانگوں میں کتا اس تک آیا۔

تیسری میں اس پر جھپٹا۔

اس سے پہلے کے جانور کا پنجا نجف کے گریبان کو آتا دائیں رخ سے بھاگتے ہوئے کوئی آیا اور پوری شدت سے جانور کو دھکا دیتے خنجر اسکی گردن میں اتار دیا۔ خون کا ایک فوارہ اڑتا ہوا نجف کے چہرے پر لکیر چھوڑ گیا جبکہ آنے والا اب اس بے لگام جانور کو زمین پر لٹائے پے در پے خنجر اسکے جسم کے ہر حصے میں برسا رہا تھا۔

فاطر اسلام کا عبا غائب تھا جبکہ اسکے بھورے جیلبیہ کے دامن اور ہاتھ خون سے رنگ گئے تھے۔ مزاحمت میں جانور کا ایک پنجا فاطر کی گال پر آ لگا۔ سسک کر اس پر

ہاتھ رکھتے مصری نے جب ہٹایا تو خود کے خون اور اس جنگلی جاندار کے خون کے بیچ فرق نہ کر سکا۔

دور کہنی کے سہارے بیٹھا مرد موت کے اس منظر کو دیکھتے دہل گیا۔ آنکھوں سے نکلتی نمی چہرے پر لگے خون کے بیچ گھل کر اتر سید ھا دل پر رہی تھی۔ فاطر نے اس جانور پر تب تک وار کیئے جب تک وہ اپنی آخری سانس تک نہ چھوڑ گیا۔ خون کے تالاب سے پیچھے ہوتے وہ ہانپ رہا تھا۔ چہرہ، گریبان، قمیض ایسا کون سا کونا تھا جہاں موت کا رنگ نہ ہو۔ بال بکھر کر ماتھے سے چپکے تھے، گال کی ایک جانب بنے گھاؤ سے خون نکل رہا تھا۔ دو قدم پیچھے اٹھے تو وہ ڈگمگا کر ایک طرف کو گرا۔ بائیں گھٹنے سے نیچے پاجامہ پھٹ چکا تھا۔ فاطر نے گھٹنا موڑا تو درد کی ایک تیز لہر پورے جسم میں سرعت کر گئی۔ گھٹنے سے نیچے جانور کے پنجے کے لمبے نشان تھے۔ ہاتھ لگا کر زخم چھوا تو ہاتھ بیچ راہ میں ٹھہر گیا۔ انگلیوں پر بھی تو خون ہی تھا۔ وہ جہاں ہاتھ لگاتا وہاں یہی سرخ رنگ ہوتا۔

فاطر اسلام نے ہاتھ چہرے کے سامنے کیئے، پھر قدموں میں پڑے جانور کو دیکھا، چہرہ پھیرا تو ساتھ گرے تیز دھاڑ چاقو پر نظر پڑی۔ عجیب بات یہ تھی کہ اسے نہ حیرت ہوئی، نہ خوف آیا، نہ رحم نے سر اٹھایا۔ خون کے اس تالاب کے قریب بیٹھے اس نے خاموشی سے سانس لی۔

"میں نے کہا تھا نا..... میں تمہیں مرنے نہیں دونگا۔ فاطر ابولا سلام وعدوں کا پاسدار ہے۔" کمر کے بل گرتے وہ بازو پھیلاتے وہیں لیٹ گیا۔ سورج کی تپش سیدھا آنکھوں پر وار کر رہی تھی۔ روشنی سے خود کو چھپاتے اس نے ہاتھ سے چہرہ ڈھک لیا۔ جونہی خون کی بو نتھوں سے ٹکرائی حلق سے ایک کلکاری بلند ہوئی۔ وہ کھلکلاہٹ مدھم ہنسی بنی اور ہنسی سے فلک شگاف قہقہہ۔ کون مانے گا خون کے تالاب میں لیٹا ہنستا ہوا مر دامن پسند فاطر اسلام تھا۔

دور بیٹھا نجف اس پاگل آدمی کو حیرت، خوف اور رحم سے دیکھ کر رہ گیا۔ ماہِ ملکہ نے اس کی انسانیت پامال کردی تھی۔ اب وہ سالک دوام کے لیئے جنگ کرے گا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

★★★★

www.novelsclubb.com

باب ملکہ

لیانہ مر گئی۔وہ عورت مر گئی۔

یہی بات مسلسل بیس منٹ سے المیرا کے ذہن کے خانوں میں گردش کرتے کسی نئی سوچ کو ابھرنے سے روک رہی تھی۔وہ جو پہلے اس سانحہ سے گھبرائی ہوئی تھی، کماری کے وہاں اچانک آجانے نے اس کے مزید حوصلے پست کر دیئے۔

ہاتھ میں ناشپاتی پکڑے وہ اسی سوچ میں غرق تھی کہ اس کے عین سامنے اس قدر قریب کسی کے جسم سے روح فنا ہوئی تھی۔یہ حال گروہ کی ہر عورت کا سانجھا تھا۔سب ہی درختوں کی چھاؤں تلے دائرے میں بیٹھی خاموش تھیں۔غضب تو یہ تھا کہ موت دلدل میں گرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ دل کے اچانک دورے کی وجہ

www.novelsclubb.com

سے ہوئی تھی اور ایک یہی بات المیرا کے وجود پر چھائی خوف کی برف کو پگلنے سے روکے ہوئے تھا۔

سب کے اترے چہرے اور خوف سے کانپتے ہاتھ نے ماحول میں عجیب سی ہیبت تاری کیئے تھے۔

باقیوں سے قدرے فاصلے پر چھپ کے بیٹھی المیرا ابھی بھی یونہی بے دم تھی جب اسکے قدموں کے قریب کسی بھاری شے کے بیٹھنے کی آواز آئی۔ حاکم اول کماری نے ایک لاتعلق نظر اسکے یخ پڑتے ہاتھوں پر ڈالی اور پھر فرصت سے اسکے تاثرات میں چھائی وحشت دیکھی۔ اسے المیرا پہلی مرتبہ خام خیالی میں ڈوبی ملی۔ کماری نے آج سے پہلے المیرا کو اتنا بے نقاب نہیں دیکھا تھا۔

"وہ مر گئی ہے۔" ہاتھ بڑھا کر ناشپاتی اٹھائی تو حراس کی ایک لہر سرسراتے ہوئے المیرا کے سر سے پاؤں تک پہنچی۔ خشک لب آپس میں ملاتے اس نے ٹھنڈے ہاتھ

گود میں چھپا لیئے۔ خود ہی میں چھپتے اس نے چہرہ گھٹنوں میں کچھ یوں چھپا لیا کے بس کشادہ پیشانی اور بادامی آنکھیں ہیں محو نظارہ تھیں۔

"مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔" کماری کی بھاری آواز بے رحم تھی۔

"اس کی موت میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔" اب کے چونکتے ہوئے اسکا ٹھر ٹھراتا وجود ساکن ہوا۔ حیرت زدہ ہوتے کماری کو دیکھا جس نے اعتماد سے سر ہلاتے بات کو تول دیا۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" سپہ سالار کی خارج ہوتی سانس کا وجود فضا میں کچھ لمحات تک موجود رہا۔

"جب چار سال پہلے میرے سامنے بھی پے در پے لوگ مرے تھے تب میری بھی یہی کیفیات تھیں جن سے اب تم گزر رہی ہو۔" المیرا آنکھیں پھاڑے متوجہ تھی۔

www.novelsclubb.com

"لیکن اتنی جانوں کو تم تن تنہا کیسے بچا سکتی تھی جبکہ تم خود بے بس تھی۔ ایسے میں تو واقعی تمہارا کوئی قصور نہیں نکلتا۔" گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹکاتے اسکا لہجہ چالاکی سے پاک تھا۔

"جان ایک ہو یا سو۔ موت کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔" آنکھوں میں آنکھیں گاڑے اسکے الفاظ انسان کی زندگی کی اٹل حقیقت تھے۔ موت سے خوف زدہ عورت کے سوال کرنے کا ہر عمل دھول ہوا۔

"تم مسلمان ہو؟" اچانک آنے والی سوچ از خود زبان پر آئی۔

"دھرم سے فرق پڑتا ہے؟" سوال کے بدلے سوال۔

"یعنی تم مسلمان نہیں ہو۔" المیرا نے مضبوط قیاس لگایا۔ کچھ پل ناشپاتی ہاتھ میں گھماتے کماری ملکہ کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"تم جانتی ہو اس کی دل کے دورے سے موت کیوں ہوئی تھی؟" بات گھماتے وہ دوبارہ اسی موضوع پر لے آئی جہاں سے سلسلہ کلام شروع ہوا تھا۔ المیرا کے ذہن کے پھٹے یک دم کھنچ گئے۔ ایک مرتبہ دوبارہ خیالات نے وہ منظر دہرایا۔

لیانہ کی لاش دلدل میں ڈوب رہی تھی۔ المیرا درخت کے ساتھ کھڑی آنے والی گھڑسوار کو دیکھتے بے یقین تھی۔ کماری آگے آئی اور ریت کے دریا کے قریب ٹھہر گئی۔ "یہ مر جائے گی کماری اسکی مدد کرو۔" ادوب نے چلاتے ہوئے اس کا بازو ہلایا۔ "وہ مر چکی ہے۔" کماری نے ڈوبتی لڑکی کو دیکھا۔ ادوب کی ہیضیانی حالت ابتر ہوئی۔ "نہیں وہ ابھی نہیں مری۔ وہ دلدل میں مکمل نہیں دھنسی۔"

"اس کی موت دل پھٹنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔" آواز سے سور پھونکتے اور قدم دلدل میں ڈالتے وہ لیانہ کا مردہ وجود محنت سے ہی سہی مگر وہاں سے نکال کے کنارے تک لا چکی تھی۔ مٹیالے کیچڑ سے داغدار ہوا اسکا نچلا دھڑ بے حرکت تھا۔

ناک اور لبوں سے خون کی پتلی لکیر نکل رہی تھی جبکہ آنکھوں کی سفیدی سیاہی کو نگل چکی تھی۔ گھٹنے کے بل بیٹھتے حاکم نے اسکی نبض ٹٹولی۔

”دلدل اتنی خوف ناک نہیں ہوتی جس قدر تم نے تصور کر رکھی ہے۔“

”تو یعنی اس کی موت مرنے کے خوف سے ہوئی ہے؟“ کماری نے ادوب کو جواب نہ دیا۔ حال میں واپس آؤ تو المیرا ماتھے پر شکن ڈالے فیصلہ کے دوراہے پر تھی۔

”تو یعنی لیانہ کی موت مرنے کے خوف سے ہوئی ہے؟“ کماری نے گردن انکار میں ہلائی۔ المیرا نے اگلی سانس روک لی۔ پھر گہری سانس بھرتے سپہ سالار نے دونوں ہاتھ باہم باندھے، ایک اور راز سے پردہ اٹھانے کا وقت ہوا جاتا ہے۔

”تم لوگوں کی قوت مدافعت (immunity) وقتاً فوقتاً جانچی جاتی تھی کے کون زیادہ کمزور ہو رہا ہے اور کس کے جسم میں ان کے تجربات سہنے کی سکت باقی رہی ہے۔ جو زیادہ کمزور، وہ موت کے زیادہ نزدیک اور ان کے لیئے اتنا ناکارہ۔ تبھی

وہ اسے discard یعنی ختم کر دیتے تھے۔" وہ اسے سمجھا رہی تھی اور ایک مرتبہ پھر بات المیرا کے کند ذہن کی زنگ آلود کھڑکی دروازوں کو کھولے بغیر ہی پلٹ گئی۔

"جن کے جسم اب طاقت اور قوت کھو رہے تھے انہوں نے تم سب کو خوف زدہ کرنے کی نیت سے ایسوں کے خون میں سلو پوئزن داخل کیا تھا۔ تاکہ ان کے اچانک مرنے سے تم سب گھبرا جاؤ اور یوں قلعے کی طرف واپس پلٹ آؤ۔" ایک عرصہ تھا جب المیرا کو لگتا تھا انسان سے بزدل کوئی نہیں۔ آج المیرا کو لگتا تھا انسان سے بھر کر خوفناک بھی کوئی نہیں۔

www.novelsclubb.com

وہ ٹکر ٹکر کماری کا چہرہ یوں دیکھے گئی جیسے ابھی جو سب اس کے کانوں نے سنا تھا وہ ایک مزاحکہ خیز قصہ ہے۔ آخر کو کون مانے گا آبادی سے بالکل ہٹ کر دنیا میں ایک ایسی تنظیم بھی ہے جو سائنس کے نام پر انسان کی زندگی کا کاروبار کرتے ہیں۔

درخت کے سائے میں بیٹھی گھٹنے سینے سے جوڑے عورت نے نہایت آہستگی سے گردن پھیری۔ نگاہیں جھک کر نجانے ماہِ ملکہ کی مری ہوئی انسانیت تلاش کر رہی تھی یا اپنی بگڑتی ہوئی دماغی حالت۔ دھند سا کن ہوئے المیرا پر ترس کھا کر رہ گئی جب بہت دھیرے سے ایک مدھم ہنسی سنائی دی۔ کماری کی آبرو تن گئی۔ المیرا کی ہنسی رفتہ رفتہ ایک بلند بانگ قہقہے کے روپ اختیار کر گئی۔ گردن پیچھے پھینکے، آنکھیں جوش سے بند کیئے، ہاتھ پیٹتے وہ ہنس رہی تھی۔ عورتوں نے گردن پھیر کر اس ہنسی سے لوٹ پوٹ ہوتی عجوبہ کو دیکھا اور دیکھتی ہی رہیں۔

اتری خالی شکلیں ایک پر رونق اور ہنستے چہرے کو دیکھتے قسمت کے دورخ دکھا رہے تھے۔

کماری کو یقین ہو گیا المیرا دماغی توازن کھو کر اب مکمل پاگل کہلانے کی صف میں لگ چکی ہے۔ اس کفن پھاڑ قہقہے میں بے بسی تو کہیں دور جا سوئی تھی اور بے رحمی سر اٹھائے تھی۔ ہنسی کا دورا تھما ضرور ..... ختم نہیں ہوا۔ وقفے وقفے سے آتی

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

مسکراہٹ یا کلکاری کو وہ ہاتھوں سے چھپاتے چہرہ پھیر لیتی۔ کماری نے باقیوں کی سوالیہ نگاہوں کا جواب میں محض کندھے اچکا دیئے۔

جب ہنس ہنس کے المیرا کا جی بھر گیا تو گہری سانس ہوا کے سپرد کرتے وہ پتوں کے جھالر سے آسمان دیکھنے لگی۔

"کماری؟" سر تنے سے جوڑے اس نے لاپرواہی سے چہرہ پھیرا۔ "کیا اب ماہِ ملکہ تمہاری باتیں نہیں سن رہا؟"

"نہیں میرا ائیر پیس بند ہے۔" المیرا نے اک متاثرہ آبرو اٹھائی۔ کماری کے تاثرات یونہی مبہم رہے۔

"تو کیا ان کو شک نہیں ہو گا کہ تمہاری جانب سے سلسلہ آخر کیوں رکا ہے۔"

"شک ہو گیا ہے۔" بڑے آرام سے معلومات میں اضافہ کیا تو المیرا نے مصنوعی حیرت جتائی۔

www.novelsclubb.com

''اچھا؟......تو پھر شک دور کرنے کے لیئے کس پر الزام لگوایا۔'' وہ واقعی متجسس تھی۔ کھردری جلد والی حاکم اول کسی بت کی طرح جمی رہی۔ اسکی اندر تک اترتی نظر بھی المیرا کو چہرہ پھیرنے پر مجبور نہ کر سکیں۔ آنکھوں میں آنکھیں گاڑے ان دونوں کو یوں بیٹھے مستقل پانچ منٹ ہو چکے تھے جب کماری نے ہی سوال کیا۔ البتہ نظریں نہ ہٹائیں۔

''شک کر رہی ہو مجھ پر؟''

''کیسا شک؟'' اور کماری کو حقیقتاً سمجھ نہیں آیا آخر کیسا شک۔

''یہی کے میں تم سب کو اپنے لیئے استعمال کر رہی ہوں۔ کوئی جہاز کوئی مدد نہیں آ رہی بس ماہِ ملکہ کے تیر تم کو نشتر کر گیں۔'' کچھ دیر ٹھہر کر سوچتے ہوئے کہا۔

''نہیں میں جانتی ہوں تم اتنی بے وقوف نہیں۔ اگر وہ ہمیں مارے گیں تو تمہیں بھی جہاز میں بٹھا کر گھر چھوڑنے نہیں جائے گیں۔ آخر کو تم ان کا بولتا طوطا ہو۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

باہر جا کر اگر اڑ گیا تو؟" ہونٹ فکر سے موڑتے اس نے افسوس کیا۔ کماری واقعی کمال اداکار تھی۔ غصہ کی ایک ننھی سی جھلک بھی اسکے چہرے تک نہ آسکی۔

"اچھی بات ہے کہ تم شک کر رہی ہو۔ مکمل اعتماد انسان کو ویسے بھی دھوکہ دے جاتا ہے۔" ہاتھ ماتھے تک لے کر جاتے المیرا نے اپنی تعریف وصول کی۔ کائنات کا شور ان دونوں کے بیچ خاموشی میں سنائی دیا۔ کچھ دیر مزید بیٹھنے کے بعد کماری اٹھی اور قریب ہی کھڑے گھاس کھاتے اپنے گھوڑے تک گئی۔ اسکی پشت کو ہاتھ سے سہلاتے وہ اب ایک طرف لگا اپنا سامان درست کر رہی تھی۔

"کماری!" یک دم المیرا نے پکارا تو وہ جو پلٹ رہی تھی بیچ راہ میں رک گئی۔

"بھمن کا قتل تم نے کیا ہے نا؟" سپہ سالار کو یوں لگا جیسے سارا جنگل کٹ کر اسکے سر پر گر آیا ہو۔ زمین میں خندق بنی اور وہ اس میں دب کر بے سانس ہو گئی۔ کماری نے چہرہ گھمایا اور چغہ پوش کو دیکھا۔ المیرا کی مسکراہٹ میں کونسا ایسا رنگ تھا جو

غیر موجود ہو۔وہ دانتوں کا اشتہار بنی عورت گواہ تھی کہ کماری اس بار اداکاری کرنے میں دیر کر گئی۔

"تم کیسے کہہ سکتی ہو؟"خندق میں کھڑی عورت کی آواز بہت دور سے سنائی دی۔

"تم ان کی خاص بندی ہو اور بقول تمہارے ہی بھمن ان کی ناک کا درد بن رہا ہے۔ ظاہر ہے ان کے اشارے پر تم نے بھمن کو مار دیا اور جو شک کی ایک کونپل ان کے دل میں جڑ پکڑ رہی تھی وہ بھی اپنی بنیاد سے اکھڑ گئی۔"کماری ہاتھ پہلو میں گرائے بے دم تھی۔اسکے نزدیک تو المیرا بس باتوں کی ماہر تھی پھر یہ باریک بینی کہاں سے آئی۔ہونٹ کا کونا آسودگی سے اٹھاتی المیرا نے اسکے خیالات کا زبانی جواب دیا۔

"ہم تین ماہ ایک جگہ بند رہے ہیں کماری۔ہماری سوچ کا دائرہ مختصر ہو گیا تھا۔ تمہیں کیا لگا تھا کہ جو لوگ اتنی چھوٹی تبدیلیوں کو خاطر خواہ میں لا رہے تھے وہ کیا بڑے بدلاؤ کے بارے میں سوچ گیں نہیں کہ.......آخر یہ کیسے ہوا۔" گھٹنوں

پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہوتے المیرا میں کہیں فکر تھی اور شاید کہیں اندر اداسی بھی۔ اتنا اس نے چھبیس سال میں نہیں سوچا جتنا اس نے اکیاسی دنوں میں سوچ لیا تھا۔

اپنی حیرت کو چھپانے کی نیت سے حاکم اول دوبارہ سے گھوڑے کی طرف متوجہ ہوئی البتہ کانپتے ہاتھوں سے اسکی اندرونی کیفیت واضح تھی۔

"جان لیتے کیا تمہارے ہاتھ نہیں کانپتے؟" سینے پر بازو باندھے اس کا انداز بھی تلخ تھا۔

"قتل کا حکم دیتے تو تمہارے ہاتھ بھی نہیں کانپے تھے۔" وار ایسا سیدھا تھا کے سہنے والے کا خون جم گیا اور سماعت سائیں سائیں کرنے لگی۔ جس موضوع سے وہ نظریں چراتی تھی کماری نے کیسے ہر پردہ ہٹا کر عین منہ پر تھپڑ کی طرح مارا تھا۔

البتہ اس نے ماضی کے اوراق پر شرمسار ہونے کے بجائے انہیں قبول کرنے پر فوقیت دی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"وہ میرا ماضی تھا۔ تب مجھے حقیقت کا علم نہیں تھا۔" کماری نے افسوس سے گردن ہلائی۔ المیرا ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"یعنی تم نہیں مانتی کہ تم بھی ایک قاتلہ ہو۔"

"میں نے اسے ارادتاً نہیں مروایا اور نہ خود جا کر مارا ہے۔" نظر چراتے اسکی آواز البتہ مضبوط تھی۔

"اگر یہی دلیل خود کو دیتی رہی تو کبھی بھی خود کی جانب اٹھی انگلیوں کو موڑ نہیں سکو گی۔" المیرا نے سر اٹھانا چاہا مگر اعمال نامے کے بوجھ نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا۔ ناچاہتے ہوئے بھی فاطر کی باتیں ذہن دہرانے لگا۔ اسکی تو اب بیشتر باتیں ذہن حفظ کیئے سبق کی مانند دہراتا تھا۔

(”خواہشات غلط نہیں ہوتیں المیرا۔ انہیں حاصل کرنے کا طریقہ صحیح یا غلط ہوتا ہے۔ اگر تمہارا پہلا انداز غلط تھا تو اس بار طریقے بدل لو مگر کوشش مت چھوڑو۔“

(

”اس آدمی کو مرواتے تم بلکل نہیں ڈری لیکن ایک لڑکی کی موت سے تم اس قدر سہم گئی۔“ گھوڑے کی لگام درست کرتے اس نے آئینہ دکھایا۔ المیرا نے بھی سہمی کیفیت آئینہ میں نظر نہ آنے دی۔

”وہ میرا ماضی تھا اور یہ میرا حال، میں اب بدل رہی ہوں۔“

”تو یہ ثابت کرو۔“ المیرا کے تیور بدلے۔ نا سمجھ چہرہ اب کماری کے ہی سمت دیکھ رہا تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"صرف قولاً ہی نہیں عملاً بھی کے تم واقعی ایک بے قصور کو قتل کروانے پر شرمندہ ہو۔" پلکیں جھپکتے وہ ایک بار پھر سے نظر چرا گئی۔ لباس کے پیچھے چھپے ہاتھ مسلسل ایک دوسرے سے کھیل رہے تھے۔ اگر وہ عملاً اپنا جرم قبول کر لے تو پھر

"مجھے جیل ہو جائے گی یوں۔" المیرا کے اندر کا سب سے بڑا خوف اسکے قدم جکڑے ہوئے تھا۔ ایک قید، دوبارہ سے ایک قید۔ کیا زندگی نے اسکے نام بس قید ہی لکھے ہیں؟

المیرا کے مسائل پر کماری نے اپنی رائے پیش کرنے کا سوچا۔ سوچ کے حقیقت بننے سے پہلے ان کے کان کھڑے ہوئے۔ بائیں طرف سے بھاگتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ کماری نے کمان میں تیر لگاتے المیرا کو خود کے پیچھے کیا جبکہ دوسروں کو شور مچاتے اٹھنے کا کہا۔ یک دم ہی اس پر فسوں فضا میں ہنگامہ اور شور بجنے لگا۔ جہاں کچھ دیر پہلے لوگ موت دیکھ کر آئے تھے ان کا غیر ضروری ڈرنا چلانا واجب تھا۔

کماری اپنے گھوڑے کی لگام سنبھالتے پلٹی جب بھاگنے والوں کی آوازیں بھی قریب آئیں۔ سپہ سالار کی پیشانی بل در بل سوچ میں چھوٹی ہوئی اور قدم چوکنا ہوئے آواز کی سمت اٹھے۔ بھاگ کر آنے والوں کی نظر جونہی آبادی پر پڑی وہ ٹھہر گئے۔ ٹھہرے تو المیرا سمیت باقیوں کے قدم بھی تھے۔ عورتوں کا ایک گروہ جنگل کی ایک سمت بھاگنے کو جا رہا تھا جبکہ چار مردوں کا ٹولا جنگل کی دوسری سمت۔ دونوں کی بیک وقت ایک دوسرے پر نظر پڑی اور کئیوں نے فلفور اُہی آشنا اور دیکھے ہوئے چہروں کو پہچان لیا۔

"یہ تو ہمارے ہی لوگ ہیں کماری۔" المیرا نے اسکی آستین دبوچی۔ ان چار میں سے دو کے چغے بھی غائب تھے۔ المیرا نے دوبارہ اسکی آستین دبوچی اور اس مرتبہ بچوں کی طرح کھینچی بھی۔ سر اٹھایا تو حیران رہ گئی۔ کماری کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید تھا، سوکھے لب یوں وا تھے جیسے جان فنا ہو گئی ہو۔ وہ بھوکلائے ہوئے مرد تھکن سے چور وہیں گر گئے۔ ان کے چہروں پر اطمینان آیا اور سسکیوں میں شکر۔

"فاطر کہاں ہے؟" کماری کی آواز کسی کھائی سے آئی۔ المیرا کو لگا اب وہ بھی ایسی ہی کسی کھائی میں جائے گی۔ ہانپتے ہوئے ان میں سے ایک نے وہیں اشارہ کیا جہاں سے وہ بھاگے آئے تھے۔

"ہم پر......دو جنگلی کت... کتوں نے حم.........فاطر وہیں ان......حملہ ہو گیا۔" اس کا سانس اس قدر پھولا ہوا تھا کہ ایک مکمل جملہ بھی ادا نہ کر سکا۔ اس سے پہلے کماری کچھ کرتی نجانے المیرا کب آگے آئی اور ان کے سامنے بیٹھتے سوال کرنے لگی۔

"کون سے جنگلی جانور؟ کہاں ہوا؟ کیا بول رہے ہو؟ فاطر کہاں ہے؟" ہر سوال میں ایک نیا جذبہ۔ کسی میں فکر، کہیں بے چینی، کہیں کم فہمی اور فاطر کے تذکرے پر خوف سنائی دیا۔

"ہم پر جنگلی کتوں کا حملہ ہوا ہے۔ نجف کی طبیعت خراب تھی۔ فاطر اسکے ساتھ پیچھے رہ گیا ہے۔" وہ جو کوئی بھی تھا، جہاں سے بھی آیا تھا اور جس حالت میں تھا

المیرا کے ذہن نے اس پر دھیان نہیں دیا۔ فوراً صرف تین لفظوں میں مسئلہ چھوٹا کیا ''فاطر، جانور، حملہ''۔

اس کے بعد دل نے دماغ کو حکم دیا، دماغ نے قدموں کو پیغام بھیجا اور قدم وہ تو اٹھ کر یوں بھاگے جیسے ناتواں حالت تو اسکی تھی ہی نہیں۔ وہ بغیر رکے اور بغیر سوچ بھاگ رہی تھی۔ سیاہ عبا تلے موجود سبز پاؤں کو چھوتا کافتان ہوا کے دوش پر لہرا رہا تھا۔ بال کچھ چہرے پر آتے کچھ پیچھے جاتے۔ پاؤں کہیں ستا جاتے اور کہیں رفتار پکڑتے۔ مگر وہ رکی نہیں۔ آج رک جاتی تو پوری عمر آگے نہیں بڑھ پائے گی۔

المیرا کو اپنے پیچھے بہت لوگوں کی آواز سنائی دی۔ ادوب کی وہ اسے روک رہی تھی کے آگے خطرہ ہے۔ اپنے دل کی کہ خطرہ تو کسی اور کے لیے بھی۔ کماری کی بھی جو اسے گھوڑے پر سوار ہونے کا بول رہی تھی۔ اپنے دماغ کی کہ اگر تم نے وقت ضائع کیا تو کیا معلوم زندگی ضائع ہو جائے۔ وہ سب آوازیں تب پسِ پشت ہوئی جب ایک مانوس مگر بھاری بو اس کے نتھوں سے ٹکرائی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

خون کی بو۔

المیرا کا اپنا دل رسنے لگا۔ کہیں اس نے دیر تو نہیں کر دی؟ کہیں واقعی آج صبح کی ملاقات آخری تھی؟ کہیں جو فاطر نے کہا تھا وہ بچتائے گی کیا وہ واقعی بچتائے گی؟ ابھی تو المیرا نے اس سے وہ کیڑے مکوڑوں جیسی لکھائی بھی پڑھوانی تھی؟ ابھی تو......اس نے اپنا مقصد بھی نبھانا تھا۔

اسکے پیچھے کماری اور ادوب بھورے گھوڑے پر بیٹھے بھاگتے ہوئے فاصلے پر تھے۔ کچھ قریب ہی اسے آگے کا راستہ دو طرف بٹتا نظر آیا۔ درختوں اور اونچے نیچے راستوں کو پیچھے چھوڑتے اس کے جوتے میں مقید پاؤں بھاگے۔ خون کی بو حواسوں پر مزید بھاری ہوئی تو اسکا دل ڈوب کر ہمت نگلنے لگا۔ تیزی سے چلتے وہ دائیں طرف کو پلٹی اور جو قدم متحرک تھے ان میں ٹھہراؤ آیا۔ جو دھڑکن بے لگام تھی اس کو سکوت ملا۔ جو اندیشے پر شور تھے ان سب نے چپ دھاڑ لی کیونکہ المیرا نے دیر نہیں کی تھی۔ اس نے زندگی ضائع کرنے میں دیر نہیں کی تھی۔

وہ سامنے تھا۔زخمی،خون میں چور،تھکا ہوا مگر وہ زندہ تھا......نہ ہوتا تو۔

"ملکہ۔"فاطر کی حیرت زدہ آواز گونجی۔یہ پکار کر المیرا کو نظر بند کون کرتا۔

"خادم۔"جواباً المیرا کی ساکت پتلیوں اور خشک لبوں سے سرگوشی کی مانند نکلا۔ درخت کے موٹے تنے سے ٹیک لگائے فاطر سر اٹھائے کبھی المیرا کو دیکھتا تو کبھی گھوڑے پر سوار کماری اور ادوب کو۔سارا لباس خون کی بو سے معطر تھا اور ہاتھ پاؤں پر لگا وہ سرخ مایا خشک ہو کر گہرا رنگ پکڑ چکا تھا۔سورج کی ہلکی پھلکی روشنی فاطر کے ایک رخ پر منور تھی۔بال ماتھے پر بکھرے تھے۔پلکوں کا سایہ زخمی گال پر بنا تھا۔وہ اسے اس حال میں تو نہیں چھوڑ کر گئی تھی۔

(کچھ گھنٹے قبل)

وہ اپنے گروہ میں موجود ہر چہرہ ذہن نشین کر رہا تھا۔سامان باندھتے لوگوں کو اہم باتیں بتاتے وہ حد درجہ سنجیدہ تھا۔اپنی تمام تر مصروفیت کے دوران وہ اپنی پشت کو

www.novelsclubb.com

دیکھتی دو اخضری آنکھوں کی موجودگی سے بے خبر نہ تھا۔ سب کو فارغ کرتے وہ بڑی فرصت سے پلٹا۔ سیاہ لبادے سے ڈھکا وجود لیئے المیرا نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔ فاطر قدرے متفکر ہوا۔ کچھ قدم آگے آتے بغور دیکھا تو معلوم ہوا۔

"تم ڈر رہی ہو؟" ڈر کو بھی یقن نہیں آیا ہو گا کہ وہ المیرا کو ہو رہا۔ بھرے ہوئے سفید ہاتھوں کو مڑوڑتے وہ نجانے کس الجھن کا شکار تھی۔ جو بھی تھا فاطر اسکو ایسی حالت میں چھوڑ کر جاتا تو سارا راستہ خود بے آرام رہتا۔

"ملکہ..... کچھ ہوا ہے کیا؟" المیرا نے اسے اضطرابی کیفیت میں سر اٹھایا۔ خود کو دیکھتی آنکھوں میں جھلکتی حیرت پر اسکی بے چینی قدرے زائل ہوئی۔ گہری سانس لیتے اس نے گزارش کی۔

"واپس آنا ابو لسلام۔ میں تمہاری خیریت کی دعا کرونگی۔" اگر کوئی اس وقت فاطر سے پوچھتا کہ تحفظ کیا ہے، وہ کہتا المیرا کی دعا۔ سکون کیا ہے، المیرا کا دعا کرنا۔ خوشی

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

کیا ہے، المیرا کا خاص اسکے لیئے دعا کرنا۔ وہ آگے بھی بول رہی تھی، فاطر آگے بھی سنے گا۔

''عرصہ ہو چکا ہے دعا کرنا چھوڑ دی تھی۔ لگتا تھا خدا ناراض ہے، مجھ جیسوں سے تو ناراض ہی ہوتا ہے۔'' جھکیں پلکیں رخسار سے اٹھاتے اوپر دیکھا۔ ''لیکن تم جیسوں سے تو راضی رہتا ہے تو پھر تمہارے متعلق کی گئی دعا کو کیسے اِن سنی کرے گا۔''

بھری گالوں والی عورت نادم ہوئی۔

''وہ تمہاری دعا کو بھی نظر انداز نہ کرتا ملکہ۔ تم بھی اسی کی امانت ہو۔'' سر ہلاتے اس نے ہاں میں ہاں ملائی۔

''اگر ایسا ہے تو.... میں اس سے تمہاری واپسی مانگوں گی۔'' وہ گردن جھکاتے کچھ ہنسا، کچھ مسکرایا۔ عجیب اداس شادماں سی کیفیت تھی۔

''اپنے لیئے کچھ اور مانگتی تو یقیناً مل جاتا...... تم نے واپسی مانگ لی ہے۔ جنگوں میں واپسی خوش قسمتی سے ہوتی ہے ملکہ۔'' ارد گرد سے بے فکر وہ لوگوں کے آگے پیچھے جھوم کر خوشیاں مناتے ہجوم میں مستقبل کے لیئے فکر مند تھے۔

''تم واپس نہ آئے تو میرا مقصد رائگاں رہ جائے گا۔'' سرمئی قلعے کے حدود میں فاصلے سے دیکھو تو دونوں عام سے وجود لگے گیں۔ فاطر کو اسکی بات کا پسِ منظر سمجھ نہ آیا۔ ''میں نے خود سے عہد کیا ہے کہ تمہارے ساتھ نبھائی ہر زیادتی اور ظلم کا ازالہ کرونگی، اس جہنم سے تمہیں واپس لے کر جاؤنگی۔'' چند ثانیہ وہ بالکل صدمے میں رہا۔ وہ عقیدت مند تھا، وہی خیر خواہ تھا۔ کیا یہ جذبات دوطرفہ تھے؟

''تم نے اپنا مقصد تو پورا کرلیا اب مجھے میرا بھی مکمل کرنے دو۔'' فاطر کی نگاہیں نرم ہوئیں۔

''میں تمہیں اپنے ہر قرض سے آزاد کرتا ہوں المیرا۔ تمہیں کوئی مقصد نبھانے کی ضرورت نہیں۔''

"میں نہیں ہونا چاہتی۔" اسکی تیزی سے کہنے پر وہ اپنی اگلی بات بھول گیا۔ المیرا نے گہری سانس کھینچتے گردن اٹھائے رکھی۔ "میں آزاد نہیں ہونا چاہتی۔ ہماری کہانی یہی سے شروع ہوئی تھی فاطر۔ تم نے ناانصافی کی تو میں نے قرض کی صورت تمہیں اپنا خادم بنالیا۔ تم مقروض ہوئے تو دوبارہ میرے ساتھ ناانصافی کر بیٹھے۔ اپنا قرض ہٹانے کی خاطر مجھے انصاف دلوایا......اب کفارہ ادا کرنے کی باری میری ہے۔" دھندان کے اعتراف پھیلی تھی، مگر دھندان کے درمیان سے ہٹ رہی تھی۔ "یہ سلسلہ ہے ابولاسلام اور ہماری کہانی کا ابتدا بھی اور انت بھی۔"

"انت؟" وہ کچھ ایسے تعجب سے بولا جیسے یہ خیال اسے قابل قبول نہ تھا۔ "ہماری کہانی کا اختتام ایسا ہوگا؟" اب کے تعجب کے ساتھ اجازت بھی تھی۔ المیرا نے ناں بول دیا تو وہ پیچھے ہٹ جائے گا۔

”خادم خاص۔“اس سے پہلے المیرا اقرار یا انکار کرتی کماری کی مداخلت نے سارا فسوں توڑ دیا۔وہ چلتے ہوئے انہیں کے پاس آ رہی تھی۔فاطر نے ایک نظر اس سے ملائی۔بے صبر امبر رنگ مضطرب اخضری رنگ سے ٹکرایا۔

”واپس آنا....... اسے اپنی ملکہ کا حکم نہیں،ایک عقیدت مند کی التجا سمجھ لو۔“ لفظوں پر غور کرنے کا موقع بھی دیئے بغیر وہ تیزی سے ہٹ گئی۔فاطر پتھر کا ہو کر رہا گیا۔وہ اپنے آخری جملے سے اسے خرید گئی تھی۔

(حال)

المیرا کے فتنے خون نے جوش پکڑا البتہ دل کی پکار اتنی اونچی تھی کے اس نے جھجک کے مارے قدم بھی نہ اٹھائے۔

”تم ٹھیک ہو؟“سورج کی راہ میں کھڑے وہ ہر روشنی کو اس تک آنے سے روک رہی تھی۔ آواز میں ٹھہراؤ تھا مگر لہجہ اور نظر میں خالی پن۔ فاطر تو اب تک

بے یقین تھا، بس آنکھیں پھاڑے دیکھے گیا۔ المیرا کے حلق میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔ وہ آنسو جو آنکھوں سے نہیں بہہ سکتے تھے وہ دل کے دامن میں جذب ہو گئے۔

''فاطر اسلام۔''اس نے لرزتے ہاتھوں کو پشت کے پیچھے چھپایا۔ ''تم ٹھیک ہو؟''فاطر پلکیں جھپکتے کچھ پل اندھیروں کو دیکھتا رہا۔اس میں بات کرنے تک کی بھی ہمت نہ تھی۔

''تم مجھ سے ڈر رہی ہو؟''نیم بند آنکھوں سے مسکرایا۔

''میں خود سے ڈر رہی ہوں۔''اس نے آنکھیں بند رکھیں۔

''خود سے کیسا ڈر؟''سورج کی راہ میں کھڑی وہ دو قدم آگے آئی تو ساری روشنی اسکے وجود نے ڈھک دی۔

www.novelsclubb.com

"جب انسان ناواقف ہو تو اسے ڈر ہی لگتا ہے۔" نجانے اس تھکے ہوئے مرد نے کتنا سنا تھا اور کتنا سمجھا تھا۔ کماری اب دور بیٹھے مردہ جانور کے نزدیک کھڑی تھی۔ مردہ گوشت کو اپنی غذا بناتے کیڑے مکوڑوں اطراف جمع ہونے لگے۔ ادوب نجف کو بیٹھنے میں مدد دے رہی تھی، اس کا جسم بخار سے جھلس رہا تھا۔

کماری اب پشت پر ہاتھ رکھے فاطر کو سہارا دینے کے لیئے آگے بڑھ رہی تھی۔ المیرا ادوب کی مدد کروا رہی تھی۔ جنگل کی خاموشی میں یک دم ہی کسی جانور کی غراہٹ سنائی دی۔ تینوں عورتیں اپنی جگہ جم سی گئیں۔ ادوب کے چہرے پر باقاعدہ ہوائیاں اڑیں جبکہ المیرا نے آہستگی سے کماری کو دیکھا۔ چھوٹی پلکوں والی نگاہیں وحشت سے پھیلیں۔

www.novelsclubb.com

کماری نے ان کو بہادر رہنے کا اشارہ کیا۔ المیرا خود کے لیئے تو بہادر ہو جاتی اس مرد کو درد میں دیکھنے کا حوصلہ کہاں سے لاتی۔ فاطر کو المیرا کے سہارے کرتے وہ بنا چاپ پیدا کیئے اپنی سواری کے قریب آئی۔ چوکنا نگاہیں چاروں اور پھیلیں تھیں۔ اس کی

مضبوط گرفت کمان تک گئی۔ غراہٹ دوبارہ بلند ہوئی۔اس بار پہلے سے بھی زیادہ پرجوش۔

سپہ سالار نے تین تیر کمان میں ڈالے اور اس سے پہلے کے دائیں طرف سے اچھل کر آتا جانور المیرا کو گردن سے دبوچتا اس نے تینوں تیر ایک ساتھ اچھالے۔ عین نشانے پر لگے۔ جانور اچھل کر ایک طرف کو گرا۔ادوب نے چلاتے ہوئے کانوں پر ہاتھ رکھ لیئے۔ ایک پل کو ان درختوں کے بیچ موت کے بادل سایا ذر ہوئے۔ چلاتی ہوئی ادوب اور اپنی جگہ پتھر بنی المیرا کو چھوڑتے کماری نے بھاری ڈگ بھرے اور دو تیز تیر مزید اس تڑپتے جانور کے بدن میں اتارے۔ خون کا فوارا اس کے منہ سے نکلتا گھاس کو رنگ گیا۔

المیرا عنایت محسن نے میکانکی انداز میں گردن پھیری۔ کماری کے تاثرات میں ذرا برابر بھی ڈر اڑنہ آئی۔ یوں جیسے وہ ایسے مناظر دیکھنے کی عادی ہو چکی تھی۔ خوف کی بات یہ تھی کہ اب وہاں ہر آنکھ ایسے مناظر کی عادی ہو رہی تھی۔

"جان لیتے کیا تمہارے ہاتھ نہیں کانپتے؟" اپنے ہی کیئے سوال کا جواب اس کے سامنے ایک سانس لیتی حقیقت بن کر کھڑا تھا۔ جان لیتے واقعی اسکے ہاتھ نہیں کانپتے۔

★★★★

باب منصف

یہ سمندر کے قریب موجود ڈھلان کا منظر تھا۔ خوفناک اور تیز لہریں جزیرے کی بار کو چھوتی اور پلٹ کر واپس سمندر کا حصہ بن جاتیں۔ ایک نسبتاً بلند چوٹی پر موجود دبیر السازار دوزانوں ہو کر موجود تھا۔ اِس فاصلے سے دور بنے قلعے کی جھلک سی نظروں میں آتی تھی۔ چوڑائی تلے بیٹھی گل جان اپنے ابتر ہوتے زخم کو جانچ رہی تھی۔ بڑھتی ہوئی سوجن سے تو جیسے اسکا دل بیٹھ گیا تھا مگر وہاں پرواہ کسے تھے۔

www.novelsclubb.com

ایک طرف عبیل کھڑے پانی کے چھینٹے منہ پر مار رہی تھی جبکہ اس کی پشت سے دور بیٹھا آدمی نجانے کس مراقبے میں مشغول تھا۔دل مارتے اور آنسو پیتے اس نے بڑی خواہش کی کاش کوئی اسکے غموں پر مرحم رکھنے والا بھی ہوتا۔

جزیرے کا موسم بھی عجیب رنگین مزاج تھا۔کسی کونے میں جاؤ تو دھندلی فضائیں جو اگلے کو نابینا کر دیں، کہیں جاؤ تو اتنی حبس اور گھٹن کے دم گھٹ جائے اور پھر کہیں تو اتنی ہریالی تھی لگتا تھا کائنات کا ہر پھول بس تمہیں اسی علاقے میں ملے گا۔جزیرے کے یہ کونہ چونکہ ساحل سے قریب ترین تھا تبھی یہاں کی ہوا خوشگوار اور ماحول تروتازہ تھا برعکس ان کے ملعون تاثرات کے۔

www.novelsclubb.com

"یہ کیسے ملا؟"سنسناتی ہوائوں کی ہمواریت دبیر السازار کے غیر دلچسپ لہجے نے زائل کی۔گل نے سر اٹھا کر اس کے "یہ" کو دیکھنا چاہا۔مجال ہے جو وہ دو تین لفظ اوپر نیچے بول دے۔دبیر کے ہاتھ میں اپنا چاقو دیکھ کر بھی اس کی بیزار شکل بے اثر رہی۔

''سر فاطر نے دیا تھا جب ہم قلعے سے نکلے تھے۔ کہا تھا تمہاری حفاظت کے کام آئے گا۔'' چاقو کو آنکھوں کے سامنے کرتے دبیر نے اندر بنتا اپنے چہرے کا عکس دیکھا۔

''جس آدمی سے معافی مانگتے تمہیں شرم آتی ہے اس سے پھر حفاظتی اوزار لیتے شرم کدھر جاتی ہے؟'' گل جان جھینپ گئی۔ انا کے بنائے محل میں خود ہی غیر آرامدہ ہوئی۔ ناک چڑھاتے وہ جارحانہ انداز میں پلٹی۔

''خود تو جیسے تم بہت پاسدار ہو۔ مسلے پر بیٹھ جاؤ تو اٹھتے نہیں ہو، گلی سے گزرو تو ہر فقیر کی جولی بھر کے جاتے ہو۔ پھر تمہیں میری معافی مانگنے یا نہ مانگنے سے اتنا مسئلہ کیوں ہے۔'' جواباً بھورے چغہ نشین کچھ پل اسے دیکھتا رہا اور پھر بنا جواب دیئے یا پھر جواب کے قابل نہ سمجھ کر جھکی گردن پھیر لی۔ اب تو اسکا پارہ محل کی سیڑھیاں ٹاپ کر چھت پر پہنچ گیا۔ آستین چڑھاتے وہ کھڑی تو یوں ہوئی جیسے ابھی چار بندے گرا دے گی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"ایک بات پوچھوں؟"

"نہ پوچھو۔" دبیر نے اس قدر جلدی میں کہا وہ جو لڑنے والی تھی ساری لڑائی بھول کر ہکا بکا رہ گئی۔ یہ کیفیت زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی اور اس سے پہلے کے وہ بال نوچتی (اس کے) وہ دبیر پر چیخ پڑی۔

"تم وہاں کیسے آئے تھے؟ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میرے اور عبیل کے پیچھے کوئی تعاقب کار ہیں۔ لمبی بات کرنا خبردار جو تم نے دو یا تین لفظ کے بعد فل سٹاپ لگایا میں قسم کھا کر کہتی ہوں دبیر تمہیں اسی بلندی سے سمندر میں دھکا دے دونگی۔" وہ تو جیسے اس پیشکش کے لیئے تیار تھا۔ جھٹ سے اسکے سامنے یوں آکر کھڑا ہوا کہ ابھی گل ذرا سا ٹوہکا دے اور ادھر وہ سمندری جانوروں کا من و سلویٰ بن جائے۔

خراش زدہ عینک کے پار نظر آتی آنکھوں میں غصہ سے زیادہ حیرانی تھی۔ رگوں میں دوڑتا خون ٹھاتے مار رہا تھا کہ ہاں آج سارا اشتعال نکال دو، دماغ البتہ نکیل ڈالے ہوئے تھا کہ جواب پالو پھر بھلے رسیوں سے باندھ کر پانی میں اچھال دینا۔

"بیلا بلادر! (مصیبت ہی مصیبت)۔" سر پیٹتے وہ آگے پیچھے جھولتے نجانے مادری زبان میں اونچا اونچا کیا بڑبڑا رہی تھی۔ دبیر السازار اگر اس کے بیٹھ جانے سے مایوس ہوا تھا تو یہ بات اس نے قطعاً ظاہر نہ ہونے دی۔ خود کو تقریباً غسل دلوا کر عبیل اب اسی پانی کے کنارے بیٹھی سوچ میں غرق تھی۔ اسکی تو جیسے دنیا پلٹ نہیں بٹ گئی ہو۔ متوازی دنیاؤں نے اسکا بھی ذہنی توازن ہلا کر رکھ دیا تھا۔

بنا کچھ کہے دبیر اب چوٹی سے پشت جوڑے دور نیلگوں پانی پر ٹھہرتی کرنوں کا جلوا دیکھنے لگا۔ اگر یہ منظر رات کے وقت ہوتا تو یقیناً زیادہ دلکش لگتا۔ یہ دبیر کا مشورہ تھا۔

www.novelsclubb.com

"تم مرنا کیوں چاہتے ہو؟"

("خودکشی کیوں کرنے والے تھے۔") پہلی ملاقات میں پوچھے سوال کو وہ ایک بار پھر دہرا رہی تھی۔

"تم مرنے کیوں نہیں دیتی ہو۔"

("تم نے مجھے کیوں بچایا ہے؟") پہلی ملاقات میں کہے اپنے سوال کا جواب وہ ایک بار پھر طلب کر رہا تھا۔ گل نے سر اٹھا کر آفتاب کی پھیلتی روشنی کو دیکھا۔ اسکی خفگی بھی سورج کی کرنوں تلے رفتہ رفتہ ختم ہو رہی تھی۔

"جینے کو اتنا کچھ ہے، پھر تمہیں آخر مرنا ہی کیوں ہے۔" آنکھیں بند کرتے اس نے زندگی سے بھرپور سانس خود میں اتاری۔

"جینے کو کچھ ہے ہی تو نہیں تبھی تو مرنا ہے۔" سینے پر بازو باندھے دبیر بھی آنکھیں چھوٹی کیئے دور افق کی خوبصورتی کو دیکھ رہا تھا۔

"جس نے کبھی کوشش ہی نہ کی ہو وہ بھلا یہ کیسے کہہ سکتا ہے کے زندگی میں کچھ رکھا نہیں۔" سفید چہرے پر بنتے سنہری سائے تلے اسکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”جس کو صرف خسارے ملے ہوں وہ کیسے کہہ سکتی ہے زندگی میں کچھ رکھا ہے۔“

دبیر نے چہرہ جھکاتے دور بیٹھی لڑکی سے پوچھا۔

”خسارے خالی ہاتھ رہ جانے سے بہتر ہیں، مسٹری مین۔“تازہ ہوا میں سانس لیتے وہ ہنس دی۔ تین ماہ پہلے کی گل جان ہوتی تو دبیر کے ساتھ مل کر زندگی کی مشکلات اور اپنے مسائل پر شکوے کرتی، آج کی گل جان قناعت کرنا سیکھ رہی تھی۔ اندھیرے کے سائے میں کھڑا آدمی کچھ لمحات تک سورج کے سائے میں بیٹھی لڑکی کو بے دریغ ہو کر دیکھتا رہا۔ وہ پر سکون اور مطمئن تھی یوں لگتا تھا زندگی اس پر مہربان ہے۔

”تمہاری آنکھ کے قریب یہ نشان کیسے بنا؟“آنکھیں بند اور عام سا لہجہ، اس کا اشارہ دبیر کے چہرے پر بنے لمبے سلائے کے نشان کی جانب تھا۔

”خنجر لگا تھا۔“گل کی سارے خوش گوار اطوار کا ستیاناس ہوا۔

www.novelsclubb.com

"اف دبیر کبھی تو پوری بات ایک جملے میں بول لیا کرو۔ بنا پیٹرول کی گاڑی جیسے تمہاری زبان بھی بریک پر بریک ماری جاتی ہے۔"

"بہت سال پہلے کچھ بھتا خوروں سے لڑائی ہو گئی تھی۔ انہوں نے چہرے پر وار کیا۔ مافیا کا مسئلہ تھا تبھی ایک نجی کلنک میں علاج کروایا۔"

"اور وہاں کے اناڑی ڈاکٹر نے تمہارے چہرے کا بیڑہ غرق کر دیا۔" تعبداری سے ساری کہانی میں گل نے خلل ڈالا اور اچھا ہی تھا ڈال دیا۔ ورنہ وہ چار کاروباری دنوں میں چار جملے مکمل کرتا۔ دبیر کی عاجزی پر عاجز آتے اس نے سر دائیں بائیں ہلایا۔

"اور اس سب کے باوجود بھی تم نشہ کرنے سے باز نہیں آئے۔" دبیر کی نظر اسکے زخم ہوئے پاؤں تک گئی۔

"میری آنکھ پھٹی تھی گلہ نہیں۔"

"گلہ بھی پٹھ جاتا تو تم نے کون سا پرہیز کرنا تھا۔" دبیر نے چہرہ پھیر لیا۔ گل کے زخم نظر انداز کر دیئے۔ وہ اس قابل تھی بھی نہیں کے وہ مرحم بنتا۔

"تمہاری کرتوت ہی ایسے ہیں تب ہی تو تمہیں سب کچھ فالتو لگتا ہے۔ انسانوں کی طرح زندگی گزارو تو انسانوں والی سوچ بھی ہو گی نا۔" وہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر کسی پچاس سالہ اماں کی طرح دبیر کو سمجھا رہی تھی۔

"تم نے مجھے گود لیا ہے جو ایسے ڈانٹ رہی ہو؟"

"مجھے اپنی گود ناپاک نہیں کرنی۔" دبیر کی آنکھیں چھوٹی کر کے بات کرنے پر گل مزید بگڑی۔

"تمہارے سر میں عقل ہی کم ہے۔" جب اس سے جوابی وار نہ ہوا تو منہ پھلا کر بیٹھ گیا۔

''مگر بال پورے ہے۔''آنکھیں مٹکا کر بھنویں اچکاتے وہ دبیر کو بھوچنکا کر گئی۔ اسے گل سے ایسی ذاتی وار کی توقع نہیں تھی۔ پسِ منظر میں عبیل کسی اداس ہیروئن کی طرح گھٹنوں پر گال ٹکائے پانی کو آہستہ سے ہوا میں اچھال رہی تھی۔ وہاں غم کے بادل برس رہے تھے تو ان دو نمونوں نے طنز کے توپ ایک دوجے پے کھول رکھے تھے۔

''اگر اتنی ہی عقلمند ہو تو بتاؤ عبیل کا ہار کیوں توڑا؟''گل کا دل جو اپنی جیت کا جشن منا رہا تھا ایک دم ہی کھٹا ہوا۔ کچھ گھنٹے قبل کی خوف و حراسیت لڑکی پر دوبارہ طاری ہوئی۔ تھوک نگلتے ایک بار اداس عبیل کو دیکھا اور پھر رازدارانہ انداز میں آگے ہوئی۔

''کماری نے کہا تھا نا ہم پر بھی کمیراز لگے ہیں؟''دبیر نے سر اوپر نیچے ہلا یا۔

''اور کماری نے یہ بھی بتایا تھا کہ عبیل ماہِ ملکہ کے ساتھ ملی ہے؟''دبیر نے اقرار کیا، گل کا حوصلہ جمع ہوا۔

www.novelsclubb.com

”تو بس اسکے ہار میں کیمرا لگا تھا میں نے توڑ دیا تاکہ ماہِ ملکہ والے ہمیں تلاش نہ کر سکے۔“ اس نے ہاتھ پر ہاتھ یوں مارا جیسے عظیم معرکہ مارا ہو۔ دبیر نے آنکھیں ہونز چھوٹی کی ہوئیں تھی۔

”تمہیں کیسے پتا وہ کیمرا ہے؟“ گل نے بال کندھے کے پیچھے پھینکے۔

”اس کا ہیرا جل بجھ رہا تھا، ماہِ ملکہ ہماری باتیں سن سکتے تھے۔“

”کیسی باتیں؟“ گل جان کی شوخی کے غبارے کو دبیر کا سوال سوئی کی طرح لگا۔ جھاگ کی طرح بیٹھتے اسے دوبارہ کماری سے کیئے وعدہ خلافی کی بات یاد آئی۔

جواب دینے کے بجائے وہ اپنی انگلیوں کے ساتھ کھیلنے لگی۔ دبیر کی شکی نگاہوں سے تنگ آتے وہ رخ پھیر کے بیٹھ گئی۔ ”بروحا! کہیں تم نے کماری سے کیا وعدہ تو نہیں توڑ دیا۔“ آسمان زمین سے آلگا اور گل جان بیچ میں دب کر رہ گئی۔ سورج کی

موجودگی ناگوار بنی۔ سمندر کی لہروں کا شور سر درد بنا اور گل جان منہ اور آنکھیں کھولے پتھر کی مورت بن گئی۔ کیا دبیر ذہن خواں بن گیا تھا؟

اس سے پہلے کے وہ مزید کچھ اخذ کرتا اقرارِ جرم کی نیت سے وہ تیزی سے پلٹی اور زبان کی پٹڑی سے ہر رکاوٹ ہٹا دی۔ ''میں نے کماری کا نام لیا۔ نہ یہ بتایا ہے کہ آگے کیا ہوگا۔ نہ ہی تم میں سے کسی کا نام لیا ہے، نہ ہی کچھ اور بس....بس اسکی اصلیت بتائی ہے۔'' اپنی بے دھیانی میں وہ یہ غور کرنا بھول گئی کے دبیر السازار کا رنگ کس قدر نچڑ رہا تھا۔ ہر اگلے لفظ پر اسکی پتلیاں کچھ مزید پھیلتیں اور سانس سینے میں سستی سے رواں ہوتا۔ وہ اپنی باتوں سے جیسے اسے کٹھور کر گئی تھی۔

منہ کو وقفہ لگاتے۔ ہاتھوں کو ملاتے وہ اب کٹھرے میں مجرم کی طرح کھڑی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟'' جھجھک ندامت میں واضح تھی۔

"تم ایک نہایت کم عقل عورت ہو۔" دانت کچکچا کر کہتے وہ گل کو لاجواب کر گیا۔ آج سے پہلے اس نے دبیر کو جلال میں نہیں دیکھا تھا۔ کہیں عینک پر لگی خراشیں اسکی بصیرت تو متاثر نہیں کر گئی؟

"دبیر۔" تھکی سی آواز میں اس کا نام پکارا گیا تو وہ دونوں ایک ساتھ پلٹے۔ اپنے جھگڑے میں انہیں معلوم ہی نہیں ہوا شہزادی کب ان کے سروں کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ گل کو اسکی آمد پر تعجب نہیں ہوا بلکہ اصل حیرت تو اسے عبیل کا دبیر کو بلانے پر ہوئی تھی۔ اوپر سے اسکی زخمی نظر اور دبیر کا فق ہوتا چہرہ، گل کو لگا اسکو چھوٹا موٹا دل کا دورہ آنے والا ہے۔

www.novelsclubb.com

"تم نے کتب خانے میں یہ کیوں کہا تھا کہ میں کسی اور کی بات پر کان مت دھروں کیونکہ میں واقعی اردن سے آئی ایک ملکہ ہوں۔ بنگلادیش سے آئی ایک عام لڑکی نہیں؟" آسمان شفاف تھا مگر گل کو لگا وہ ابر آلود ہو چکا ہے۔ ہوائیں گرد سے خالی تھیں مگر گل جان کو محسوس ہوا ان کے پار سب کچھ دھندلا تھا۔ سمندر دھیمی رفتار

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

سے بہہ رہا تھا مگر گل یقین سے کہہ سکتی تھی کے ایک بلند قامت لہر آئی اور اسکے وجود کو اپنے ساتھ نگل کر لے گئی۔ پیچھے بچ جانے والے تو بس اب ڈھانچا تھا.....دھوکے کے خنجروں سے نشتر، فریب کی پٹیوں میں لپٹا۔

دبیر عبیل کو دیکھ رہا تھا حیرت، صدمے اور بے یقنی سے۔ عبیل دبیر کو دیکھ رہی تھی معصومیت، دکھ اور الجھن سے۔۔۔اور اس تکون کا آخری سرا گل دبیر کو دیکھ رہی تھی شاک اور اس مرتبہ صرف شاک سے۔ان کی پہلی ملاقات کا اختتام بھی کچھ یونہی ہوا تھا۔

"تم عبیل کی سچائی سے واقف تھے؟" گل کا لہجہ خالی تھا وہ شاید انکار کی امیدوار تھی۔

"دبیر کو سب ماہِ نگار نے خود بتایا تھا۔" سیاہ عبا والی شہزادی گل جان کی طرف مڑی جس نے اہستہ سے پلکیں جھپکائیں۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

سانس اندر باہر کرتے اور دل کے مقام پر ہاتھ رکھتے گل جان نے بے دھیانی میں چہرہ اٹھایا اور رہی سہی امید بھی وہیں بکھر گئی۔

"تم نے کبھی پوچھا کیوں نہیں کہ اس دن میں یا سمین جان کے بارے میں تمہیں کیا بتانے والا تھا۔" وہ مسکرایا تو مسورے بھی کچھ واضح ہوئے۔ قابلِ تعریف اطمینان تھا بس گل جان کا خوشامد کرنے کا کوئی مزاج نہ تھا۔ اسکے مزاج تو فلحال دبیر کو واقعی سمندر میں دکھا دینے کے ہو رہے تھے۔ ہاتھوں کی کھجلی کو روکتے وہ اندر ہی اندر چلانے لگی۔

★

www.novelsclubb.com

ماضی کے سمندر میں چپو چلاتے بیشتر دن پیچھے آؤ جب وہاں سب لا علم تھے اور قلعے میں نئے نویلے مہمان تھے۔ رات کو اچانک کسی کی موجودگی اپنے کمرے میں محسوس کر کے ملکہ دیوانہ وار راہداریوں میں بھاگیں اور تہ خانے سے نکلتی شہزادی عبیل سے جا ٹکرائی۔ غنودگی اتنی تیزی سے آئی کے وہ وہیں بے ہوش ہو گئی۔ ایک

محفل ملکہ کے کمرے میں سجی تھی اور دوسری یمنی مردوں اور مصری عورتوں سے بھرے جہاز میں۔ ایک طرف زندگی بچ جانے کی عیادت ہو رہی تھی تو دوسری طرف زندگیاں چھن جانے کا ماتم۔ ایسے ہی کئی رازوں سے ناآشنا ہم ملکہ ماہ کے کمرے سے نکلتے اب راہداریوں میں ٹہلتے ہیں۔

ٹہل ٹہل کر شاہی کتب خانے کے پردوں کو ہٹاتے علم کی دنیا میں گم ہو جاؤ۔ مگر ہماری منزل وہ کتابوں کی الماریاں نہیں ہماری منزل تو وہ دیوار ہے جہاں ایک دن پہلے فاطر ابو السلام نے ان دیکھی آوازیں سنیں تھیں۔ چلتے چلتے اس دیوار تک آؤ تو تمہیں سیاہی سے خود کو پوشیدہ رکھے ایک وجود راز کو پیدا کرتا دکھے گا۔ اسکا ہاتھ دیوار کی اینٹیں ٹٹول رہا تھا۔ داستانے والا ہاتھ جس پر سرخی کی چھینٹیں تھیں۔

"یہاں تمہیں کسی پہیلی کا جواب نہیں ملے گا؟" پیچھے سے آنے والی آواز پر عبیل کے حلق سے چیخ برآمد ہوتے رکی۔ اچھل کر پلٹی تو سامنے ہی دبیر السازار کو کھڑا پایا۔ ہتھیلی میں نیلے رنگ کی گولیاں تھیں جو عجلت سے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں کی

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

مدد سے کچل رہا تھا۔ دل کے مقام پر ہاتھ رکھتے سرخ داستا نے والی نے پہلے ان گولیوں کو دیکھا اور پھر دبیر کی حالت کو۔ اسکے کانپتے وجود کو دیکھ کر لگتا تھا ابھی یا تو زلزلہ آئے گا یا وہ خود زلزلہ بن کر گر پڑے گا۔

گولیوں کو پیستے اس نے کن آکھیوں سے شہزادی کا گھبراتا چہرہ دیکھا۔

"خادم خاص کی باتوں کی وجہ سے یہاں آئی ہو نا؟" عبیل سانس لینا بھول گئی۔ کیا وہ منصف دلوں کا حال بھی جانتا تھا۔

"تم... تمہیں کیسے پتہ؟" کن آکھیوں سے دیکھتے وہ جتانے کے انداز میں مسکرایا۔

"تہ خانے میں بھی اسی وجہ سے گئی تھی نا؟" اب کے عبیل کو یقین ہو گیا وہ کوئی عام بندہ نہیں پکا کوئی نجومی ہے۔ نیلی نشہ آور دوا کے ذرات کی مٹھی بھر کر منہ میں اچھالتے دبیر نے گردن پیچھے پھینکی۔ دنیا یک دم ہری بھری سی لگنے لگی۔ وجود کی ساری بے چینی دور ہو گئی۔ ہلکی سی کھلکلاہٹ اسکی پیچھے پھینکی گردن سے سنائی

www.novelsclubb.com

دی۔ عبیل کے وجود کو ایک خوف زدہ سر سراہٹ نے چھوا۔ داستانے والے ہاتھ رگڑتے وہ بے اختیار آگے آئی۔

"تم جانتے ہو میرے متعلق؟ تمہیں میری اصلیت کا علم ہے۔" اسکی آنکھوں میں امید کے تارے ٹمٹمائے۔

"تم میری مدد کر سکتے ہو نا۔ مجھے بتاؤ آخر میں کون ہوں؟ میرا گھر بار کیا ہے؟ میرے ماں، باپ، بہن، بھائی کیا ایسا کوئی رشتہ میری زندگی میں ہے۔ مجھے بتاؤ میری دنیا کیا ہے۔" عنقریب تھا کہ اگر اسے جلد جواب نہ ملتے تو وہ رو دیتی۔ دبیر مسکراتے ہوئے اسکی بے چینی سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ جتنی اسے جلدی تھی، اتنا دبیر وقت ضائع کر رہا تھا۔

"جواب دو نا منصف۔" اس نے بے بسی سے دہائی دی۔

"تمہاری عقل کیا کہتی ہے؟"کتابوں سے بھری الماری سے ٹیک جوڑتے وہ یوں کھڑا تھا جیسے دنیا جہاں کا وقت اسکی مٹھی میں آگیا ہو۔عبیل نے تھوک نگلتے خون آلود داستانے اتارے۔

"میری عقل کہتی ہے دل کی سنو۔"

"اور تمہارا دل کہتا ہے سارے محلے کی سن لو۔"آنکھیں گھماتے اس نے گردن پر ہاتھ پھیرا۔عبیل کچھ مزید روہانسی ہوئی۔

"مجھے سمجھ نہیں آرہی میں کیا فیصلہ لوں۔میں عجیب سی کشمکش میں ہوں کہ اصل کیا ہے اور فریب کیا۔"

"ماہِ نگار کی سنو۔"دبیر نے آنکھیں سختی سے میچی۔یہ ساری صورتحال نہایت بھونڈی اور فضول تھی۔"وہ کہتی ہے تم اردن کی شہزادی ہو۔آنکھیں بند کرکے

www.novelsclubb.com

یقین کرلو۔" عبیل نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ چہرہ موڑ کر اس پتھریلی دیوار کو دیکھا۔

"یہ دیوار کسی خوفیہ راستے کو نہیں جاتی شہزادی۔" دبیر نے بیزاری سے اسکے علم میں اضافہ کیا۔

"مگر میں نے تو سنا تھا.... کتب خانے میں ایک دیوار ایسی ہے.... جو مجھے میری پرانی دنیا تک لے جاسکے۔" دبیر نے بمشکل اپنا یا اسکا ماتھا پیٹنے سے خود کو روکا۔

"تمہارا صرف دل ہی بولتا ہے یا دماغ کو بھی زبان لگی ہے؟" عبیل نے لب سختی سے ملائے۔ یہ نجومی کافی بدتمیز تھا۔

"ماضی سے نکل آؤ اب یہی تمہارا حال اور مستقبل ہے۔" عبیل کی الجھن زائل ہونے لگی۔ پیشانی کے بل سستی سے غائب ہوئے۔

www.novelsclubb.com

''تمہیں یہ سب کس نے بتایا ہے؟ کہیں تم بھی۔'' شہزادی نے دانستہ بات ادھوری چھوڑی۔

''ہاں میں بھی تمہاری ہی سی قسمت رکھتا ہوں۔''شہزادی کے قدموں سے جان فنا ہوئی۔ ''میں انہیں لوگوں میں سے ہوں جو بہت سال قبل کھو گئے تھے اور اب انہیں واپس ڈھونڈا گیا ہے۔''جلبیہ کے جیب میں ہاتھ ڈالتے اس نے سنجیدگی سے اپنے رازوں کا بکسا کھولا۔

''ہم وہیں ہے جہاں ہمیں ہونا تھا اور تم بھی وہیں ہو جہاں تمہیں ہونا چاہیئے۔'' شل، ساکت اور بے سانس کھڑی شہزادی اسے ٹکر ٹکر دیکھتی رہی۔ ماہِ نگار کی باتوں کا حقیقی روپ اسکے سامنے موجود تھا۔اس سے زیادہ اسے اور کیا چاہیے۔

پلٹ کر ایک بار پھر سست روی سے دیوار کو انگلیوں کی پوروں سے چھوا۔اسکا دماغ اور دل اب دبیر کے ہی انکشافات دوہرا رہا تھا۔

"تم یہ سب مجھے اب کیوں بتا رہے ہو؟ آخر میری اندرونی کیفیت کا علم تمہیں کیسے ہوا۔" بے فکری سے سانس آزاد کرتے اس نے ٹیک چھوڑی۔

"حبتہ اللہ نے کہا تھا تمہیں سب کچھ بتا دوں۔" عبیل کا دل حبتہ اللہ کے لیئے تشکر سے بھر گیا۔ "اور اس نے یہ بھی کہا ہے کہ آئندہ تم اسے تہ خانے میں نظر نہ آؤ۔ آج تو تم نے وہاں ہوتے علاج کا روپ غلطی سے دیکھ لیا مگر آئندہ کے لیئے دھیان رکھنا۔ (معلاجہ کا دیدار یاد آیا تو وہ سہم گئی۔ بازو کے بال کھڑے ہو گئے اور حلق میں تھوک جمع ہوا) وہ جگہ محفوظ نہیں تم بھی بیمار ہو کر ان مریضوں میں شامل ہو سکتی ہو۔" سر ہلاتے اس نے اپنے داستانے دیکھے۔ یہ خون کسی چاندی کا نہیں۔ یہ خون تو دراصل...... ہولناک منظر یاد آیا تو آنکھیں میچتے سر جھٹکا۔ دبیر السازار کو جس کام کے لیئے تحفہ دیا گیا تھا اسے احسن طریقے سے سر خرو کرتے وہ اڑتے پردوں کو پار کرتے باہر نکل گیا۔

پیچھے کھڑا وہ چغہ نشین کچھ پل تو اپنے ہاتھوں کو دیکھتا رہا اور پھر انہیں پہلو میں بے دم ہو کر گرا دیا۔ کچھ دیر وہیں رہنے کے بعد یک دم ہی سیاہی کا حصہ بنا اور غائب ہو گیا۔ان کہی باتیں پوشیدہ رہ گئیں۔ کتب خانہ میں انسانی نفس بس ایک ہیولے تک محدود رہا۔ سلطنت ماہِ ملکہ نے ایک اور راز کو خود میں ڈھانپ لیا۔

★

ماضی کی دھول اڑاتی کتاب کو بند کر کے الماری کے کسی ایسے خانے میں چھپا دوں جہاں بھولے سے بھی کسی راہ گزر کی نظر نہ پڑ سکے اور اب کتب خانے کا چکر کاٹ کے حال میں لوٹ آؤ۔

www.novelsclubb.com

سبز زرد خشک گھاس، صاف آسمان اور پتھروں سے ٹکراتا گہرا سیال جس کی سطح پر سے بگلے پیر نم کے ہوا کی بلندیوں سے جا باتیں کرتیں۔ قدرے ڈوبتا سورج اپنی آب و تاب کے جھلمل سائے کھلے میدان میں پھیلاتے ہوئے ان کے قافلے کو

لپیٹ میں لیئے ہوئے تھا۔ سولہ سترہ عورتیں اور پانچ چھ مردوں کی تعداد پر مشتمل ان کا گروہ فلحال خطرے میں تھا۔ جتنی کثیر تعداد اتنے حملے کے زیادہ توقعات۔

فاطر تن پر صاف لباس پہنے ان سب سے کچھ الگ ہوا بیٹھا تھا۔ کپڑے میں لپٹی زخمی ٹانگ کو اٹھانے کی سعی میں اس کے لبوں سے ہلکی سسکی سے ادا ہوئی۔

"زیادہ ہلو جلو مت۔" تنبیہ پر سر اٹھاتے اسے المیرا اپنے پاس آتی دکھی۔ اس کا سبز لباس آنکھوں کے رنگ سے میل کھاتا تھا۔ فاطر نے ٹانگ کو سیدھا لٹاتے گردن ایک طرف ڈھلکا دی۔ دوسرے کونے میں بیٹھا نجف ابھی بھی حراساں نظریں فاطر کے چہرے پر جمائے تھا۔

"یہ کھاؤ۔" المیرا نے کٹے پھل ایک کپڑے پر رکھتے اسکے نزدیک رکھے۔ "تھوڑی جان بناؤ۔ تمہارا اچھا خاصا خون ضائع ہوا ہے۔" فاطر نے چہرہ کچھ مزید پھیر لیا۔ ساتھ گھٹنوں کے بل بیٹھی المیرا کی حوصلہ آفزا مسکراہٹ پھیکی ہوئی۔

"فاطر ابھی ہم نے لمبا سفر تہہ کرنا ہے۔ یہ کھاؤ تاکہ تم بیچ میں کہیں بے ہوش نہ ہو جاؤ اور ویسے بھی تم جیسے لمبے کھمبے آدمی کو سنبھالنا بھی بڑا کٹھن کام ہے۔" گھنٹہ پہلے کی اپنی محنت اسے بھولی نہیں تھی۔ بے چارے اس کے پہلوان جیسے کندھے۔ مرد پھر بھی اداس دوشیزہ کی طرح منہ لٹکائے کھانے سے ناراض رہا۔ المیرا نے تھک کر گہری سانس لی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ کچھ دیر بعد سماعت سے ٹکراتے اعتراف کو فاطر نظرانداز نہ کر سکا۔

"ایک عورت ہمارے مجمعے سے بھی مری ہے۔" فاطر کی گردن دفعتاً سیدھی ہوئی۔ کچھ حیران اور کچھ الجھا سا وہ کندھے کے پار بیٹھی المیرا کا نیم رخ دیکھ سکتا تھا۔

"میری آنکھوں کے سامنے، میرے ہاتھوں سے نہایت قریب۔ میں اس کو بچانے والی تھی جب ٹہنی ٹوٹی اور وہ موت کے خوف سے ہی مر گئی۔" اختتام میں وہ ہنس دی۔ "ہے نا عجیب بات۔ مرنے کے ڈر سے ہی مر گئی۔" ہلکا ہلکا ہنستے اسکے کندھے بھی ساتھ ہلے تھے۔ لبوں پر ہاتھ رکھتے وہ اپنی خبطی حالت کو روکنے کی ناکام

کوشش کرتی رہی۔ فاطر کا دماغ تو گھوڑے دوڑا رہا تھا البتہ تاثرات ایک دم سلیٹ کی مانند خالی تھے۔

”تم موت کو نہیں روک سکتے فاطر اسلام۔ ان تمام آدمیوں کے مر جانے کے پیچھے تمہارا کوئی قصور نہیں۔“ وہ عالم تھی، ساحرہ تھی یا پھر ذہن خواں جو فاطر کی اداسی کی وجہ جان گئی۔ المیرا کے نیم رخ کو دیکھتے وہ بنا کہے سنتا گیا۔

”تم جتنا کر سکتے تھے تم نے اتنا کیا۔ آگے تقدیر کے فیصلوں کو تم ٹال نہیں سکتے۔“ المیرا نے چہرہ پھیر کر فاطر کو دیکھا، فاطر نے اتنی ہی تیزی سے آنکھیں چھپاتے خود کا رخ موڑ لیا۔ المیرا آسودگی سے ہی مسکرا دی۔ اطمینان ہو چکا تھا کہ کچھ وقت کے بعد ہی سہی مگر وہ اپنے احساسِ جرم سے نکل آئے گا۔ لفظوں کی مہارت میں وہ المیرا سے آج بھی پیچھے ہے۔

اور وہی ہوا ساتھ رکھے پھلوں کی مہک جونہی نتھوں سے ٹکرائی فاطر کے معدے میں مڑور اٹھے۔ انسان جتنا بھی الجھا کیوں نہ ہو بھوک کو نظرانداز کر دینا ناممکن

ہے۔مرد کو رغبت سے کھاتا دیکھتے وہ خاموش رہی۔ کندھا مضبوط لکڑی سے جوڑا اور اب وہ اسکے پیچھے ہی سہی مگر مقابل رخ پر بیٹھی تھی۔

''میں تمہارے والد سے ملی تھی۔''فاطر کے چلتے ہاتھ تھم گئے۔انجیر چباتے دانت بھی رک گئے۔ پلکوں کے نیچے سے سامنے رکھے بچ جانے والی غذا کو دیکھا اور پھر منہ میں رکھ کر نگلتے اس نے لب ہاتھ کی پشت سے صاف کیئے۔انکشاف سراسر نظر انداز کر دیا۔

''جب میں پہلی مرتبہ مصر آئی تب میرے ساتھ دھوکہ ہوتے رہ گیا تھا۔وہی لوکل پرانی سکیم فرانگیوں کی لوٹ مار کرنا اور پھر انکو آیرپورٹ پر بے یار و مددگار چھوڑ دینا۔تب انہوں نے میری مدد کرنا چاہی۔''

''کیا تاریخ تھی؟''سوال بے اختیار تھا۔المیرا جو ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی اچانک سے رک گئی۔فاطر کو لگا وہ کچھ دیر کا وقفہ لے گی مگر جواب اتنے جھٹ سے آیا کے کچھ دیر تو وہ بھی دنگ رہ گیا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

''گیارہ اگست، آج سے آٹھ سال قبل۔'' کپڑے سے ہاتھ پونچھتے اسکی حرکات سست ہوئی۔ اپنے باپ سے متعلق اسے ہر تفصیل یاد تھی۔

یہ وہ دن تھا جب فاریہ شادی کے بعد پہلی مرتبہ مصر آئی تھی۔ ابا اسے لینے گئے مگر وہ حسب عادت ناراضگی کا اظہار کرتی سامان اٹھائے خود ہی گھر چلی آئی۔ شرمندگی اتنی تھی کے وہ اگلے دو دن گھر نہ آئے بلکہ کسی کام کا بہانہ کرتے لکسور چلے گئے۔ فاطر کو اچھے سے یاد تھا اس حرکت پر اسکا اپنی بہن کے ساتھ کیسا زوردار جھگڑا ہوا تھا۔

''پتا ہے جب میں ان سے ملی تھی تب میں نے کیا سوچا۔'' فاطر نے ظاہر نہیں کیا مگر المیرا جانتی تھی وہ سن رہا ہے۔ اسکا چہرہ خالی بھی ہوتا تو المیرا کو اس میں چھپے تاثرات دکھ جاتے۔

''آدمی تو امیر ہے..... کیا معلوم اس کا کوئی جوان بیٹا ہو۔ میں اگر اس سے جان پہچان بنا کر بیٹے سے شادی کرلوں تو میرے تو دن پھر جائے گیں۔'' اپنی ہی دو

نمبری کا مذاق اڑاتے وہ تو ہنسنے لگی مگر فاطر وہ جہاں تھا وہیں کا ہو کر رہ گیا۔ کانوں میں اسکی ہنسی کے بجائے اب تک جملے کی گونج زندہ تھی۔ اسے نہیں معلوم وہ یہ سب کیوں بتا رہی تھی مگر پھر خیر اپنے متعلق اسے کبھی کچھ معلوم ہوا بھی ہے؟

"میرے آگے بھی کچھ ارادے تھے۔" وہ ذرا سا جھکی تو فاطر نے آئبرو اچکائیں۔

"ان کے بیٹے سے شادی کر کے، اسے قتل کرونگی اور پھر اسکی ساری دولت لے کر بھاگ جاؤنگی۔" فاطر کو پہلے دھچکا لگا اور پھر حیرت ہنسی میں بدلی جس کا اختتام ایک خوبصورت قہقہے پر ہوا۔ المیرا اسکو ہنستا دیکھتے خود بھی ہنسنے لگی۔

"لیکن اب لگتا ہے قتل کیئے بنا بھی دولت ہاتھ آگئی ہے۔" اسکی مدھم مسکراہٹ کو دیکھتے المیرا کا لہجہ فخریہ تھا۔ فاطر کا ساتھ اسکے لیئے مضبوط ترین ستون کی مانند تھا۔ وہ چھن جاتا امیدیں ڈھے جاتیں۔

"تمہیں واقعی امیر ہونا ہے یا یونہی بولتی ہو؟" گال پر بنے زخم کو انگلیوں کی پوروں سے چھوتے وہ اب پہلے سے بہتر محسوس کر رہا تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"سچ کہوں؟" الميرا کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"امید تو نہیں ہے تم سے مگر خیر ...کوشش کر کے دیکھ لو۔" الميرا برا منائے بغیر گویا ہوئی۔

"پیسا طاقت لاتا ہے۔ مال آپ کے قدم مضبوط کرتا ہے۔ ہر کوئی دولت سے مرعوب ہوتا ہے اور سب سے بڑھ کر (اطمینان سے فاطر کو دیکھا) پیسہ آزادی لاتا ہے۔ جو پسند آیا خرید لیا، جب پسند آیا پالیا۔ تم زندگی پیسوں کے بغیر نہیں گزار سکتے۔"

"تو اس کا یہ مطلب ہوا تم ہر short cut اور دو نمبر راستے سے پیسہ بناؤ گی؟" الميرا نے احتجاج کرنے کے لیئے منہ کھولا مگر اسکے سارے بہانے جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ بات تو فاطر کی سہی تھی۔

"اپنا پیسہ طاقت لاتا ہے المیرا۔ اپنی دولت آزادی دلواتی ہے۔ چھینا، چھپٹا، چرایا مال بھی چھن، چھپٹ اور چوری ہو جاتا ہے۔" کاٹ اور تلخی سے خالی وہ المیرا کی سوچ پر تضحیک نہیں تصیح کر رہا تھا۔ وہ آنکھیں جھپکتے دیکھنے لگی۔ مردوں کی یہ کونسی جماعت تھی اور اگر تھی بھی تو فاطر نے گروہ کب بدلا۔

"میری خواہش ہے کہ تم زندگی ایک معزز اور مضبوط انسان بن کر گزارو۔" نرم مسکراہٹ لیئے اسکی آنکھوں میں دور دور تک پرانے فاطر کی جھلک نہیں تھی۔

"کیا میرے متعلق تمہاری بس اتنی سی خواہش ہے؟" ڈوبتے دل کے بیچ وہ نجانے کیوں پوچھ بیٹھی۔

"کیا مطلب؟" فاطر کی بھنویں سکڑ کر قریب آئیں۔ سوال میں اتنی لاعلمی تھی المیرا کا دل کیا اسکا سر درخت میں دے مارے یا اپنے دل کو سزائے جرم سنا دے۔ بھری دنیا میں تمہیں یہی نمونہ ملا تھا۔ سینے پر بازو باندھتے اس نے منہ پھیر لیا۔ سرِ عام اقرار کے بعد مسترد ہو جانا اسکی انا کے خلاف تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

اگر کماری ان دونوں کی طرف نہ آرہی ہوتی تو فاطر یقیناً بات کر دیتا۔اس بھاری مضبوط کندھوں والی عورت کا سایہ ان دونوں پر آکر ٹھہرا۔

”سورج ڈھلتے ہی تم سب یہاں سے نکل کر سمندر کے قریب جاؤ گے۔ایک جگہ بیٹھ جانا خطرے سے خالی نہیں۔“

”ہمارے علاوہ کیا باقی زندہ ہیں؟“المیرا کی بات پر کماری نے کندھے اچکائے۔

”معلوم نہیں اور اسی وجہ سے میں تم کو آگے بھیج کر خود جنگل کا محاصرہ کروں گی۔ جو جو بچ جاتا ہے ہمیں کل سورج ڈھلنے تک انہیں اکٹھا کرنا ہوگا ورنہ عین موقع پر سب کو جمع کرنا مشکل ہو جائے گا۔ماہِ ملکہ سے کچھ بعید نہیں۔“المیرا خاموش ہوگئی اور فاطر تو اب تک خاموش تھا۔زخم زدہ مرد کو سوچ سے جھگڑتا دیکھتے وہ سوال کیئے بنا نہ رہ سکی۔

”مجھے ایک بات کب سے کھٹک رہی ہے۔“جواباً فاطر نے گہری سانس لی۔

"کیسی بات بن ابولاسلام۔" مرد نے پہلے ادھر ادھر دیکھا اور پھر گال کا اندرونی حصہ کترا۔

"یہی کے ہمارے دشمنوں کو ہمارے مقام کا کس نے بتایا۔یوں لگتا تھا جیسے وہ جانور خاص وہاں ہمارے لیئے کھڑے تھے۔" کماری نے نفی میں گردن ہلائی۔

"وہ صرف تم لوگوں کے لیئے نہیں بلکہ سب کے لیئے تھے۔ یہاں جگہ جگہ جال اور جلوس ہیں خاص تم سب کو ڈرانے کے لیئے۔"

"مگر وہ ہمیں ڈرانے کے لیئے نہیں تھے کماری۔" فاطر نے اپنی بات پر زور دیا۔

"کوئی بے لگام بھوکے جانور آپ کو ڈرانے کے لیئے نہیں بھیجتا۔ وہ ہمیں مارنے آئے تھے۔" المیرا نے جھٹکے سے گردن موڑتے فاطر کا پر زور لہجہ دیکھا۔کچھ پل کو ایک خیال اسکے دل میں آیا جو اگلے ہی لمحے اس نے از خود رد کر دیا۔

''میں نے کہا تھا ابو لا سلام یہ کھیل کا میدان نہیں۔ یہاں دو ہی راہیں یا تو ڈر کر پلٹ جاؤ یا مر کر ختم ہو جاؤ۔''

''تیسرا راستہ بھی ہے۔'' سپہ سالار کی بات کاٹتے اسکے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔ ''ڈر کر پلٹ جاؤ، مر کے ختم ہو جاؤ یا پھر.... مار کر آگے بڑھ جاؤ۔'' کماری اسکے تشفی آمیز روپ کو دیکھ کر کچھ پل کو تو بالکل بے زبان ہو گئی۔ حیران تو المیرا بھی ہوئی تھی۔ وہ تو ایک امن پسند آدمی سے واقف تھی یہ مرنے مارنے والا جنگجو کون تھا؟

''تم نے اتنی بے دردی کب سیکھی فاطر؟'' کماری کی مدھم آواز پر خادم تلخی سے ہنسا۔ حاکم اول کی پیچیدگی یونہی برقرار رہی۔

''یہ بے دردی نہیں اعلانِ جنگ ہے۔'' پٹی میں جکڑی ٹانگ سیدھی کرتے گھٹنے پر بازو رکھا۔

وہ).” they want a show, i'll give them a show

تماشہ چاہتے ہیں، میں انہیں تماشہ دونگا)۔“نگاہیں ملا کر اعلان کرتے اس کا لہجہ سنجیدہ اور اسکی آواز میں مضبوطی تھی۔ اگر وہ اس سے خوف زدہ تھے تو ان کا ڈرنا مستحق تھا۔ سپہ سالار کے تاثرات میں گھلی سختی مدھم ہونے لگی۔ بیٹے کا وجود باپ کی پرچھائی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

بات سمجھ کر سر ہلاتے کماری نے قدم موڑے۔ ہاتھ پشت پر باندھتے اس نے گہری سانس لیتے کندھے بلند کیئے۔

”ماہِ ملکہ کا تمہیں بے روزگار رکھنا بالکل واجب تھا۔“ فاطر چونک گیا۔ المیرا بھی سیدھی ہوئی۔ کماری نے کندھے کے پار سے بیٹھے دونوں کو دیکھا۔

”ان تمام سالوں میں تم اپنے والد کی شہرت کی وجہ سے بے روزگار نہیں تھے بلکہ ماہِ ملکہ کے طاقتور وسائل تمہیں بے روزگار رکھے ہوئے تھے۔ تاکہ تم کسی بھی طرح سے اپنے والد تک نہ پہنچ پاؤ اور تمہیں یونہی ہارتا دیکھتے ابولاسلام ظہور ذہنی

دباؤ میں رہیں۔ کیا تمہیں پانچ سال پرانا ایکسڈنٹ یاد نہیں۔" فاطر اپنی جگہ سے ہلا نہیں البتہ متحیر ضرور ہوا تھا۔ایک اتنی بڑی تنظیم کو بھلا اس سے کیا خوف۔

"تمہارا کار ایکسڈنٹ انہوں نے ہی کروایا تھا محض ابوالسلام سر کو ٹارچر اور دھمکانے کے لیئے۔ اولاد کی محبت میں بڑے بڑے اصول پسند قانون توڑ دیتے ہیں۔" کماری کا لہجہ پچھتاوے کی گھاگ لیئے تھا۔اپنی جگہ بیٹھی المیرا قدرے سیدھی ہوئی۔اسے یاد تھا پانچ سال قبل جب وہ ہمیشہ کے لیئے پاکستان چھوڑ آئی تھی، فاطر اسلام نے جامعہ میں پڑھانا بھی چھوڑ دیا تھا۔

"تم جانتے ہو تمہیں جاب سے روکنے والے وصائل کہاں سے آئے تھے؟" فاطر نے سوال نہیں کیا۔وہ جانتا تھا بنا سوال بھی جواب مل جائے گیں۔

"ابو اسلام ظہور اپنے تعلقات کے ذریعہ ان کا نام میڈیا میں آنے سے روکے ہوئے تھے۔" فاطر کی آنکھوں کی پتلیاں وا ہوئیں۔امبر روشنیوں کا سنہری رنگ

www.novelsclubb.com

بجھ سا گیا۔ اپنے باپ کی تکالیف سمجھ آئیں تو دل کٹ کر دو ٹکڑے ہوا۔ وہ بولا کچھ نہیں مگر المیر اسب سن گئی۔ فوراً سے سوال کرتے اس نے موضوع گفتگو بدلنا چاہا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ عزیر بن خلد پر اعضاء کی بیچ اور فروخت کے واضح چارج تھے۔"

"عزیر بن خلد کارکن ہے جس کا کام بس بیچ اور فروخت تک محدود ہے۔ بائیو ٹینکل فرم کا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔" فاطر نے ایک خاموش نظر سب پر ڈالی۔ ہر چہرہ تجسس سے ان کی ہی جانب دیکھ رہا تھا۔

"اگر ان کو انسانوں پر تجربات کرنے ہی ہیں تو یوں چھپ کر کیوں کر رہے ہیں۔ پوری دنیا میں انسان کی قوتِ مدافعت پر کام کیا جاتا ہے تو ماہِ ملکہ کیوں نہیں کر لیتی۔"

www.novelsclubb.com

''کیونکہ یہ غیر قانونی ہے۔''کماری کے بجائے فاطر نے المیرا کی الجھن دور کی۔ بھوری سبز آنکھوں نے تفصیل کے لیئے سپہ سالار سے ہی رجوع کیا۔

''ابتدا میں یہ کام سرِ عام اور بغیر کسی روک ٹوک کے ہوتا کیونکہ تب کوئی بھی اس کے غیر فعال نتائج سے مکمل طور پر واقف نہیں تھا۔''المیرا نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔ کماری نے گہری سانس لی، اگر جو یہاں گل ہوتی تو سب آدھی بات میں ہی سمجھ جاتی۔

''ماہِ ملکہ آٹھ سال قبل السکر کے نام سے جانی جاتی.....''کماری نے ابتدا کی ہی تھی جلد باز المیرا نے بات کاٹ ڈالی۔

''السکر تو مٹھائی کی کمپنی ہے۔ میں نے تو سنا ہے وہ نشہ آور ادویات استعمال کرنے کے لیئے مشہورِ زمانہ بدنام ہیں۔''اپنی جانکاری پر اس نے پوری بتیسی دکھائی۔ کماری البتہ دبیر حصہ دوئم تھی تعریف نہ کی۔

www.novelsclubb.com

”وہ فریب ہے آنستہ (میم) المیرا۔ جیسے ماہِ ملکہ فریب ہے۔ کسی نے کبھی ان کی دکان تک نہیں دیکھی۔ جنہوں نے دیکھی بھی ہے وہ دکانیں بس ان کا نام چرا کر شہرت کماتی ہیں۔“ المیرا کا سر چکرانے لگا۔ باقاعدہ اسے تھامتے ہڑبڑا کر گردن ہلائی۔

”اب تو مجھے شک ہے کے تم بھی اصلی نہیں کوئی جن ون ہو۔“ المیرا نے ہاتھ جھلاتے خجالت سے کہا۔

”نو سال قبل ماہِ ملکہ کی بنیاد کھلے عام رکھی گئی۔ اس وقت اور آج کا مقصد ایک سا تھا۔ بس طریقہ مختلف ہے۔ پہلے جہاں وہ اصول و ضوابط کی پاس رکھ کر کام کرتے تھے تو ان کو نتائج درست نہیں ملتے۔ مقصد میں پیشِ رفت نہ پا کر ان کے سرمایہ داروں نے ہاتھ کھینچ لیا۔“

”سرمایہ دار؟“ المیرا نے ٹھوکا دیا۔

”تو آپ کا کیا خیال ہے اتنی بڑی تنظیم چلانے کے لیئے ریسورسز کہاں سے آتی ہیں؟ دنیا کے وہ گدھ جو ابدی زندگی چاہتے ہیں وہیں تو ان کے ادارے میں اپنا پیسہ لگاتے۔ ماہِ ملکہ کی بنیادیں انہیں کی بھری تجوریوں پر کھڑی ہے۔“ اب کی بار المیرا نے مداخلت نہ کی۔ سر جھکائے وہ دنیا میں ہوتی شیطانیت پر سرگرداں ہوئی۔ انسان انسانیت کے نام پر انسانیت کو نوچ رہے ہیں۔

”تنظیم کو ڈوبتا دیکھتے طریقے بدلے گئے۔ لوگ نئے آئے اور پھر بلا آخر ان کو وہی نتائج ملے جن کی انہیں خواہش تھی مگر.... غیر اخلاقی طریقہ کار سے۔ یہ تو شاید اب بھی یہ سب دنیا کی آنکھوں کے سامنے کرتے اگر ان کے خلاف سائنسی ادارے اور انسانی فلاح و بہبود کی تنظیمیں آواز نہ اٹھاتیں۔ جانداروں کو استعمال کرنے کی بد دیانتی اور غیر اخلاقی طریقوں کی وجہ سے ان پر بھاری جرمانہ عائد کیا گیا، مختصر یہ کہ السکر کو کام کرنا چھوڑنا پڑا لیکن...... اندر کے لوگوں نے ایسا نہیں کیا اور اپنا کام

www.novelsclubb.com

جاری رکھا۔" کماری کی باتیں اعلان تھی کہ تم سب اپنی زندگی کے سب سے بدترین کھیل میں پھنسے ہو۔

"اب السکر ماہِ ملکہ کی ہی آف شور کمپنی کا نام ہے۔ ان کی مٹھائی کسی نے نہیں کھائی۔ یہ ایک افواہ ہے جو انہوں نے پھیلائی تا کہ کوئی بھی آکر انہیں تلاش نہ کرے۔" انہیں ہر بار لگتا تھا وہ اپنے دشمنوں سے ایک قدم آگے ہیں اور انہیں ہر بار بتایا جاتا کے جس راستے پر تم قدم رکھتے ہو وہ تمہارے دشمن کا ہی منتخب کردہ ہے۔

المیرا کی ٹھوڑی گردن سے لگی تھی جبکہ آنکھیں مکمل وا۔فاطر کی نگاہیں لوگوں کے سوال کرتے چہروں پر تھے مگر کان کماری کے جملوں پر۔

"اب سوچ لو کہ تم سب نے بھاگنا ہے یا لڑنا ہے۔" آگ اور آب کے درمیاں انہیں تنہا چھوڑتے وہ مخبر منظر سے ہٹ گئی۔ پیچھے بیٹھے دونوں میں سے ایک آگ کی مانند جھلس رہی تھی تو دوسرا آب کی مانند ٹھنڈا تھا۔

www.novelsclubb.com

”نجانے گل اور دبیر کس حال میں ہونگے۔“المیرا کا اتنا کہنا ہی تھا کہ آب کے روپ میں دھرا شخص بھی شعلہ جوالہ ہو گیا۔دبیر کا نام سنتے ہی جو تاثر اسکے چہرے پر آیا تھا اگر المیرا دیکھ لیتی تو معاملے کی جڑ تک جائے بنا اسے ہٹنے نہ دیتی۔

★★★★

www.novelsclubb.com

باب محافظ

المیرا کی فکر حق بجانب تھی۔ سمندر کی لہروں میں سکوت تھا۔انکشاف کے بعد کی عجیب سی خاموشی ان پر بااثر تھی مگر جن کانوں نے انکشاف سنا تھا وہ بے اثر تھا یا پھر اگر سہی معنوں میں کہا جائے تو ضرورت سے زیادہ اثرانداز۔

کانپتے ہاتھوں کو آپس میں مسلتے گل جان یک دم ہی گھٹنوں کے بل ڈھے گئی۔ الف تا یہ ساری کہانے صرف اسکے ذہن ہی پر نہیں پورے وجود کو ہولا گئی اور توازن کھوتے وہ بے دم ہو گئی۔ ہاتھ یخ بستہ، ٹوٹی عینک کے پار آنکھیں بے یقینی سے پھٹی ہوئیں، پیری زدہ ہونٹ مزید سفید اور گل جان کے دل پر پڑا بوجھ برداشت سے باہر ہو گیا۔ ہاتھ زمین پر رکھتے سر ہاتھوں میں گراتے اسکی آنکھیں زار و قطار بہنے لگیں۔ حلق سے نکلتی سوگواریت دل دہلا دینے والی تھیں۔ بلک بلک کر روتے وہ اپنی بچی کچی توانائی بھی آنسوئوں کے ذریعہ بہانے لگی۔

”تم نے سوچا کیوں نہیں کہ آخر مجھے passenger record (پیسنجر ریکارڈ) کیسے دیا گیا؟“ دبیر کی تشویش آمیز بات اسے اپنی پشت پر سنائی دی، مگر وہاں پرواہ کسے تھی۔

(”یہ تم نے چرائی کیسے ہے؟“......”کمرے میں گیا اٹھالی۔“)

”میں نے تمہیں مجھ سے دور رہنے کا بھی کہا تھا۔“ ایک اور جرم، کچھ اور حلق پھاڑ آنسو۔

(”کوشش کیا کرو میرے سامنے مت آؤ ورنہ میں اپنے حسد میں کسی دن تمہاری آنکھیں نکال لونگا۔“)

”یہ بھی کہا تھا کہ ماہِ ملکہ کے معملات میں نہ آؤ۔ سینڈی کے قتل سے دور رہو۔“ پیشانی مسلتے آنسو فرش کی مٹی میں جذب ہوئے۔ وہ کوسے بھی تو کسے۔

(”اس قتل کی monitoring ہو رہی ہے۔ تم لوگ دور رہو۔“)

www.novelsclubb.com

"مگر تم اس کے باوجود بھی میرے ایک بلاوے پر بھاگم بھاگ چلی آئی۔ان تمام انتباہ کو اَن سنی کرتے تم نے اپنی موت کے لیئے گھڑا خود کھودا۔" گل نے سر پیٹا مگر اب ماضی کے فیصلے کون پلٹ سکتا تھا۔اسکے ہاتھ مٹی سے بھر چکے تھے،لباس الگ گدلا ہو گیا اور موچ والا پاؤں یقیناً اسکے وزن تلے بے حال ہو رہا تھا۔

دبیر خاموش قدم اٹھاتا عین اسکے سامنے آرکا۔ شہزادی عبیل پیچھے کھڑی اپنے بے حجاب ہوئے رازوں کو سلجھا رہی تھی۔

"مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں بروحا۔میرا کسی سے کوئی لینا دینا نہیں۔" ایک گھٹنے کے بل بیٹھتے وہ قطرہ قطرہ زہر انڈیل رہا تھا۔"میری ساری وفائیں ماہِ ملکہ کے ساتھ مشروط ہیں۔انہوں نے کہا ان تینوں کو ایک جگہ جمع کر لو میں نے وہی کیا۔ انہوں نے کہا تمہیں وہ جھوٹی پیسنجر لسٹ دوں میں نے دی۔" گل لمبے لمبے سانس لیتی اسکے آخری جملے پر ٹھہر گئی۔گال کو ہاتھوں سے چھپاتے وہ وحشت ناک نظریں

www.novelsclubb.com

اٹھاتے دبیر کی کرخت نگاہوں سے ملا کر رہ گئی۔ نہ مرد کی آنکھوں میں رحم اترا نہ گل کی نظروں کو اطمینان ملا۔

"تمہیں ایک لمحے کو بھی ہمارا خیال نہ آیا۔ تم اتنا عرصہ ہماری آنکھوں میں دھول جھونکتے رہے۔" دبیر نے بیزار بھری ہنکار بھرتے گردن پیچھے گرا دی۔

" ہمارے ساتھ بیٹھ کر تم ماہِ ملکہ کے خلاف منصوبہ بندی کرتے تھے جبکہ درِ حقیقت تم ان کے کارکن تھے، تم ان کے جاسوس تھے جو ہمارا دوست بنا۔"

"ہوش کے ناخن لو عورت میں کب تمہارا دوست تھا؟" گل کی غمگیں آنکھوں سے دو تین آنسو مزید پھسلے۔ "نہ میں نے کبھی دوستی کا ہاتھ بڑھایا، نہ خیر خواہی کا وعدہ کیا، نہ ساتھ نبھانے کی قسمیں کھائیں۔ اگر تم اپنا چشمہ صاف کرتے آنکھیں کھول کر دیکھتی تو تمہیں یاد ہوتا میں..... دبیر السازار..... کسی بھی موڑ پر، کسی بھی مشکل میں تم سب کے ساتھ نہیں کھڑا تھا۔" گل کے لب الفاظ کی ادائیگی کے لیئے پھڑپھرائے مگر وہ دفاع کرے بھی تو کس بنیاد پر۔ دبیر کا حرف حرف سچ تھا۔ وہ کبھی

ان کے ساتھ تھا ہی نہیں اور جہاں تھا وہاں ہمیشہ ان کے ارادے ناکام ہی ہوتے تھے۔ سر جھکائے اسکے ذہن میں پرانی یادیں تصویر با تصویر بنتی اور بدلتی جا رہی تھیں۔ گرم سیال کی رفتار سست ہوتی بس آنکھوں کی نمی تک رہ گئی۔

"تم ایک خوش فہم عورت ہو گل جان۔ منہ اٹھائے کسی کی بھی مدد کو چل پڑتی ہو جبکہ در حقیقت کسی کو تمہاری مدد تو کیا تمہاری موجودگی کی بھی ضرورت نہیں۔" اسکے خشمگین لہجے پر گل جان نے تیزی سے آنکھیں پونچھیں۔ہاتھ، ہتھیلی،انگلیاں سب بھیگ گئیں۔

گہری زکام زدہ سانس کھینچتے اس نے آنکھ کے سوجے پپوٹے ہتھیلیوں سے دبائے۔ ساری کہانی حرف با حرف سناتا دبیر گھٹنے پر ہاتھ رکھتا اٹھ گیا۔چغے کی ٹوپی سے اپنا سر چھپاتے وہ بلی کی چاپ پیدا کرتے پلٹا۔

"تم منافقوں کی بستی کے سب سے برے منافق ہو دبیر السازار۔" گل کے جملے نے اسکے قدم جکڑ لیئے۔ ہاتھ وہیں ہوا میں معلق رہ گئے۔ چہرے پر ایک غضیلہ سایہ

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

سابن کراو جھل ہو گیا۔ ہاتھ گرائے بنا رخ پھیرا۔ گل اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ نیلی نگاہوں میں نفرت کی سرخی تھی، ناک اور ہونٹ سوجھے ہوئے تھے جبکہ گردن اور ماتھے پر نسیں پھڑک رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ اگر ابھی ہاتھ میں کوئی اوزار ہوتا تو دبیر السازار زندہ نہ بچتا۔

"ہر انسان اپنی نوکری سے وفادار ہوتا ہے۔ میں نے صرف اپنے فرائض نبھائے ہیں، وہی فرائض جن کا میں نے عطیہ لیا تھا۔"

"عطیے میں کیا لیا تھا؟ کسی حسینہ کی زلفیں یا کسی آدمی کے صحت مند پھیپھڑے۔" دبیر کے ہاتھ ٹوپی کے کنارے جمے تھے۔ اسکے ننگے سر اور پستہ قدامت پر طنز کرتی لڑکی کے لہجے میں مزاح ساز یادہ غضب تھا۔

بنا کچھ کہے وہ چہرہ چھاپتے بڑھ گیا۔ گل کی بات اس کے نزدیک قابل اہم نہ تھی۔

''اگر تم میں وفا نہیں تو کیا انسانیت بھی مر گئی تھی۔'' گل پیچھے سے چلائی مگر دبیر نے اس بار نہ قدم روکے نہ موڑے۔

''ان کی اصلیت جانتے ہوئے بھی تم نے ان کی نوکری کی۔ آخر پیسے کی ایسی کیا ہوس۔ تم تو المیرا سے بھی گئے گزرے ہو۔'' اسکے پیچھے چل کر آتی وہ متواتر چلا رہی تھی۔ دبیر کے کان پر جوں تک نہ رینگی (بال ہونگیں تو جوں آئے گی نا)۔

''تمہارے مالکین اگر معصوم جانوں کے ساتھ یہ سب کر سکتے ہیں تو پھر تم کس خوش فہمی میں ہو۔ یہی کے وہ تمہیں بخش دے گیں یا پھر اعزاز کے طور پر چند ایک نشہ آور گولیوں سے نوازے گیں۔'' تیز ڈگ بھرتی لڑکی کا تصادم آگے چلتے چلتے اچانک رکنے والے مرد سے ہوا۔ گل نے اپنا کندھا سہلاتے دبیر کے ڈھکے وجود کو نفرت سے دیکھا۔

''مجھے کسی کی جان یا زندگی سے قطعی کوئی غرض نہیں۔'' کچھ دیر بعد اس کی نہایت بے لچک اور سنجیدہ آواز سنائی دی۔ گل نے غصے سے ناخن ہتھیلی میں گاڑے۔

”اور اپنی جان سے؟ اس سے بھی یونہی لاپرواہ ہو یا اس کو پھولوں کا سیج دینے کے خواب بنائے ہیں۔“ ایک طرف درختوں کی لمبی فصیل تو دوسری جانب چوٹی سے ٹکراتا سمندر۔ گل نے تھوک نگلتے اپنے غصہ کو بے قابو ہونے سے روکا۔

”مجھے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں۔“ چہرہ سامنے رکھے اس نے اپنے ہم قد عورت کو جواب دیا۔ اسے دھکا دینے کی نیت سے اٹھے ہاتھوں کو بمشکل پیچھے رکھتے وہ پاؤں پیٹ کر رہ گئی۔

”میں نے کیوں کیا تمہارا اعتماد۔ آخر مجھے کیوں لگتا تھا تم ایک مجبور شخص ہو۔“ خود کو ہی کوستے اسکی آواز میں ملال، طیش اور کراہت تھی۔

”میری چھٹی حس مجھے خبردار کرتی رہی مگر میں نے اسکی ایک نہ سنی۔ کاش میں تمہیں مرنے سے نہ روکتی۔ کاش تم مر جاتے دبیر۔ خدا کرے تم مر جاؤ۔“ ہانپ کر کہتے اسکا صبر کا دامن دوبارہ ہاتھ سے چھوٹا اور وہ پھوٹ کر رو دی۔ رونے کے درمیان اس سے جملے بھی بمشکل بن رہے تھے۔

دبیر نے ماضی کی کتاب پہلے صفحے سے کھولی تھی۔

اس کا ماہِ ملکہ آنا، گل کو وہاں دیکھ کر حیران ہو جانا، کوشش کرنا کے وہ سب ہر چیز سے دور رہیں مگر وہ کوشش ناکام ہوتا دیکھتے ماہِ ملکہ کا کہا ماننا۔اس بات سے بے خبر ہونا کے ان کی اصلیت اعضا کی بیچ و فروخت سے بہت بڑھ کر ہے مگر جب اس بات کا علم ہوا تو پانی سر پر سے گزر چکا تھا۔

کہانی کے اہم حصوں میں اس نے فاطر اور المیرا کے متعلق ملنے والے احکام کا ذکر کرنا بھی نہایت اہم سمجھا جس پر گل نے ایک ہی سوال پوچھا، ''تو کیا تم کو مجھے بھی مارنے کا حکم ملا ہے؟'' جس کے جواب میں بے فکری سے کندھے اچکاتے دبیر نے اضافہ کیا کہ ''فلحال تو نہیں جبکہ میرا ماننا ہے سب سے پہلے تمہارا ہی قتل بنتا تھا۔''

روتی ہوئی گل جان کو یونہی بے آسرا اور بے سہارا چھوڑتے وہ پتھروں کی قطار کی جانب چل پڑا۔اس آنسو بہاتی عورت کی طرف دبیر نے آج تک ایک قدم بھی خود سے نہیں بڑھایا۔

”یہی تم انسانوں کی بے وقوفی ہے۔ ہر انسان کو دوست یا غم گسار سمجھ کر بھروسا کر بیٹھتے ہو۔ میں نے ایک مرتبہ بھی تمہیں نہیں بلایا تھا گل جان۔ تم جیسے ہوش مند بے وقوف اختتام میں یونہی بلکتے ہیں۔“

★★★★

باب خادم

سماعت میں کچھ بہتان اور قلب میں پوشیدہ کئی راز

ہر دکھ، ہر کہانی، ہر بھید میں مجھ سے اس کی مماثلت منسوب ہے

www.novelsclubb.com

سورج ڈھل رہا تھا، شام بن رہی تھی۔ اگر اس خوشی کے موقع پر اسکی ٹانگ زخمی نہ ہوتی تو پھر بھی وہ ناچ کر جشن نہ مناتا۔ اول اسے ناچنا فضولیات لگتی تھی اور دوئم اسے ناچنا آتا بھی نہیں تھا۔ اچھا ہی تھا ٹانگ کا بہانہ بنا کر اپنی نااہلی چھپالی۔

وہ ساحل کی طرف رواں تھے۔ بیس اکیس لوگوں پر مشتمل وہ گروہ ہر خطرہ پھلانگتا ایک دن کے اختتام کو قریب تر تھا۔ بھورا گھوڑے قافلے کے اختتام میں تھا۔ اس پر موجود فاطر اور اس کے پیچھے خاموش سا بیٹھا نجف آگے چلتے راہ گزین پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ گھوڑے کی ایک طرف المیرا پوٹلی اٹھائے چل رہی تھی جبکہ دوسری جانب کماری کی موجودگی تھی۔

www.novelsclubb.com

"ہمیں یہ گروہ آدھا کرنا ہوگا۔" کماری کی سنجیدگی سی کہی بات پر فاطر کی نگاہوں کا زاویہ نہ بدلا۔ "جتنے زیادہ لوگ۔ اتنا سفر سست اور ایسے میں ماہِ ملکہ باآسانی سب کو ختم کرلے گی۔" سپہ سالار کی دوراندیشی پر المیرا نے جواباً اپنی رائے دی۔

"کیا معلوم ہمارے علاوہ باقی سب کو انہوں نے پکڑ لیا ہو۔"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

”اگر ایسا ہے....تو پھر ہمارا باجماعت چلنا زیادہ خطرناک ہے۔“ گھوڑے کے مقابل اطراف کھڑی عورتیں ایک دوسرے سے ہم کلام تھیں جبکہ سواری پر موجود دونوں مرد خاموش تھے۔ سوال اور بہت تھے مگر اردگرد لاعلم لوگوں کی موجودگی کا خطرہ تھا۔ سمندر تک جاتا یہ راستہ قدرے پتھریلا تھا۔ آبشار کے پانی کی آواز اور فضا کی نمی انہیں چاروں اور سے محسوس ہوئی۔

”آخر ہم سب تنہا کیوں ہیں۔ ماہِ نگار اور باقی اعلی عہدہ دار کدھر ہیں؟“ جماعت کی ابتدا میں چلتی دو لڑکیوں کی سرگوشیاں پیچھے چلتے سب کو باآسانی سنائی دیں۔ فاطر نے المیرا کو دیکھا اور پھر ان دونوں نے کماری کو مگر وہاں تو یوں سکون تھا جیسے یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔

”آخر کو وہ لوگ بھی تو مصری ہیں۔ اگر مصری جہاز آرہا ہے تو پھر وہ سب کہاں ہیں؟“ اب کے دو تین اور لوگوں نے واجب سوال کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہر کوئی

www.novelsclubb.com

باری باری وہیں رک گیا۔ گھوڑے کی لگام تھامے کماری بھی ٹھہر گئی۔ عوام کی سوالیہ نگاہیں اب ان تینوں رہبران پر تھیں۔

"باقی سب کہاں ہیں کماری؟" باقیوں کی نظروں میں جہاں تشویش تھی المیرا اور فاطر کی نگاہوں میں وہاں اتنا ہی التماس۔ باقی سب جاننا چاہتے تھے اور وہ دونوں سب کو بتانا چاہتے تھے۔

"وہ دوسرے قافلے میں ہونگیں۔" کماری کے جواب پر ملکہ اور خادم نے ایک ساتھ آنکھیں میچتے چہرہ پھیر لیا۔

"تو پھر ہم پر یہ حملے کس نے کروائے ہیں؟" ایک اور بے بس سوال۔

"سلطنتِ یمن نے۔ وہ نہیں چاہتے ہم ان کا قرض ادا کیئے بنا یہاں سے چلے جائیں۔" کماری نے یہاں جواب دیا ادھر وہیں اگلا سوال بھی بن گیا۔

"تو کیا مہرانی کامل اب تک ہمارے قید میں ہے؟"

"ہاں! مگر جب ہمارا جہاز آجائے گا ہم انہیں آزاد کردے گیں۔" جھوٹ پر جھوٹ بولتی نہ اسکی زبان ہکلا رہی تھی تو نہ تاثرات ڈگمگا رہے تھے۔چار سالوں کی پکی اداکاری کا نیتجہ تھا۔سب لٹکے منہ بنائے دوبارہ سے روش پر ماقدم ہوئے۔ صاف ظاہر تھا کماری کے جوابات ان کے نزدیک تسلی بخش نہ تھے۔کچھ مزید راستے ٹاپتے ایک لڑکا خاموشی میں مخیل ہوا۔

"ہمارا جہاز کب تک آئے گا؟"

"کل سورج ڈھلتے ہی۔"اس لڑکے سمیت باقیوں کی بھی آنکھیں حیرت سے باہر کو آئیں۔

"اگر کل آنا ہے تو ہم آج صبح کیوں نکلے ہیں۔"

"تم کہو تو تمہیں واپس چھوڑ آئیں؟ وہیں بھوک سے بلک بلک کر مر جانا۔"فاطر نے بے تحاشہ سوالات اوران کے جھوٹے جوابات سے تنگ آتے جل کر کہا۔

www.novelsclubb.com

لڑکے نے چہرہ بسورتے منمناہٹ کی۔ ”تو ابھی کون سا ہم کھا کھا کر پھٹے جا رہے ہیں۔“

اچانک آنے والی ہنسی پر المیرا نے لبوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ فاطر نے آنکھ کے کنارے سے اس پر ایک سخت نگاہ ڈالی۔ وہ کھانستے ہوئے یوں سیدھی ہوئی جیسے اندھی، بہری، گونگی سب ہو۔

”ہم کسی جانور کا شکار کرے گیں۔“ کماری نے ان کی اطلاعات میں اضافہ کیا۔

”تو کب کرے گیں۔ میری تو بھوک سے جان نکلی جا رہی ہے۔“ ایک قدرے کمزور جان عورت نے دل مسوس کے دہائی دی۔ کماری نے سر اٹھا کر گھر سواروں کو دیکھا اور پھر دوسری سمت کھڑی المیرا کو۔ کچھ سوچنے کے بعد جواب دیا گیا۔

”آج رات کو کرے گیں۔“ اسکے انداز سے پختگی عائد تھی، یوں جیسے اسے رات آنے کا یقین ہی نہ ہو۔

”مگر رات میں تو کچھ نظر ہی نہیں آئے گا؟“ ادوب نے آہستہ سے اضافہ کیا۔

”یہ ہمارا نہیں، اب ان کا مسئلہ ہے۔“ خالی پیٹ کچھ چڑچڑی ہوئی عورتوں نے طنز کیا۔

”تم سب یہاں سے آگے ساحل کے قریب چلے جانا۔ وہاں کہیں چھپ جانا یا کوئی غار ڈھونڈ لینا۔ میں جزیرے کا محاصرہ کر کے سب کو ایک ہی جگہ جمع کرتی ہوں۔“ فاطر اور نجف کو ایک اشارہ سے اترنے کا بولتے دوسرے سے اس نے سب کو چلنے کا کہا۔ ایک تو ناقص صحت اور دوسرا یہ لمبا سفر، وہ تمام تھک چکے تھے یا یوں کہو کٹ پِٹ، مر چکے تھے۔

”اس سے بہتر تو ہماری پرانی دنیا تھی۔“ پاؤں پٹخ کر ساتھی کے کان میں سرگوشی کرتی عورت چلنے لگی۔ یہ دھیمی آواز اتنی مدھم تھی کے باقیوں تک نہ پہنچ سکی۔

www.novelsclubb.com

دوسری طرف گھوڑے پر سوار کماری نے نیچے کھڑے فاطر اور المیرا کو دیکھا۔ دونوں سر اٹھائے شکوہ کنارہ نظر آرہے تھے۔ لاٹھی کے سہارے چلتا نجف آگے بڑھنے لگا۔ پیچھے رہ جانوں میں کماری، المیرا اور فاطر تھے جب اس نے جھک کر پاؤں کے قریب بندھی پوٹلی سے ایک کمان سمیت کچھ تیر نکالے۔

"میں نے اضافی خود کے لیئے رکھے تھے، مگر اب لگتا ہے یہ تمہارے کام زیادہ آئے گیں۔" المیرا کو تھماتے اس نے لگام سنبھالی۔ گھوڑا ہنہنایا۔ المیرا نے بال رومال کی مدد سے پیچھے کیئے ہوئے تھے جب صبیح پیشانی پر تفکر کا جال بنا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" کماری کے سوال پر اس نے لب کاٹتے گردن پر ہاتھ پھیرا۔

"عجیب بات نہیں کہ اتنی بڑی تنظیم سے اب تک ایک معمولی جزیرے پر پچاس لوگ نہیں اکٹھے ہوئے۔" کماری کے زرعے اور ٹوپی پر سے ٹکراتی شمس کی آخری کرنیں اس کو کہانی کا سب سے اہم کردار بنا رہی تھیں۔ جو نہ ہو تو کہانی چلتی جائے، جو آجائے تو کہانی پلٹی جائے۔

"قلعے کے نزدیک کیمرا زہیں مگر جہاں تک میری معلومات ہے باقی جزیرے میں ایسا کچھ موجود نہیں۔" کماری نے کندھے اچکا دیئے۔ "اور تم لوگ قلعے سے بہت دور نکلے ہوئے ہو۔" المیرا کی الجھن اب بھی برقرار تھی۔

"اس کے باوجود بھی۔ وہ بڑے آرام سے ہم سب کو ختم کر سکتے ہیں۔"

"تو کیا ختم نہیں کیا؟" گھڑ سوار نے مداخلت کی۔ "کیا اب تک تم سب پر حملے نہیں ہوئے۔ چوبیس گھنٹے مکمل ہونے سے پہلے ہی تم لوگ بے حال ہو چکے ہو اور کیا گواہی ہے انہوں نے کسی اور کو پکڑا نہ ہو۔ ہو بھی تو سکتا ہے گل یا دبیر دونوں ہی اب تک مر چکے ہوں۔" المیرا کے سانس رکنے کی واضح آواز آئی۔ فاطر اس سارے دورانیہ میں خاموش رہا۔

گھوڑے کو ایک جھٹکا دیتے اس نے پلٹ کر دونوں پر آخری نگاہ ڈالی۔ "اپنا خیال رکھنا۔" اور پھر درختوں میں اوجھل ہو گئی۔

المیرا اب تک ہاتھ میں تیر تھامے اندیشوں اور خطروں کی گھنٹیوں کو قریب سے سن سکتی تھی۔"کہانی میں کچھ نا کچھ تو غائب ہے؟"

★

جزیرے کے اگر ایک کونے میں فاطر المیرا تھے تو دوسرا اگل اور دبیر کی قسمت میں آیا ہوا تھا۔

شام کی نیلاہٹ آسمان میں اتر کر دھوپ کو ختم کر چکی تھی۔اسے کچھ دیر پہلے ہی پیٹ میں مروڑ اٹھتے محسوس ہوئے اور تب اسے یاد آیا اس رازونہاں کے کھیل چکر میں وہ صبح سے خالی پیٹ ہے۔اب پیٹ کو پکڑے وہ سکڑی سمٹی مختصر سی گھاس پر لیٹی تھی۔ذہن ہر اس لذیذ شے کے متعلق سوچ رہا تھا جو اس نے کبھی زندگی میں چکھی تھی جبکہ نگاہیں ڈھلتی چوٹی پر عبیل کی منتظر تھیں۔

بھوک محسوس کرتے وہ خود ہی اٹھی اور اعلان کرتے "میں سمندر سے مچھلی پکڑ کر لاتی ہوں" ڈھلان کی جانب چل پڑی۔ اسے گئے کوئی پندرہ منٹ ہو چکے تھے اور مستقل نیچے سے شڑاپ کی آواز آتی یا عبیل کے بچتانے کی۔ نجانے وہ پتھروں پر کھڑے ہو کر ساحل سمندر سے غذا کیسے لائے گی۔

ایک تو بھوک اور دوسرا دبیر کی اصلیت دونوں ہی نے اس کو حد درجہ بیزار کر دیا۔ سامنے بیٹھا دبیر پچھلے پانچ منٹ سے لکڑیوں کو ہاتھ میں رگڑ کے آگ لگانے کی کوشش کر رہا تھا اور کوشش ہی کر رہا تھا۔ وہ بس آگ زندگیوں میں لگا سکتا ہے..... لکڑیوں پر نہیں۔ خود سے کہتے اس نے چہرہ پھیرا اور آسمان کے بدلتے رنگوں کو دیکھنے لگی۔

"سینڈی کا قتل کس نے کیا تھا؟" اسکے اچانک سوال پر دبیر کی پھرتیلی انگلیاں رک گئیں۔ نظریں اٹھائیں تو سنہری چڑیا والی عورت کو سپاٹ چہرہ لیئے آسمان کو تکتے پایا۔

وہ دوبارہ لکڑیاں سلگانے لگا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

”بھمن نے۔“گل کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوری۔ گردن کے بال کھڑے ہوئے۔چہرہ آہستہ سے پھیرا تو وہاں بےیقینی کے نمایاں آثار تھے۔

”اتنی بری طرح بھمن نے اسے مارا؟“دبیر نے گردن ہلاتے نفی کی۔

”ابھی تو تم نے کہا بھمن نے قتل کیا؟“اس نے گردن ہلاتے ہاں میں اقرار کیا۔ گل آنکھیں پٹپٹاتے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ لمحوں میں اسکے تاثرات بدلے اور اب وہ ساتھ رکھا ایک پتھر اٹھاتے گھٹنوں کے بل کھڑی ہوئی۔

”خدا کی قسم دبیر اب اگر تم نے مکمل بات ایک جملہ میں نہ کہی تو میں تمہارا سر کھول دونگی۔“اس لاش کو کیا فکر ہونی تھی۔باخوشی سر آگے کر دیا۔

گل نے بھی موقع کا فائدہ اٹھایا اور پتھر رکھ کر اس کے کندھے پر دے مارا۔حملہ کر کے فوجیں دوبارہ سابقہ طریقہ سے لیٹ گئیں۔ یقیناً اس ڈھانچے کا کوئی جوڑ تو ہل

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

جل ہی گیا ہوگا۔ہلکا سا کراھتے وہ اب دوبارہ آتشِ سامان سنبھال چکا تھا۔گل نے غصے سے ہنکار بھری اور ہاتھوں میں ہوتی کھجلی روکنے کی پوری کوشش کرنے لگی۔

"سینڈی کا قتل بھمن نے ہی کیا تھا مگر اس قتل کو یوں پیش کرنا یہ ماہِ ملکہ کے کام تھے۔"اس نے پھلایا ہوا منہ بجھایا نہیں البتہ وہ سن ضرور رہی تھی۔ "میں اس وقت سینڈی کے روم کی صفائی کرنے وہاں موجود تھا اور عین آرڈر کے مطابق میں کمرے میں لائے کیمراز ٹٹول رہا تھا جب اندر بھمن داخل ہوا۔میں واشروم میں موجود جگہ کی صفائی کر رہا تھا مگر وہ میری موجودگی سے ناواقف تھے۔" دبیر کی آنکھوں کے سامنے وہ منظریوں بنا جیسے ابھی کل ہی بات ہو۔

بھمن کا کمرے میں آکر سامان کی تلاشی لینا، دبیر کا خاموشی سے غسل خانے میں چھپا رہنا اور سوچنا "کتنا نالائق کان مین ہے"۔ سینڈی کا کمرے میں آجانا، بھمن کو دیکھ کر واویلا کرنا اور ہاتا پائی میں بھمن کا اسے کمرہ میں رکھا بھاری لائٹ بلب دے مارنا۔دروازے کے درز سے دیکھتے دبیر کی آنکھیں بیدار ہو کر پھیل گئیں۔ بھمن

اپنی جان چڑھواتا وہاں سے فوراً بھاگ گیا، سینڈی کی سر کی پشت سے خون بہہ رہا تھا۔ دبیر خاموشی سے نکلا اور ماؤف ذہنی کے عالم میں کمرے کے دروازے کی جانب بڑھا۔

”اور عین اسی وقت مجھے پیغام موصول ہوا کہ اس مری ہوئی عورت کو اکیلا مت چھوڑنا۔اسی لمپ سے اسکو بے حال کرکے کہ خون کے چھینٹے کمرے میں پھیلا دینا۔“ اپنے پہلے بڑے احکام کا حوالہ سناتے اسکا چہرہ ہر جذبے سے خالی تھی۔ دکھ تھا تو نہیں دکھا، خوف تھا تو غائب، خوشی تھی تو وہ بھی اوجھل۔ گل جان چہرہ پھیرے اس عجائب گھر سے بھاگے نایاب شے کو دیکھ کر رہ گئی۔ جس قاتل کو وہ ڈھونڈتے ہوئے دندنا رہی تھی اُس سے دبیر السازار روزِ اول سے واقف تھا اور صرف واقف نہیں عینی گواہ بھی تھا۔

www.novelsclubb.com

"تمہیں وہ سب کرتے خوف نہیں آیا؟" گل کی آواز میں غصہ کے بجائے حیرت تھی۔ دبیر لکڑیاں ہلاتا گیا، جواب نہ دیا۔ شاید اس کا جواب تم خود ہی جان جاؤ جب تم اس کے خون آلود ہاتھوں کو دھوتے واقع کو دہراؤ۔

"انہوں نے ایسا کیوں کیا؟" قدرتی تجسس انسان کو کہاں کہاں لے جاتا ہے۔

"وہ لوگوں کو خائف کرنا چاہتے تھے، بھمن کو دھمکا کر خرید نا چاہتے تھے اور (اس نے آنکھیں گھمائیں) publicity stunt چاہتے تھے۔"

گل نے اب کوئی سوال نہ کیا۔ اس معلومات کو ہضم کرنے کے لیئے خاموشی ضروری تھی۔ وہ آسمان پر آتے تاروں کو گننے لگی۔ چاند اب تک مکمل نظر نہ آیا تھا جب عبیل کی آواز سنائی دی۔

www.novelsclubb.com

"یہ لو۔" گل یک دم اشتیاق سے اٹھی مگر سامنے "من و سلوی" کی شکل دیکھتے اس کی خود کی شکل بجھ گئی۔ ایک درمیانی سائز کی مچھلی عبیل کے گیلے عبا کی سطح پر پھر پھرا رہی تھی۔

"پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا۔ میں یہی پکڑ پائی ہوں۔" اداسی سے کہتے اس نے گل سے نظر چرائی۔ جواباً گل جان نے ممنونیت سے اسکے کندھے پر ہاتھ رکھا جس کے بدلے اسے آگے سے مکمل لاتعلقی ملی۔ گل نے اس جاندار کو دیکھا جو اپنی آخری سانسیں بھر رہا تھا پھر قریب ہی بیٹھے اب تک لکڑیوں سے جھگڑتے دبیر کو۔ گل کا دل کیا اپنا سر پیٹ لے۔

www.novelsclubb.com

"فاطر سر کی طرح باورچی خانے میں کچھ کام کیا ہوتا تو اب تک تم یہ ڈنڈیاں نہ بجا رہے ہوتے۔" تلخی سے طنز کرتے اس نے مچھلی کپڑے میں لپیٹ تھی۔ یہ نہ ہو کوئی پرندہ آکر اچک لے۔

دبیر نے سارا سامان اس کے سامنے پیش کر دیا۔ کچھ پل تو گل ہکا بکا ہوئے اسے دیکھ کر رہ گئی مگر جب بات انا کی آئی تو کف چڑھاتے میدان میں اتر آئی۔

ایک منٹ گزرا اسکے ہاتھ میں لکڑی کا تنا کھبا۔ دو منٹ گزرے اسکے انگلیاں جل اٹھیں۔ تیسرے منٹ میں اس کی بس ہوئی مگر آگ تو گیا چنگاری بھی نہ بنی۔

"سازشوں کے علاوہ باورچی خانے میں کام کیا ہوتا تو اب تم یوں لکڑیاں نہ لڑا رہی ہوتی۔" سپاٹ انداز میں طنز کرتے اس نے لکڑیوں کا سامان سنبھالا۔ مچھلی پکانے کے لیئے ذرا سی آگ ضروری تھی۔ گل کو جب کوئی جواب نہ ملا تو نیا اعتراض اٹھا لیا۔

"ہم خالی مچھلی کیسے کھائے گیں؟"

"تمہارے لیئے ہم زمین کھود کر مسالے نکالتے ہیں۔" گل نے ایک سلگتی ادا سرتا پیر داستانوں والے دبیر پر ڈالی۔

www.novelsclubb.com
NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"تم کیوں کھا رہے ہو ہمارے ساتھ؟ جاؤ نا اب اپنے مالکین کے پاس، کہو نا تمہیں ایک میز پر بٹھا کر منہ میں نوالے ڈالیں۔" گل نے اسے چڑایا۔

"انہوں نے ہی کہا ہے تم لوگوں کا حصہ کھا کر اپنا حصہ مانگنے آؤں۔" جھکے سر کے ساتھ جوابی وار دیا۔

"اب تو زبان بڑی چل رہی ہے ویسے کوئی سوال پوچھ لو تو پیٹرول ختم ہو جاتا ہے۔"

"اس وقت تمہارا حق جو کھانا ہے۔" اسکی بے نیازی گل کو مزید طیش میں لا رہی تھی۔ اس سے پہلے وہ واقعی پتھر مار کر اسکا سر کھولتی عبیل نے آگے آتے دبیر کے ہاتھ سے سامان جھپٹا اور دونوں ہاتھوں میں ایک لکڑی کو دوسرے موٹے تنے پر رکھتے رگڑنے لگی۔

"مجھے اس وقت بھوک لگی ہے۔ تم دونوں نے لڑنا ہے تو شوق سے لڑو۔" تیزی سے سر جھٹکتے اس کے ہاتھ اس سے بھی زیادہ تیزی سے چل رہے تھے۔ جو کام وہ دونوں مردِ مجاہد نہ کر سکے وہ عبیل نے کر لیا۔ جنگاڑی تو کیا پوری آگ لگی تھی۔

★

المیرا اور فاطر کی قیادت سے مشروط وہ گروہ اب کہ سولہ سترہ افراد کے قریب رہ گیا تھا۔ راستے کے دوران انہیں ایک بوکھلایا ہوا مرد جھاڑیوں کی اوٹ میں چھپا ملا۔ کچھ قریب جانے پر وہ مرد گھبرا کر جو باہر نکلا تو ہر آنکھ ساکت رہ گئی۔ جمین کو گود میں لیئے وہ وہی بیزار سا طبیب تھا۔ فاطر پر نظر پڑتے ہی دونوں نے دیوانہ وار آنسو بہانے شروع کر دیئے۔ ایک کندھے سے بچے کو لگائے اور دوسرے پر اس لڑکے کو ٹکائے اسے سمجھ نہ آیا دائیں دیکھیں یا بائیں۔ یقیناً وہ اپنے قافلے سے جدا ہو گیا تھا۔

ان سمیت وہ باقی افراد بھی سفر پر گامزن ہو گئے جبکہ باقی کے لوگ کماری کے ساتھ تھے۔ ”کم افراد ہونگیں تو تم سب کی جان کو خطرہ کم ہو گا۔“ یہ سبق انہیں گھول کر پلاتی وہ ڈھلتے ہوئے سورج کی نشست میں چلتی غائب ہو گئی یہاں تک کہ سورج غروب ہو کر چاند آسمان پر قابض آگیا، کماری نہ لوٹی۔ اس کا لوٹنا یقینی یا اقراری تھا بھی نہیں۔ فلحال ساحل سے کچھ ہی اوپر خارزار چوٹی پر چھپے وہ سب پیٹ پکڑے کھانے کی خواہش برداشت کر رہے تھے۔

”ہم شکار کب کریں گیں؟“ ایک قدرے بے حال عورت نے تقریباً روتے ہوئے دہائی دی۔ المیرا کو اسکی حالت پر ترس سے زیادہ خوف آیا۔ اگر جواب ماہِ ملکہ نے حملہ کر دیا تو یہ مایوس ہوئی آبادی تو زندگی کی تمنا کی خاطر رینگنے گی بھی نہیں۔

”تم نے کہا تھا ہم رات میں شکار کریں گیں۔“ لکڑی کو نیزے کی شکل دیتے مرد نے سختی سے المیرا کو گھورا۔ رومال باندھی عورت گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ وہ

برائے تجویز ایسے پر شور مقام پر بیٹھے تھے جہاں چوٹی سے بہتا پانی نیچے سمندر سے جا ملتا تھا۔

"یہاں پیچھے ہی تو آبشار ہے۔ ٹھنڈا اور صاف پانی ہمیں نصیب ہے۔"

"پانی سے پیاس بجھ سکتی ہے بھوک نہیں۔" ایک دوسری فریاد مگر لہجہ نہایت آزردہ۔

المیرا لب بھینچے پلٹی۔ آبشار کے نزدیک ہی فاطر اسلام بیٹھا اپنے زخم کی پٹی بدل رہا تھا۔ صد شکر وہ ایک گہری خراش سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ اسکے انہماک کو دیکھتے المیرا تپ کر رہ گئی۔ ("سب میرے سر پر ڈال کر چلا گیا ہے، آیا بڑا خیر خواہ۔") کلس کر اسکی پشت پر نظریں گاڑتے وہ ذہن ہی ذہن میں شکوؤں کی پرچی تیار کر چکی تھی۔

نم کپڑا زخم کے گرد لپیٹتے فاطر نے اطمینان سے چہرہ پھیرا اور مدھم لالٹین کی روشنی میں بیٹھی المیرا سٹپٹا گئی۔ یک دم چہرہ پھیر کر اسے ہاتھوں میں چھپاتے اس نے

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

آنکھیں سختی سے میچ لیں۔("اس کوے کو کیسے معلوم ہوا میں اسے ہی دیکھ رہی ہوں۔ کہیں اس کی دو آنکھیں پیچھے بھی تو نہیں۔")وہ سر ڈھکے اب اس لمحے کو کوس رہی تھی جب اس نے دیکھنے کی زحمت کی۔

وہ چہرہ پھیرے مسکراتے ہوئے اس لمحے کو دہرا رہا تھا جب المیرا کے گال جھینپ کر لال ہوئیں۔اسے المیرا کی بہادری عزیز تھی، مگر اس کا جھجک کر شرما جانا عزیزِ جان تھا۔

ماتھے پر آئی گول لٹ کو ہاتھ چلا کر پیچھا کیا تو وہ پھسل کر دوبارہ پیشانی کی ازلی جگہ پر آبیٹھی۔منہ ہاتھ اچھے سے دھو کر وہ جس کام کی مدد سے پانی کے نزدیک آیا تھا اسے انجام دینے کے لیئے اٹھ کھڑا ہوا۔کچھ ہی قدم اٹھائے، اب کے لنگراہٹ کم تھی اور پھر فاصلے پر بیٹھے پانی سے چہرہ دھوتے مرد کی پشت پر رک گیا۔دونوں ہاتھ جلبیبہ کی جیب میں جبکہ نظر مصروف سے نجف پر۔جھک کر اسکا چشمہ اٹھاتے وہ ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

''تم نے میرا شکریہ نہیں ادا کیا۔'' نجف کی پانی سے لبالب ہتھیلیاں بیچ راہ میں ٹھہر گئیں۔ فاطر نے ہاتھ بڑھا کر انہیں کھول دیا۔ ''یخ پانی ہے، زیادہ دیر رکھو گے تو انگلیاں ٹھٹھر جائے گیں۔'' نجف نے نم ہاتھ گریبان سے صاف کیئے اور اپنی عینک کے لیئے ہاتھ ادھر ادھر ماریں۔

''یہ رہیں تمہاری آنکھیں۔'' پتلے گول چشمے اس کے چہرہ کے قریب جھلائے۔ جونہی نجف نے ہاتھ آگے کیا فاطر نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

''پہلے میرے سوالوں کے جواب۔'' سختی سے جبرا بھینچتے نجف نے مٹھیاں گھٹنے پر رکھیں۔

''کیا جاننا ہے؟'' عینک کو ہاتھ میں گھماتے فاطر پیچھے ہوا۔

www.novelsclubb.com

"میرا مکمل نام کب سے جانتے ہو؟" پہلا ہی سوال اور حجتی کے اوسان خطا ہو گئے۔ تھوک نگلتے اس نے لب دانت تلے دبائے۔ اسکی ہچکچاہٹ پورے وجود پر واضح تھی۔

"وہ.......۔"

"جھوٹ کہا تو عینک سیدھا پانی میں جائے گی اور مجھے اچھے سے معلوم تمہیں ان کے بغیر چار ہاتھ سے آگے کا فاصلہ دکھائی نہیں دیتا۔" فاطر اسلام کا لہجہ بے فکری لیئے ہوئے تھا۔ نجف نے ایک خالی نگاہ ڈال کر چہرہ جھکا دیا۔

"میں نے تم سے ایک بات چھپائی۔"

"یہی کے تم اس دنیا کے نہیں ہو؟" نجف کی زمانہ شناس آنکھیں پھیل کر وا ہوئیں۔ گردن اتنی تیزی سے اٹھائی کے باقاعدہ چٹخنے کی آواز آئی۔ وہ بے الفاظ ہو گیا۔

www.novelsclubb.com

"میں نے بھی تم سے ایک بات چھپائی ہے نجف۔" نجف بے قراری سے آگے ہوا۔

"یہی کہ تم بھی اس دنیا سے نہیں ہو؟" فاطر نے سر ہلا کر نفی کی۔

"نہیں میں یہی سے ہوں۔" ادھیڑ عمر آدمی الجھا۔ "سب یہی سے ہیں، ہر ایک شخص۔" نجف کو بات اب تک پلے نہ پڑی۔

"ہم کسی متوازی دنیا میں نہیں ہیں نجف۔ یہ ہماری ہی دنیا ہے ہم سمگل ہو کر یہاں موجود ہیں۔" نجف کو لگا اسکے کانوں میں پانی کا شور ہے، اس نے جو سنا ہے وہ تو ایسی بات تھی جو سو سال میں بھی حق بجانب نہ ہو پائے۔ ہاتھ ہلا کر فاطر کو چٹکی کاٹی تو اس نے سسک کر نجف کا ہاتھ پیچھے کیا۔

"میں اصلی ہی ہوں۔" وہ ابھی بھی آنکھیں پھاڑیں دیکھ رہا تھا۔ ہاتھ پیر باقاعدہ نیلے پڑ چکے تھے۔ حلق اندر تک خشک ہو چکا تھا جبکہ بدن پر الگ ہی رونگھٹے کھڑے

تھے۔ فاطر نے عینک کھولتے اس کی ناک پر ٹکا دی۔ نجف نے دونوں ہاتھ سختی سے اپنے گھٹنے پر مارے۔ حال میں آتے ساتھ ہی وہ سر گراتے آنکھیں جھپکنے لگا۔ فاطر نے کوئی دلاسہ نہ دیا، کوئی ہمدردی نہ جتائی......وہ جواب کا متمنی تھا پھر عہد تلفی کرنا اسکے نزدیک ایسا بڑا جرم نہیں۔

"تو میرا شک درست تھا۔ میں نے جب تمہیں اس دن دربار میں دیکھا تو چہرہ جانا پہچانا لگا۔ کچھ وقت تمہارے ساتھ بتایا تو یاد آ گیا تم کون تھے۔ ابوالسلام ظہور کے بیٹھے فاطر اسلام۔" مصری مرد کی گھنی بھنوئوں کے درمیان پیچیدگی کی لکیر آہستگی سے غائب ہوئی۔ اپنے باپ کے ذکر پر وہ یونہی عاجزی سے سننے لگتا تھا۔

"میں نے تمہیں ٹی وی پر دیکھا تھا۔ وہ شو بھی دیکھا تھا جب تم نے عزیر بن خلد پر قاتلانہ حملہ کیا تھا (کاش حملہ کامیاب ہو جاتا، فاطر دانت کھچاتے بس سوچ کر رہ گیا)۔ میں پچھلے گیارہ سال سے مصر میں ایک پروفیسر کے حوالے سے قیام پزیر ہوں۔" نجف نے چہرہ پھیرتے اسے دیکھا۔ "تمہارے والد سے میری ملاقات

بھی اپنے جامعہ میں ہوئی تھی۔" یہ اعتراف فاطر کی چھٹی حس نے بھی ماخذ نہ کیا ہو گا۔ جھٹ سے آگے ہوتے اسکی مزید جاننے کی چاہ ظاہر تھی۔

"ایک کانفرنس میں ملاقات ہوئی تھی۔ میں ان کا فین تھا تو یوں سمجھ لو ایک فین مومنٹ تھا۔ تمہیں دیکھا تو حیرت ہوئی مگر پھر سوچا ہو سکتا ہے متوازی دنیا میں کوئی تمہارا ہم شکل ہو۔" وہ چپ کر گیا، بہتے پانی کا شور، پسِ منظر سے آتی گپوں کی آوازیں، مچھروں کی بن بناہٹ مزید بلند ہوئی۔

"مگر تمہارے سلوک اور انداز ایک دم اسی فاطر جیسا تھا جس کو میں نے کبھی ٹی وی پر دیکھا ہو۔ میں بارہا اس کو اپنی خوش فہمی کہہ کر جھٹکتا اور خود کو یقین دلواتا کہ نہیں یہ ایک متوازی دنیا ہی ہو گی مگر دل تھا کہ وہ مانتا نہیں، دماغ تو چلو روزِ اول سے انکاری تھا۔ وہ بات بھی میں نے تمہیں اسی نیت سے بتائی تھی۔"

"کس نیت سے؟" فاطر کے بے اختیار سوال پر نجف کی حضن میں ڈوبی آنکھیں پانی کو تکتی رہیں۔

"کہ تم مجھے یہاں سے نکال لو گے۔ ہم میں سے کوئی اتنا بہادر نہیں ہے جتنے تم ہو۔ تم باغی ہو، منحرف ہو، نڈر ہو۔ کسی کے سامنے جھکتے اور سہمتے بھی نہیں ہو۔ میں یہاں سے نکل کر واپس اپنے گھر جانا چاہتا تھا اور وہ صرف تم کر سکتے تھے۔" مرد کا خود پر سے بندھ ٹوٹا۔ اسکا لہجہ اختتام میں نم ہوا۔ چاند کی روشنی میں اسکے چہرے پر پھسل کر آتے آنسو رواں تھے۔ فاطر نے چہرہ پھیر لیا۔

"مجھے یوں نہیں مرنا تھا اور اب تو زیادہ آسانی ہو گئی ہے۔ کوئی اور دنیا ہے ہی نہیں۔" ہنس کر اپنا مذاق اڑایا۔ فاطر نے گردن موڑتے پیچھے موجود سب کو دیکھا۔ جمین کو کندھے سے لگائے بیزار سی بیٹھی المیرا کے قدموں میں جلتا ہوا لالٹین رکھا تھا۔ اسکی نارنجی زرد روشنی عورت کے ہر تاثر کو چھو رہی تھی۔ فاطر کسی عادت کی طرح اس کو دیکھتا گیا۔ المیرا کا چہرہ کسی مصنف کی شاہ کار کہانی تھی۔ ہر اگلے لمحے کوئی دلچسپ اظہار، ہر اک پل پر کوئی نئی ادا۔ وہ تاعمر بھی دیکھتا تو اسے یقین تھا وہ اس کے تاثرات کا ہر پہلو نہ دیکھ پاتا اور یہی اسکی زندگی کا کل خسارہ تھا۔

”تم اس سچائی سے کتنے عرصے سے واقف ہو؟“ نجف نے بیٹھی ہوئی آواز میں سوال کیا۔یوں لگتا تھا وہ میلوں مسافت طے کر کے آیا ہو۔

”کچھ ہی دن پرانی بات ہے۔“اسکی نظروں کا قیام اب بھی المیرا کا چہرہ تھا۔

”اور کس سے معلوم ہوئی تمہیں یہ بات؟“جمین کی کسی حرکت پر المیرا اچانک سے ہنسنے لگی،وہی چھت پھاڑ دل جمعی سے لگایا قہقہہ۔

”میں نے خود جانا ہے۔“فاطر نے بات گول کر دی۔وقت بدل چکا تھا،المیرا کی وہی ہنسی جو ایک زمانے میں زہر مایا برابر تھی اب اسی کو ہی دیکھتے ایک شفاف مسکراہٹ فاطر کے لبوں پر بھی ڈھل گئی۔ہنس کر اپنی دلی کیفیت کو چھپاتے اس نے بمشکل ہی سہی رخ پھیر لیا۔

"کیا وہ جہاز کی مدد سے ہمیں کہیں اور سمگل کر رہے ہیں؟" مسکان پل بھر میں غائب ہوئی، ساری خوش طبعی پر پانی پھر گیا۔ خیالوں میں بنتے خواب چھنا کے سے ٹوٹے۔ وحشت ناک ہوتے نجف کو دیکھا۔

اس بارے میں تو اس نے سوچا ہی نہیں۔ کیا معلوم کماری ان کے ساتھ دھوکہ کر رہی ہو؟ کیا معلوم اس کے باپ کو آخری وقت میں جھوٹ بولنے پر مجبور کیا ہو؟ ان کے پاس تو کوئی ثبوت نہیں کہ جو کماری نے کہا ہے وہ سو فیصد حقیقی ہے؟

فاطر اسلام پر منوں پانی گھڑا اور اس کا وجود اب اندیشوں کی اندھیوں کے گرد قید ہو گیا۔ نجف گہری سانس لیتا وہاں سے اٹھ گیا مگر فاطر تو ہلنے کی سکت سے بھی نابالغ ہو گیا۔ چاند کے جھلمل سائے کو دیکھتے اسکا ذہن اب ہر شک کو رد یا رائج کرنے لگا۔

"میں نے نہایت مشکل سے سب کو راضی کیا ہے ورنہ یہ تو ابھی ہی لالٹین اٹھاتے شکار کو نکلنے لگے تھے۔" اپنی بے خیالی میں وہ المیرا کی موجودگی کا قیاس نہ لگا سکا۔ وہ

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

کچھ ہی دور بیٹھی سنہری صراحی کو پانی سے بھر رہی تھی۔المیرا کی تمام تر توجہ اپنے کام پر تھی جبکہ فاطر اب تک اپنے خیالات میں غرق تھا۔

"ملکہ۔"

"ہونہہ۔" دل سنبھالتے المیرا نے جواباً پوچھا۔فاطر کچھ الجھا سا تھا تو المیرا پہلے ہی چوکنا ہو گئی۔

"کیا کماری بھی ہم سے جھوٹ بول سکتی ہے؟" وہ یوں پوچھ رہا تھا جیسے جواب میں انکار ملا تو ٹوٹ جائے گا۔المیرا اگال کاٹتے اسکے سوال سے نظریں چرا گئی۔

"وہ بھی تو انسان ہے جھوٹ بول سکتی ہے۔"

"تو یعنی وہ جھوٹ بول رہی ہے۔" المیرا نے بھری صراحی واپس کھینچتے ایک تھکی سانس لی۔

www.novelsclubb.com

''جھوٹ نہیں مگر.... وہ کچھ چھپا ضرور رہی ہے۔''تھک کر کہتے اس نے ہاری نگاہیں ملائیں۔ فاطر کا ذہن ہر سوچ سے آزاد ہو گیا۔ وہ اب المیرا کے اداس مگر تشویش آمیز چہرے کو دیکھنے لگا۔

''مثلاً کے ؟''امبر نگاہیں چھوٹی ہوئیں۔

''وہ کتنی دیر سے ہمیں موت سے بچا رہی ہے۔ایسا کیسے ممکن ہے کہ ایک طرف وہ ہماری رکھوالی کرے اور دوسری طرف ماہِ ملکہ کو شک نہ ہو۔''

''تم کہنا چاہتی ہو وہ ان سے وفادار ہے۔''المیرا نے دوسری صراحی اٹھائی۔

''میں کہنا چاہ رہی ہوں کہ وہ کسی سے وفادار نہیں۔''فاطر کی پیشانی سے ہر بل او جھل ہوا۔''وہ صرف اپنا سوچ کر چل رہی ہے اور جہاں سے ہو سکے اپنے لیئے سہولت پیدا کر رہی ہے۔''پانی جتنی تیزی سے برتن میں بھرا بات اتنی ہی جلدی فاطر اسلام کے دماغ کو چڑھی۔المیرا کو تعریفی نظروں سے دیکھتے وہ مسکرایا۔

"اب تو تسلیم کر لو کے میں عقلمند ہوں۔" اترا کر کہتے المیرا نے ایک ناز سے گردن اکڑائی۔

"تم عقل مند ہو ملکہ۔" المیرا کھل اٹھی۔ "مگر ناقابلِ برداشت بھی۔" وہ بجھی پھر الجھی پھر بپھری اور آخر میں آگ بگولہ ہو کر اٹھ گئی۔ فاطر محظوظ ہوتے ہنسنے لگا۔ بازوؤں میں پانی کے برتن اٹھائے وہ اسے ناپسندیدگی سے دیکھ رہی تھی۔

"اگر ناقابلِ برداشت ہوں تو پھر تم وہ شاعری کسی اور کے پاس رکھواؤ۔ میں اس کو موقع ملتے جلا دونگا۔" فاطر کی ہنسی تھم گئی۔ المیرا کڑے تیور لیئے اسے گھور رہی تھی۔ فاطر کو حیرت ہوئی، خوش گوار تھی یا ناگوار المیرا نے غصہ میں غور نہیں کیا۔

"تم نے وہ کتاب پڑھی تھی؟"

"کوشش کی تھی مگر تمہاری لکھائی دنیا کے نادر سائنسدان بھی نہ سمجھ پائیں۔" اب ناگواریت اسکے چہرے کے ہر عکس پر تھی۔ "خدا معاف کرے جتنا برا تم ہاتھوں

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

سے لکھتے ہو اتنا اچھا دبیر پاؤں سے لکھ لے۔" دبیر کے نام پر اسکی ناگواریت میں سکوت آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے جبرا غصہ میں تن گیا۔ وہاں سے پلٹتی المیرا نے اس تبدیلی پر بغور دھیان نہ دیا جبکہ فاطر اس دھوکہ باز کے ذکر پر پیچ تاب کھا گیا۔

"المیرا۔" آگے بڑھتی عورت کے قدم اپنے نام کی پکار پر نہیں جبکہ اس آدمی کی جانب سے اپنے نام کی سُن گوئی پر رکے۔ وہ اسے المیرا کم ہی کہتا تھا اور اس انداز میں تو قطعی نہیں کہتا تھا۔ رومال میں چھپے بالوں والی المیرا پلٹی جہاں اسکے ماتھے پر حیرت کا جال تھا وہیں فاطر کی آنکھیں سخت تھیں۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" فاطر کا صرف لہجہ ہی نہیں مکمل وجود سنجیدگی کی چادر لیئے تھا۔ وہ انکار کرنا چاہتی تھی مگر اس آدمی کا رعب تھا یا عقیدت اسکے قدم خود بخود کھنچے چلے آئے۔ فاطر اسلام کی نگاہیں کہتیں تھی "اگر تم نے خود رک کر میری بات نہ سنی تو میں تمہیں روک کر اپنی بات سناؤنگا"۔

★

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" ہانپنے کے درمیان گل جان کی آواز آئی۔ دبیر کو چاند دیکھنے سے فرصت نہیں تھی مچھر کو گل کا دل ستانے سے فراغت نہ تھی۔

گل کی ہتھیلیاں اب سرخ بوٹی ہو چکی تھیں۔ وہ اندھیرے میں دیکھ نہ سہی محسوس تو کر سکتی تھی۔ ہر اگلے لمحے کوئی مچھر بھنبھناتا ہوا اس پر آبیٹھتا اور وہ شدید بیزاری سے دوچار اسکو پچک دیتی۔

"تم نے اگر چلا کر وہ مچھلی ہضم کروانی ہے تو یونہی بتا دو میں ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر اچھل لیتی ہوں۔ ساتویں دفعہ ایک ہی راستے پر چل کر میری ٹانگیں گل گئیں ہیں۔" ہانپتے ہوئے اور غصے سے بپھرتے ہوئے وہ بیچ راہ میں ہی بیٹھ گئی۔

اب تو اسکی برداشت کی بھی برداشت آزمائی ہو چکی تھی کیونکہ وہ مسلسل ایک ہی راستے کے سات مرتبہ چکر کاٹ چکے تھے۔

اندھیرے میں آگے چلتا دبیر چوکنا نگاہیں اطراف میں ڈالے یوں چلتا رہا جیسے گل ہو یا نہ ہو وہ چلنا نہیں روکے گا۔اسکے مقابلے میں عبیل وہیں خاموشی سے رک گئی۔

اپنی بات کی کوئی قدر نہ محسوس کر کے وہ دوبارہ چلائی۔"ہم تمہارے پیچھے کیوں جائے؟ تمہارا کیا بھروسہ ہمیں دوبارہ قلعہ لے جاؤ۔" دبیر نے سر پیچھے گراتے اپنی گردن مسلی۔

"ہم کہاں جارہے ہیں دبیر؟" گل کے مترادف عبیل کی آواز تھکی ہوئی تھی، یوں جیسے بمشکل کوئی آنسو روکے ہم کلام ہو۔دبیر نے مڑے بنا دونوں عورتوں پر ایک سلگتی نگاہ ڈالی۔گل چہرے پر کچھ مزید نفرت لائی۔

"مجھے تم پر ٹکے کا اعتماد نہیں۔ میرا ہتھیار واپس کرو، میں اور عبیل تمہارے بنا سفر کرے گیں۔" دبیر نے گل کا بڑھا ہاتھ دیکھا اور پھر چغے کے پیچھے چھپایا اس کا چاقو۔ وہ بارہا اس لمحے کو کوس رہی تھی جب اس نے بھروسے کی بنیاد پر اپنا واحد آشنا تا دبیر کے ہاتھوں میں دے ڈالا۔

”تم اپنے راستے جاؤ، ہم اپنے راستے۔“ دبیر نے لباس میں اڑسا چاقو نکالا اور قدم اٹھاتے قریب آیا۔ پاؤں تلے آئے پتوں کی آواز گل کے جانفشار خون میں گھلنے لگی۔

اس نے چاقو گل کے بڑے ہاتھ کی طرف بڑھایا۔ گل جان نے انگلیاں ہلائیں۔ یک دم دبیر نے اوزار موڑا، نوک آگے کی اور اس سے پہلے وہ اسے گل کی ہتھیلی میں آڑپار کرتا عبیل نے دھکیل کر گل کو پیچھے کیا۔ باریک چیخ کی آواز اندھیری رات میں گونجی، یقیناً حیوانات چوکس ہوئے ہونگیں۔

”تمہارا دماغ چل گیا ہے کیا؟“ عبیل چلائی، اسکے سوال میں شہزادیوں والی شان تھی۔ دبیر نے چاقو لباس میں چھپایا۔

”مجھ پر اپنے فریب کا رعب مت جماؤ، شہزادی۔ اس کا ہاتھ سلامت ہے کیونکہ مجھے خون خرابہ نہیں چاہیئے ورنہ اب تک کلائی سے الگ ہو کر کیڑے مکوڑوں کا کھانا بن چکا ہوتا۔“ چغہ درست کرتے وہ یوں چلنے لگا جیسے گل کو عارضی دل کا دورہ

ابھی کسی اور نہ دیا تھا۔ پیچھے بیٹھی ترک لڑکی ہکا بکا رہ گئی۔ یہ دبیر کے کون سے روپ تھے؟ کیا"یہ"دبیر تھا یا پھر"یہی"دبیر تھا۔

"ہم کس بنیاد پر تمہارے ساتھ جائیں۔ گل درست ہے تم ہمیں نقصان پہچانے ہی آئے ہو۔"

"ایک تو تم انسان اور ان کی جذباتیت۔"اس نے اس قدر کراہت سے کہا کے عبیل کو یک دم ہی ندامت ہوئی۔

"جب اپنا منہ کھولتی ہو تو خود کی ہی آواز سے کیا گھن نہیں آتی؟ کبھی اپنے کہے جملے سننا۔ باقیوں سے ہمدردی ہوگی کہ وہ کس قدر مشکل سے تم کو برداشت کرتے ہیں۔"اسکے آدھے کٹے چہرے پر پرانی نفرت تھی۔

"میں نے اگر مارنا ہی ہوتا تو بچاتا کیوں؟ وہیں مرنے کے لیئے کیوں نہ چھوڑ دیتا۔"عبیل کا سہارا لیتے گل جان کھڑی ہوئی۔

"تو یعنی تم ہمیں بچا رہے ہو۔" تلخی سے سوال کرتے ترک لڑکی خود ہی ہنسنے لگی۔ لنگڑا کر چلتے اس نے سہارے چھوڑ دیئے۔ "تم کسی کو بھی نہیں بچاتے مسٹری مین۔ تم اب بھی خود کو ہی پروٹکٹ کر رہے ہو۔" تھوکنے کی کمی تھی ورنہ لہجہ تو ایسا ہی تھا۔

ایک دو ہاتھوں کی بلندی پر کھڑا دبیر اس وقت گل سے بہت بڑا دھکا۔ نوکیلے طرر چشمے کے پار ان ہلکی سمندری آنکھوں میں سرخی مائل سختی تھی۔ اختلافِ توقع وہ مسکرایا، مسکراتے مسکراتے ہنسا، ہنستے ہنستے قہقہہ لگایا اور اس سب میں آنکھیں گاڑی رکھیں۔

www.novelsclubb.com

"مبارک ہو، تم بلاآخر دنیا دیکھ سکتی ہو۔" وہ آگے بڑھ گیا تو گل نے اس کا عبا دبوچا۔

"تم اپنے ساتھیوں سے کیوں بچ رہے ہو۔ ایسا کیا کر دیا تم نے۔" گھڑوں میں چھپی آنکھیں تنبیہی تھی۔ گل نے ہاتھ نہ ہٹایا، دبیر نے جواب نہ دیا مگر آواز آئی۔ گل نے

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

نا سمجھی سے دبیر کو دیکھا۔ آواز دوبارہ آئی۔ تینوں نے سمجھ بوجھ کے ساتھ آواز کی جانب دیکھا۔ دائیں طرف جھاڑیوں سے آتی انسانوں کی آواز۔ عبیل سہم کر گل کے پیچھے چھپی۔ دبیر نے چھڑا ایک ہاتھ میں لیا اور بلی کی چاپ سے چلتے وہ جھاڑیوں کے قریب آیا۔ اندھیرا اتنا تھا کے پیشِ رفت بھی مشکل تھی۔

”کیا ہم مرنے والے ہیں گل؟“ عبیل نے لرزتے ہوئے پوچھا۔

”معلوم نہیں مگر تم کلمہ پڑھ لو۔“ دبیر نے پاؤں زمین پر جمائے۔ اگر دوسری جانب ان کے تعاقب کار ہیں تو یا تو وہ مرے گیں یا یہ مرے گا۔ ہسپانوی نے جھٹ سے جھاریاں ہٹائیں اور اگلے لمحے ایک دلخراش چیخ اسکے لبوں سے آزاد ہوئی۔ وہ مرا تھا۔

پتوں کے پیچھے چھپے شخص نے تاک کر اس کی ناک پر تانبے کا برتن مارا تھا۔ اپنی جیت کا جشن منانے کے لیئے وہ لڑکا اچھلا۔ اسکی نظر گل سے ملی، گل کی اس سے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"یونس تم؟" یونس نامی وہ نوجوان وہیں منجمد ہو گیا اور صرف یونس ہی نہیں اسکے ساتھ موجود چار پانچ مرد بھی یونہی سکتے میں چلے گئے۔ عجیب سی کیفیت تھی.....اسے سمجھ نہ آیا اپنے ساتھیوں کو دیکھنے پر خوش ہو یا ان کے زندہ رہ جانے پر شک کرے۔ دبیر ایک طرف لیٹے اپنی ناک کو پکڑے درد سے سسک رہا تھا۔ اسے نظر انداز کرتے وہاں سب اپنی اپنی حیرت میں غرق تھے۔

★★★★

باب ملکہ

راتوں میں یہ سب سے لمبی رات تھی۔ جگہ جگہ موت سرگوش تھی، کونے کونے بے وفاؤں کے کوچے تھے۔ ایسے میں شاید ہی کوئی خوش نصیب ہو گا جو جی بھر کر سویا ہو۔ بیشتر کا تو حال ایسا تھا کہ ادھر آنکھ جھپکتے ادھر دہل کر کروٹ بدل کر کھول لیتے۔ رات کا آخری پہر اور سورج اپنی حدود میں آنے والا تھا۔ مگر المیرا کو یوں لگا جیسے اگلی روشنی کے لیئے اسے برسوں انتظار کرنا ہو گا، اسکی زندگی کا سورج جو ڈھلا تو اب نکلنا کٹھن تھا۔

آبشار کے بلکل کنارے بیٹھی وہ عورت کئی گھنٹوں سے ایک ہی حالت میں بیٹھی تھی۔ ٹانگیں سینے سے جوڑے، بازوان کے گرد پھیلائے۔ المیرا عنایت محسن دبیر السازار کی اصلیت جان چکی تھی اور اس اصلیت میں یہ اضافہ ہونا کہ دبیر اس کا متوقع قاتل ہو سکتا تھا یہ غیر اضافی ہوتا تو شاید جھٹکا اتنا ولولہ آمیز نہ ہوتا۔

ہلکی نم ہوا اسکے گال اور زلف کو چھوتے ہوئے پھیل جاتی تھی۔ اتری ہوئی شکل اور غمگیں نگاہیں دور ساحل سمندر سے ٹکراتی لہروں کا نظام دیکھنے میں محو تھیں۔

نگاہیں محو تھیں، ذہن خالی تھا۔ فاطر اسلام کے راز میں اب وہ بھی شریک دار تھی۔ راز کا بوجھ بٹ چکا تھا، دلوں کے احوال ایک سے ہو گئے۔

اپنی خام خیالی میں اس نے دور سے ابھرتے قدموں پر دھیان نہ دیا۔ فاطر ٹھنڈی سانس خارج کرتا اس کی سمت ہی چلا آیا۔ کچھ دور ٹھہرتے اس نے ہاتھ میں اٹھایا عبا کھول کر اسکے کندھوں کے گرد پھیلا دیا۔ المیرا نے چونک کر بازو ہٹائے اور سر اٹھایا۔

"جزیرے کے اس علاقہ میں خنکی ہے۔ تم کب سے یونہی بیٹھی ہوں، ٹھنڈ لگ جائے گی۔" کہہ کر وہ ہٹ گیا۔ المیرا کو پہلے تذبذب ہوا، پھر کندھوں پر پھیلے کپڑے کو چھوا اور فکر کے اس احساس پر جاگتے وہ کچھ کچھ سی حال میں آئی۔ تشکر سے فاطر کی پشت دیکھتے اس نے کپڑے میں خود کو اچھے سے سمیٹ لیا۔

''شکریہ۔'' گھٹنوں میں منہ دیتے اس کا لہجہ خالص تھا۔ فاطر جو ٹہنی سے جھولتا لالٹین بند کر رہا تھا ٹھٹک گیا۔ کچھ دیر اس کے چھپے سر کو دیکھا اور پھر شمع بجھا کر ہٹ گیا۔

''تمہارا بھی۔'' وہ اداسی سے مسکرائی۔ شکر گزاری کا یہ اعتراف ایک لمبے سفر سے جڑا تھا۔ سفر مشکل تھا مگر اس کا نتیجہ خوبصورت۔ لباس کے کف موڑتا وہ اس سے کچھ دور ٹانگیں لٹکاتا بیٹھ گیا۔ المیرا دور افق میں پھیلی باسی سیاہی دیکھتی رہی۔

''ہمارے گروہ میں ایک عورت حاملہ ہے۔'' بے لچک انداز میں سنائی خبر نے فاطر کے پاؤں تلے سے ہوا کھینچ لی (زمین تو پہلے ہی نہیں تھی)۔ وہ المیرا کو یوں دیکھنے لگا جیسے کوئی مذاق سنا ہو۔

''اسے غمار نے وبا کا بہانہ بنا کر قید کرنا چاہا مگر وہ بہانے بنا کر بچ گئی۔ کچھ دن پہلے ہی ایک عورت جو ایک حقیقی ڈاکٹر ہے، اس نے بتایا تھا کہ تم شاید حمل سے ہو۔'' المیرا

کی سنجیدگی پر فاطر نے کندھے کے پار سے دیکھا۔ آخر اتنے چہروں میں سے کون ہو گی وہ عورت؟

"اس نے اتنے دنوں سے کچھ صحیح سے نہیں کھایا۔ نجانے کب کچھ برا ہو جائے۔" اس مسئلہ کا فاطر کے پاس بھی کوئی حل نہ تھا۔ کچھ دیر خشک لب پر زبان پھیرنے کے بعد اس نے گال کتری۔

"اگر کماری صبح تک نہ آئی تو ہم خود شکار پر نکلے گیں۔" المیرا نے یک دم اسے دیکھا۔ آنکھوں میں خفگی در آئی۔

"ایسی حالت میں؟ تم پہلے ہی زخمی ہو اب مزید خطروں کے کھلاڑی بننے کی ضرورت نہیں۔"

"ہم تمہارے تیر استعمال کرے گیں۔" المیرا اس کی ڈھٹائی پر مزید تپی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

’’ہم نہیں فاطر صاحب صرف ’’میں‘‘۔ میں کچھ لوگوں کے ساتھ مل کر یہ معاملہ دیکھ لونگی، تم اپنی دوسری ٹانگ سنبھالو۔‘‘ گردن اکڑا کر اس نے اعلان کیا۔

’’تمہارا حکم سر آنکھوں پر ضرور مگر زندگی موت کے معاملے میں نہیں۔‘‘ دبیر کا مسئلہ چھوڑتے وہ دونوں اپنی تو تو میں میں پر اتر آئے۔ ’’تمہاری زندگی خاص ہے ملکہ۔‘‘

’’میری زندگی خاص ہے تو تمہاری کیا sale میں آئی ہے؟‘‘ اسکی آواز اچانک اونچی ہوئی۔ کچھ تین چار آدھے سوتے لوگوں نے الجھ کر اسے دیکھا۔ معذرت خوانہ نظروں سے ہاتھ اٹھاتے اس نے ایک تلخ گھوری فاطر پر ڈالی۔ مصری مرد نے حیران ہوتے ہاتھ یوں اٹھائے جیسے کہہ رہا ہو ’’بی بی لڑ تم رہی ہو، اس میں غلطی میری کیا ہے؟‘‘۔

گھٹنے سینے سے ہٹاتے اب وہ بھی ٹانگیں لٹکاتے بیٹھ گئی۔ بہتے پانی کو انگلیوں سے محسوس کرتے اس نے دل پر پتھر رکھتے سوال کیا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

”میری زندگی اہم کیوں ہے ویسے؟“ وہ نجانے کیا سننے کی خواہاں تھی فاطر نے اچانک ماحول کی تبدیلی پر اسے کن آکھیوں سے دیکھا۔ دل البتہ شور مچا کر سچ کہنے کی تاقید میں تھا۔

”تمہارے پیچھے تمہارے گھر والے ہونگیں، تمہیں کچھ ہو گیا تو کیا یاد نہیں کرے گیں؟“ وہ ہونٹ کا کنارہ اٹھاتے ہنس دی۔ فاطر ٹھٹکا۔

”میرے پیچھے ایسا کوئی نہیں۔ میں مر بھی گئی تو جنازے کو کندھا دینے کے لیئے چار لوگ بھی نہیں ملے گیں۔“ اسکے لہجے میں اداسی تھی یا بچتاوہ وہ جائزے کے باوجود بھی فیصلہ نہ کر سکا۔

”تمہارے پیچھے تو کوئی رونے والا ہو گا ہی؟“ پانی کی تیز لہروں میں ہاتھ دیتے وہ خالی چہرہ لیئے ہوئے تھی۔

www.novelsclubb.com

''شاید۔''آنکھوں کے سامنے جتنے بھی چہرے آئے ردی تھے۔ گردن موڑ کر اس نے وہ چہرہ دیکھا جو اہم تھا۔

''کیا تم روؤں گی میرے پیچھے؟''اس کی آنکھوں میں آس تھی اور دل میں ڈر، اگر جوالمیرا نے اس کے جذبات پر ہنس دیا تو کیا وہ دوبارہ ان کی قدر کر پائے گا۔

''تم پہلے مر گئی تو میں تمہارے پیچھے رولونگا، اور اگر میں مر گیا تم رولینا۔''

''میں رو نہیں سکتی۔''سنجیدہ انداز جو اسے سمجھ نہ آیا۔

''بچپن میں تو روئی ہی ہو گی۔''قدرے عاجز آتے ہوئے کہا۔المیرا نے بلا آخر پانی سے ہاتھ نکالا اور فاطر کو دیکھا۔''میں رو نہیں سکتی کیونکہ میرے پاس رونے کی صلاحیت ہی نہیں۔پیدائش سے ہی میرےtear ducts(آنکھ کا وہ حصہ جہاں سے آنسو باہر آتے ہیں) بند ہے۔علاج کروانے کے باوجود بھی وہ مکمل ٹھیک نہیں ہو سکے۔''فاطر آنکھیں پٹپٹاتے بس دیکھ کر رہ گیا۔اسے لگتا تھا المیرا کی نہ رونے کی

www.novelsclubb.com

وجہ اس کی عزتِ نفس یا حد سے زیادہ انا ہے مگر یہاں تو مسئلہ ہی الگ تھا یا کہا جائے خدا کا تحفہ تھا۔

بنا کوئی اظہار رائے کئے وہ سمندر کی سمت دیکھنے لگا۔المیرا ابھی بھی وہی دور اندیش نظریں اسکے چہرے پر گاڑے تھی۔

"تم نے جواب نہیں دیا۔"

"کس بات کا؟" وہ حقیقتاً لا علم تھا۔

"یہی کے میری زندگی اہم کیوں ہے؟" فاطر لاجواب رہ گیا۔دل ہی دل میں اس وقت کو کوسا جب یہ جملہ اسکی زبان سے ادا ہوا تھا۔

"ہر کسی کی زندگی اہم ہوتی ہے المیرا۔کیسی باتیں کر رہی ہو۔" اپنی طرف سے معاملہ رفع دفع کرنا چاہا مگر آج لگتا تھا اس کے ستارے گردش میں ہیں۔

www.novelsclubb.com

"تو پھر تماری بھی ہوئی۔" فاطر نے بہانہ بنانے کے لیئے دوبارہ منہ کھولا اس سے پہلے المیرا بول پڑی۔ "خود سے بھی ویسی ہی محبت کرو جیسے کسی اور سے کرتے ہو۔" اب کے فاطر جو گھبرا اور ہڑبڑا رہا تھا اس کے چودہ طبق روشن ہوا۔ ماتھے پر سوالات کا جال لیئے اس نے تندہی سے توجیہہ مانگی۔

"میں کس سے محبت کرتا ہوں۔ کیا مطلب ہوا اس بات کا؟" المیرا نے محض کندھے اچکائے۔

"مجھے کیا معلوم کس سے کرتے ہو۔ اکتیس سال کے ہو کسی نا کسی سے تو کرتے ہی ہو گے۔" فاطر نے کوفت سے لب بھینچے۔

"محبت کا عمر سے کیا لینا دینا۔"

"تو یعنی تم واقعی نہیں کرتے۔" اس نے زبان چلائی، جملہ بن کر بھی نہ بن پایا۔ اخضر نگاہوں کا جتاتا تاثر دیکھتے اس پر یک دم ہی اشکار ہوا کے وہ بری طرح گھیرا جا چکا

ہے۔المیرا نے باتوں کے فن سے اسے چاروں شانے چت کر دیئے۔وہ انکار کرے گا تو جھوٹ ہوگا اقرار کرے گا تو مزید سوال ہونگیں۔

''میں اپنے باپ سے محبت کرتا تھا۔''کمزور سی دلیل تھی،اسکا لہجہ ہکلایا اور لرزتی انگلیاں آپس میں پیوست ہوئیں۔

''لیکن تم نے انہیں مرنے دیا۔''

''میں مجبور تھا۔''اس کا جبرا بھنچ گیا۔

''میری موت پر بھی مجبور ہو جانا۔''لاپرواہی برتتے اسے معلوم نہ تھا کے یہ جملہ کسی کے دل میں زہر آلود برچھی کی طرح کھبا ہے۔دل کا ہر حصہ جیسے کام کرنا ہی بھول گیا اور وہ منہ کھولے ہم نشین عورت کو آسودگی سے دیکھ کر رہ گیا۔

''کہنے سے پہلے سوچا کرو المیرا، تمہارے الفاظ کسی کی موت ہو سکتے ہیں۔''وہ مسکرانا بھول کر ساکت ہوگئی۔المیرا جو سننا چاہتی تھی وہ فاطر کی زبان کے بجائے

آنکھیں کہہ رہی تھیں۔ تہ خانے کی سیڑھیوں پر المیرا نے فاطر سے زندگی مانگی تھی آج طلوعِ آفتاب کے اس چوٹی پر وہ المیرا سے اسکی کل حیات کا حلف مانگتا تھا۔

"تم بھی سوچنے کے سوا کبھی کہہ بھی لیا کرو۔ تمہارے الفاظ کسی کو موت سے بچا بھی سکتے ہیں۔" اسکی ہلکی آواز میں مایوسی تھی، شکوہ تھا اور سب سے بڑھ کر خواہشات کا خشک ساحل جو آنکھیں ملائے لہر کا منتظر تھا کہ لہر آئے اور خواہشات بہالے جائے۔ لہر نے چہرہ پھیر لیا، ساحل کے نصیب میں ایک بار پھر ہجر آگیا۔ دونوں نے چہرہ سامنے کر لیا، سورج کی کچی کرنیں، ہلکی ہوائیں، قدرت کی آہٹیں.... یہ آزادی عرصے بعد وصل ہوئی تھی۔

www.novelsclubb.com

"تمہاری ٹانگ کیسی ہے اب؟" فاطر نے زخم کو دیکھنے کی ذحمت بھی نہ کی۔ گہری سانس نتھوں سے آزاد کرتے منہ کھولا۔

"الحمداللہ۔" شکر کا کلمہ المیرا کے دل پر ہی نہیں وجود پر اترا تھا۔ بے اختیار اس کے لب واہوئے اور پھر ازخود تمحید میں ہلے۔ سورج کچھ مزید سطح پر آیا تو اسے فاطر کا

گہرا سانس آزاد کرنے کی آواز آئی، گردن موڑ کر بائیاں رخ دیکھا۔ وہی چہرہ تھا، وہی آواز تھی، وہی آنکھیں تھیں پھر وہ کچھ دنوں میں مقابل سے محبوب کیسے بن گیا تھا؟ نظروں کے ارتکاز پر اس نے المیرا کو ٹوکا نہیں بس سامنے دیکھتے مسکرا دیا۔

"تم نے وہ شاعری کب لکھی تھی؟" سر اٹھا کر اسے دیکھتی ان کے قدموں کے قریب صبح ہو رہی تھی۔

"جب تمہیں قید میں ڈالا تھا۔" اس نے بھی ویسے ہی عامیانہ پن میں جواب دیا۔ المیرا کا سانس کھنچ گیا۔

"تم اسے لکھنے کے دوران روئے تھے؟" آواز دھیمی ہو گئی۔ فاطر نے گردن جھکا لی۔

"سمجھتے ہوئے رو گیا تھا۔" وہ بہت کچھ محسوس کر رہی تھی مگر سب کچھ خالی سا تھا۔

"کیوں؟" سرگوشی۔

"خود سے پہلی بار سچ بولا تھا۔" ممنون اعتراف۔

"کیسا سچ؟" فاطر نے اسے دیکھا اور المیرا نے آنکھیں پڑھ لیں۔

"وہ کتاب تمہاری ہے ملکہ۔ اس کا تنفس تم ہو۔ you're the muse to my poetry (تم میری شاعری کا محور ہیں۔)" اس کے لفظوں میں صدق تھا۔ اس کے لہجے میں قدرے فخر کے علاوہ زیادہ خوشی تھی۔ فاطر کو اپنی تخلیق پر فخر تھا لیکن اس سے زیادہ فاطر کو المیرا کے ہونے پر فخر تھا۔ المیرا کو لگا آواز جزیرے کا کونا کونا تہہ کرتے اسکے دل پر دستک دینے آئی تھی۔ وہ کیا بتاتی اس آواز کے لیئے ہر دروازہ، در، باب، چھوکٹ سب کچھ وا ہے۔ پلکیں ملاتے اس نے بلآخر نگاہیں پھیر لیں۔ وہ اسے یوں دیکھنے کا حق نہیں رکھتی تھی۔ کاش رکھتی ہوتی۔ اس سوچ پر اسکی دنیا دہل گئی۔

"وہ فاطر اسلام کے ساتھ کی خواہش کر رہی تھی۔ صرف ان کچھ دنوں کے لیئے نہیں تا عمر کے لیئے۔ وہ حق چاہتی تھی، وہ حقوق منوانا چاہتی تھی۔" المیرا بے دم

ہو کر اب اس سوچ کی جڑوں کو ڈھونڈنے لگی۔ آخر ایسا کیا ہو گیا تھا جو وہ یکسر بدل رہی تھی۔ اسے تو انہیں حقوق سے نفرت تھی، تا عمران سے دور رہنے کا یقین تھا۔ سر جھکا کر بیٹھی وہ گود میں دھرے خالی ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ فاطر نے اسے بلانے کی نیت سے منہ کھولا۔

"وہ کیا ہے؟" اچانک انہیں اپنے سروں پر سے کسی کی سوئی ہوئی آواز سنائی دی۔ بیک وقت دونوں نے سر اٹھایا تو انہیں کے گروہ کا ایک لڑکا آنکھیں چھوٹی کیئے سمندر کے کنارے دیکھ رہا تھا۔ فاطر المیرا نے وہاں دیکھا۔ کچی روشنی اور کچھ اجالے میں انہیں چار پانچ لوگ دکھائی دیئے۔ مزید غور کیا تو وہاں لوگوں سمیت گھوڑے بھی نظر آئے، کچھ اور آنکھیں چھوٹی کیں تو گھوڑوں کے سامان میں تیر دکھائی دیئے، وہیں اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ المیرا کا منہ کھلا اور فاطر پھرتی سے سیدھا ہوا۔

"بھاگو یہاں سے حملہ آور آ گئے ہیں۔" سب کو نیند سے جگاتے وہ اپنا سامان سمیٹنے لگا۔ المیرا بھی آگے بڑھی اور سوتے ہوئے لوگوں کو جگانے کا بندوبست کیا۔ یک دم ہی خاموش ماحول میں افرا تفری چھا گئی۔

"ہم میں چلنے کی بھی سکت نہیں۔" ایک عورت نے بیٹھتے ہوئے دہائی دی۔

"وہ ہم پر حملہ کر کیوں رہے ہیں؟" ایک اور کا سوال۔

"کماری کہاں ہے؟"

فاطر نے المیرا کو دیکھا اور المیرا نے فاطر کو۔ تیر کی آواز آئی اور دونوں کی دھڑکن رک گئی۔ رکی سانسوں بیچ سست روی سے پیچھے دیکھا۔ آگے کا منظر دیکھ کر ان کا بچا کچا حوصلہ بھی ڈوب گیا۔ کھڑے ہوئے لڑکے کے دماغ سے تیز دھاڑ تیر آر پار ہو کر وہیں دھنس گیا۔ کمر کے بل پورے قد سے گرتے وہ وہیں خون میں مر چکا

www.novelsclubb.com

تھا۔ بیزار لوگوں کی دہائی کی جگہ سناٹا آیا۔ وہ موت کو دیکھنے کے عادی اب تک نہ ہوئے تھے۔

”وہ م... مر... مر... گ....۔“ یہاں اس عورت کی چیخ بلند ہوئی وہاں گھوڑوں کے ٹاپنے کی آواز سنائی دی۔

”اٹھو! بھاگو! مارے جاؤ گے!“ ایک ساتھ وہ سب اٹھے، کچھ گرے، کچھ پانی میں چھلکے، کچھ نے آنسو بہائے اور چیخ پڑے۔ فاطر المیرا سب کو دھکا دیتے شور مچا رہے تھے۔ کوئی گرتا اسے سہارا ملتا۔ کوئی تیز ہوتا تو ساتھ والے کا ہاتھ تھام لیتا۔ وہ بے بس تھے مگر موت سے بھاگ رہے تھے۔

ان کے پیچھے تیر کی بارش ہو رہی تھی۔ المیرا نے بھاگتے ہوئے یونہی گردن پھیری۔ ایک تیر اڑتا ہوا آیا۔ وہ فوراً سے پہلے درخت کی اوٹ میں ہوتے دوسرے راستے پر بھاگنے لگی۔

"بھاگتے رہو! پیچھے رک کر مت دیکھو۔" وہ خود سمیت باقیوں کو بھی ڈھکنے کا کہتا اندھادھن بھاگ رہا تھا۔ ٹانگ پر بندھا کپڑا کھل کر نجانے کن قدموں تلے رل چکا تھا۔ بھاگنے کے بیچ ایک عورت کا پاؤں پھسلا اور وہ منہ کے بل زمین پر گری۔ آگے بھاگتے المیرا اور ادوب رک گئے۔ اٹھانے کی نیت سے آگے آئے تو عورت نے روتے ہوئے پیٹ پکڑ لیا۔

"میں نہیں چل سکتی۔ میں مزید نہیں بھاگ سکتی۔" اس کا ناک اور منہ لہولہان ہو چکا تھا۔

"نہیں اٹھی تو مر جاؤ گی۔" المیرا نے اس کا بازو کھینچا۔ عورت نے روتے ہوئے چھڑوالیا۔

"مجھے یہیں چھوڑ دو۔" گھوڑوں کی آواز قریب آئی۔ دو تیر اڑتے ہوئے ان کے آس پاس درختوں میں لگے۔ المیرا اور ادوب نے اسے بازو پکڑ کر گھسیٹا۔ اس نے شور مچاتے خود کو چھڑوالیا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

درختوں کی دوسری طرف سے تعاقب کاروں کی جھلک دکھائی دی۔ ادوب کا سانس حلق میں پھنسا۔

''المیرا چلیں۔''پسینے سے شرابور ہوتی المیرا کی کہنی تھامتے اس نے وحشت سے کہا۔

''کیا کہہ رہی ہو؟''

''المیرا چلیں ورنہ ہم دونوں مرے گیں۔''اس بار وہ چلائی اور کہنی پکڑنے کے بجائے کھینچی۔المیرا نے سر پھیرا تو اس بار جھلک کے بجائے اسے بھورا عبا پہنے وہ گھر سواروں کا گروہ نظر بھی آیا۔موت کو دیکھتے اس کے قدموں میں خودبخود تیزی آئی۔چار پانچ قدم اٹھاتے اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں التجا کی۔خون سے بھرا چہرہ لیئے وہ عورت مسکرائی، اسکی آنکھوں میں نمی تھی۔المیرا نے دل مارتے، زندگی چن لی اور باقیوں کے ساتھ بھاگی۔

www.novelsclubb.com

وہ جنگل میں اندھا دھند بھاگ رہے تھے۔ کبھی گرتے تو رینگ کر کھڑے ہو جاتے۔ کسی درخت سے ٹکراتے یا کنکر پاؤں میں آتا تو زخمی جسم کو نظر انداز کرتے بس بھاگتے چلے جاتے۔

ان کے پسِ پشت گھوڑوں کی چاپ کے بیچ ایک عورت کی دل دہلا دینے والی چیخ بھی سنائی دی۔ وہ اسے بالوں سے پکڑتے اپنے ساتھ بھگائے لے آ رہے تھے۔ اس منظر کی ہلکی سی جھلک پر ہی المیرا کو خون ہول اٹھا۔ اس سے پہلے وہ کوئی شدید عمل اٹھاتی ادوب نے اس کا بازو دبوچ لیا۔ دوست کی التجائی نظروں پر وہ چپ کر گئی۔

آنکھیں بند کرتے اس نے کان ڈھکے اور تیزی سے فاطر کے شانہ بشانہ آئی۔ دو تیر آئے۔ کچھ چیخ و پکار ہوئی۔ ایک تیر ہوا میں غائب ہو گیا جبکہ دوسرا ایک لڑکی کے پیٹ کو چیر گیا، منہ سے خون کا فوارہ نکلا اور وہیں زمین کے بل گر گئی۔ کسی نے پلٹ کر نہ دیکھا بلکہ قدم تیز کر لیئے۔

یہ کیسا چوہے بلی کا کھیل تھا۔ یہ کیسی زمینی قیامت تھی۔ یہ کون سی انسانیت تھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

گھڑ سواروں کے عمل میں تیزی آئی۔ وہ جس عورت کو باندھی بنائے ہوئے تھے دور کھائی میں جا گری۔ اسکی چیخ لمبا عرصہ تک ان درختوں لے درمیاں زندہ رہنے والی تھی۔

"بھاگنے کے بجائے ہم ہار مان لیتے ہیں۔" ہانپتے ہوئے ایک نوجوان رکا۔ فاطر نے اسے کھڑا کرتے آگے بھگایا۔ اس نے نفرت سے بازو چھڑا لیا۔ ان سب کے قدم سست ہو گئے، دھڑکنیں اب بھی تیز تھیں۔

"ایک دن میں کیا بن گئے ہیں ہم، جانوروں سے بدتر حال ہے ہمارا۔" اس نے سختی سے کہا۔ آواز حلق میں دم توڑ گئی۔

"وہ تمہیں مار دے گیں۔" فاطر نے مستقبل کا ڈر دلایا۔

"تو یوں ہم کون سا زندہ رہے گیں۔" وہ پورے زور سے چلایا۔

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

”وہ تمہیں قلع میں بھی زندہ نہیں چھوڑے گیں۔“فاطر اس سے بھی بلند آواز میں دھاڑا۔

”فاطر بھاگو یہاں سے ورنہ وہ آجائے گیں۔“المیرا کے کہنے کی دیر تھی ان دو سپاہی عورتوں نے سوال کیا۔

”ہم خود کو ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔“المیرا غصہ سے پلٹی۔

”وہ تمہیں جان سے مار دے گیں۔“

”ہر کوئی یہی کہے جا رہا ہے مار دے گیں مار دے گیں، کوئی بتائے تو آخر کیوں مارے گیں۔“بیک وقت کئی آوازیں بلند ہوئیں۔ادوب کا دل بیٹھ رہا تھا، نجف کا سانس پھول رہا تھا۔دشمن قریب آرہے تھے۔

ساتھیوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔المیرا نے نظریں پھیر لیں۔گھوڑے بس کچھ ہی دور تھے۔فاطر نے قدم پیچھے اٹھائے، اسے یاد تھا پانچ حملہ آور تھے۔ایک اور

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

قدم اٹھایا، وہ کل ملا کر دس لوگ تھے۔ اُن کے پاس ہتھیار تھے، اِن کے پاس تو توانائی بھی نہیں تھی۔ فاطر نے گہرے سانس لیتے کن آکھیوں سے دائیں بائیں دیکھا۔ دونوں طرف بلندی پر جاتی چوٹیوں پر درختوں کی پے در پے قطاریں تھیں۔

''ہم ہار مان رہے ہیں۔'' ایک نے فیصلہ سنایا، دو ڈٹ گئے۔ المیرا نے مدد کی نیت سے فاطر کو دیکھا، اس کا ہاتھ اپنے ہتھیاڑ کی جانب تھا۔ المیرا کے ماتھے پر بل آزاد ہوئے۔ اس نے کمر پر کسے کمان کو چھوا۔

''درختوں میں چھپ جاؤ۔'' ایک ساتھ گردنیں مڑیں، سب نے سوال کیا، آنکھوں میں فکر عود تھی، پیشانی پر پسینہ جمود تھا۔

''مگر کیوں؟'' فاطر نے چاقو ہاتھ میں لیا، انگلیاں درست کی۔ پچھلی جنگ کی خون آلود باقیات اس پر خشک تھیں۔ سورج کی کرنیں اسکی نوک پر آٹھہریں۔

"اپنا تیر کمان ان سپاہیوں کو دو۔" المیرا نے لمحہ ضائع کیئے بنا اتار کر ان دونوں کی طرف اچھالا۔ لڑکیوں کے واضح ہاتھ پاؤں پھولے اور ٹانگیں کانپیں۔

"اٹھاؤ اسے!" اسکی آنکھیں دشمن کی راہ دیکھ رہی تھیں۔ آواز پر عزم تھی۔

لڑکیوں نے جھجکتے ہوئے کمان تھام لیا۔ "درختوں میں جتنا دور جا کر چھپ سکتے ہو چھپو۔" وہ سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ فاطر عین درمیان میں رکا اور کسی رہنما کی طرح سب کو دیکھا۔ ہاتھ میں تھاما چاقو اٹھاتے اچھالا۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا ایک دن وہ ہتھیار کھلونے کی طرح سنبھالے گا۔

"تم سب کو مرنا ہی ہے تو کیوں نا ان کے دو تین مار کے مرو۔" داڑھی تلے ہونٹ بھرپور مسکرائے۔ اس نے کماری سے کہا تھا وہ جنگ کرے گا، بس وہ یہ بتانا بھول گیا اس جنگ میں وہ تنہا نہیں ہو گا۔ اسکے چوڑے کندھوں کو دیکھتی المیرا کو سوال کو جواب مل گیا۔ چہرہ، آنکھیں، آواز وہی تھیں مگر بس سامنے والا بزدلی کو نگل گیا تھا۔

www.novelsclubb.com

★

وہ کل مِلا کر پانچ گھڑ سوار تھے، ڈھکے وجود ان کی شناخت کو چھپانے میں کامیاب۔

("ہم مر اس لیئے رہے ہیں کیونکہ مقابلے کے بجائے بھاگ رہے تھے۔")

پانچوں گھڑ سواروں میں سے ایک یقیناً ان کا رہنما تھا۔ تیزی سے گھوڑا دوڑاتے وہ سب سے آگے تھا جب دائیں جانب سے اڑتا ہوا تیر اسکی شہ رگ سے آر پار ہوا۔ گھوڑا آگے بڑھ گیا جبکہ سوار کا بھاری وجود بے دم سا ہو کر پیچھے گر پڑا۔ اسی حملے کے دوران گرتے اسکا سر درخت سے ٹکرایا اور گردن ٹوٹنے کی باقاعدہ آواز کے بیچ گھوڑے کی ہنہناہٹ سنائی دی۔

("اس بار بھاگے گیں نہیں، بقا کے لیئے لڑے گیں۔")

باقی چار گردن گھماتے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ یقیناً انہیں نشانہ باز کے اگلے حملہ کا انتظار تھا اور وار کی سمت سے وہ مکمل انجان۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

(”قلعہ میں رہتے ہوئے ہم مجبور تھے۔ مواقع کم تھے اور علاقہ تنگ۔“)

دائیں طرف گردن اٹھائے وہ اس بات سے لاعلم تھے کے موت دوسرے رخ پر بھی کھڑی ہے۔ سپاہیوں میں سے ایک درخت کی اوٹ سے نکلی اور کماری کے سکھائے سبق کا استعمال کرتے گہری سانس لی۔

(”یہ ہمارا میدان ہے۔ یہاں مواقع بھی ہم بنائے گیں اور مقابلے بھی ہم جیتے گیں۔“)

آنکھ کھولتے اس نے کمان کی رسی آزاد کی اور فوراً سے درخت کے پیچھے ہوئی۔ جسم کے چیرنے کی پکار کے ساتھ بھاری وجود کے ذمین سے جا ملنے کی آواز آئی۔ سپاہی کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا، سانس اتھل پتھل ہونے لگی۔ عجیب بات تو یہ تھی کہ یہ اثرات صدمے نہیں خوشی کے تھے۔

پیچھے بچ جانے والے تینوں میں سے ایک وہیں رہا جبکہ باقی مقابل راستے کو چلے۔ درخت اس قدر ایک سے ایک جڑے تھے کہ گھوڑا لے کر داخل ہونے کی آسانی نہ تھی۔

("ہر بار برائی کی جڑیں اکھاڑنے کے لیئے فرشتے نہیں اترتے کبھی کبھار اسیر کو بھی صید بننا پڑتا ہے۔")

جہاں دونوں آگے آئے وہیں دونوں کے دلوں میں یک مشت تیر اتارے گئے۔ گھوڑے نے سہم کر ٹانگیں فضا میں بلند کیں۔ دو مردہ بے جان وجود پیٹھ کے بل دھول میں ڈھے گئے۔

"یہ ہِل کیوں نہیں رہا۔" دو درخت دور چھپ کر بیٹھی المیرا نے سرگوشی کی۔ اس سے فاصلے پر موجود فاطر آنکھیں چھوٹی کیئے کب سے اس ایک بچ جانے والے حملہ باز کو ہی تاک رہا تھا۔ وہ نہ ہل رہا تھا، نہ پلٹ رہا تھا اور وار تو قطعاً نہیں کر رہا تھا۔ سب چھوڑوں وہ تو سر بھی جھکائے تھا۔

"یہ کہیں سو تو نہیں گیا۔" المیرا کے تجزیہ پر کسی نے جواب نہ دیا۔ فاطر نے نیچے درختوں میں چھپی ایک سپاہی کو انگلیوں کے اشارے سے کمان نیچے کرنے کا کہا۔ سپاہی الجھی مگر تعبداری سے ہاتھ گرا دیا۔ فاطر اپنی کھڑی جگہ چھوڑتے چھپتے چھپاتے کچھ نیچے اترا۔ المیرا دل ہی دل میں دعاؤں کا ورد کرنے لگی۔

سپاہی کے ماتھے پر سے پسینے کی ایک بوند بنتی گال تک آئی۔ اسکی آنکھیں اس ساکت کھڑے مرد کو دیکھ کر جل گئی تھیں۔ "مجھے لگتا ہے وہ مر گیا ہے۔"

"زندہ ہے۔" فاطر کے آہستہ آواز پر اس نے گردن تیزی سے گھمائی۔ مرد کا ذہنی خلفشار اسکے تاثرات تک نہ پہنچ سکا۔

"لیکن وہ کچھ کر نہ۔" اسکا جملہ بیچ زبان میں ہی رہ گیا۔ فاطر نے تیزی سے کمان تیر اسکے ہاتھ سے جھپٹا، یہاں نشانہ لیا وہاں خدا جانے اس آدمی کے کانوں تک وہ ہلکی سی بھنک کیسے پڑی جیب سے چاقو نکالتے اس نے پوری قوت سے فاطر کے رخ پر

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

پھینکا۔ وہ کندھے کے بل گھومتا دوسرے درخت کے پیچھے ہو لیا۔ مرد نہ رکا اور پے در پے تین تیز دھاڑ چھریاں جہاں وہ چھپتا جاتا وہاں اچھالتا رہتا۔

ہر کوئی کانوں پر ہاتھ دھرے سانس روکے ہوئے تھا۔ بنا دیکھے اور بس سنے وہ حملہ آور عین اسکے وجود کا درست نشانہ کیسے لے سکتا تھا۔ گھڑسوار نے پانچواں چاقو نکالا جب دوسری سمت سے آنے والا تیر اسکے حلق میں اپنی ثبت چھوڑتے اسے وہیں نست کر گیا۔ یہ آفتاد ان باقیوں کے لیئے بھی غیر یقینی سی بات تھی۔ گھڑسوار کا مردہ وجود ایک طرف کو لڑکھڑایا اور دھیرے سے زمین بوس ہو گیا۔ دھول مٹی کے مرغولے اڑ کر فضا کا حصہ بن گئے۔

www.novelsclubb.com

★

صبح جزیرے کو گھیر چکی تھی۔ تروتازگی انہیں ضرور محسوس ہوتی اگر ذہن تروتازہ ہوتے۔ بیلوں اور درختوں سے ڈھکے اس راستے پر دبیر السازاران کی قیادت کر رہا تھا۔ عبیل چہرہ لٹکائے آگے اسکے برابر میں، ایک دن میں اس کی ہنستی روح دفن

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

ہو چکی تھی۔ان کے پیچھے کچھ لڑکے تھے جبکہ سب سے آخر میں گل جان کے ساتھ یونس چوکنا اعصاب لیئے راہ گزر تھا۔گل کی چٹیا سے بال نکل کر اطراف میں پھیلے تھے، چہرہ بے رنگ زردی مائل اور ہونٹوں کا رنگ سفید۔اسے پانی کی شدت سے طلب تھی۔

پانی کی ایک چوڑے منہ والی بوتل گل کی طرف بڑھاتے یونس کا سر جھکا رہا۔نیلی آنکھیں حیرت سے سکتے میں ڈوب گئیں،وہ لڑکا سوچ پڑھنا کیسے جانتا تھا۔

''معذرت، حضور۔''اسکی ملال بھری آواز سنائی دی۔

''کس بات کی۔''پانی پینے کے دوران کہا۔

''آپ کے خلاف بغاوت کی تحریک چلانے والا جو میں تھا۔'' شدید پیاس سے بے حال تھی یا اپنے نئی نئی ذہنی بدلاؤ سے وہ یونس کا ماضی کا رویہ یکسر بھولی تھی۔ اگر پہلی والی گل جان یہاں ہوتی تو شکوہ کی لمبی فہرست کھول کر سامنے رکھتی اور

www.novelsclubb.com

کہتی "انگوٹھا رکھ کر مہر لگا دو کیونکہ میں تو کبھی مانوں گی نہیں کہ میرا برابر کا قصور ہے"۔

"تم نے بغاوت کی کیوں؟" چلتے چلتے اس نے سوال کیا۔ اس بات پر یونس کا رنگ واضح اڑا تھا، گل کی چھٹی حس بیدار ہوئی۔

"کسی کا کوئی دباؤ تھا؟" اس بار قدرے بارعب انداز میں کہا۔ وہ تو اب تک ملکہ ہی مانتا ہے نا..... تھوڑا تو مزے لینے دو اس حیثیت کا۔ یونس نے ڈرتے رکتے ہی سہی گردن اوپر نیچے ہلا دی، یعنی یہ اقرار تھا۔

"کس نے ڈالا دباؤ اور کیا کہا؟" آہستہ آواز میں باتیں کرتے ان دونوں کی آواز باقیوں کے کانوں تک جانے سے محفوظ تھی۔

"حبتہ اللہ صاحب نے۔"اس نے نگار کی توقع کی تھی مگر یہاں تو کہانی ہی کچھ اور تھی البتہ گل کے ماتھے پر آئے بل متاثرہ انداز میں غائب ہوئے۔"انہوں نے مجھے بغاوت پر اکسایا تھا۔"

"صرف بغاوت پر؟"اسکے عام لہجے پر لڑکا الجھا۔گل نہ گھبرائی، باعلم لوگ کم ہی گھبراتے ہیں۔

"تمہیں فاطر اسلام کے خلاف بھی کیا حبتہ اللہ نے بھڑکایا تھا۔"کم عمر لڑکے کے نحیف سے چہرے پر آہستہ آہستہ ڈر کا ہر رنگ آیا......یہاں تک کہ وہ قدم روکے پیچھے رہ گیا۔

"آپ کو کیسے معلوم؟"اسکی آواز گہری کھائی سے سنائی دی۔

"حبتہ اللہ نے۔"گل کے پلٹنے پر وہ مزید خوف زدہ ہوا۔"وہ نگار کا آزاد کردہ غلام ہونے کے ساتھ میرا ملازم بھی تھا۔اپنے ہر کیئے عمل کی روداد مجھ تک پہنچاتا تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

تمہیں کیا لگا وہ تمہارا خیر خواہ ہے؟"یونس کے قدم ڈگمگائے۔اسے بلاارادہ درخت کا سہارا لینا پڑا۔اس کے سامنے حقیقتاً ایک ملکہ موجود تھی، جسم سے روح فنا ہوئی۔(گل اپنی ہنسی دباتے دل ہی دل میں اچھل رہی تھی)۔

"وہ دوا جو تمہیں طاقت کا شربت کہہ کر پلائی جاتی تھی در حقیقت نشہ تھا۔"اس نے یونس کی کہنی تھامنا چاہی تو وہ بجلی کی طرح اچھلا۔"نشہ اس لیئے تاکہ تم مدہوش رہو اور زیادہ سوال جواب نہ کر سکو۔"

اب کے اس لڑکے کی آنکھوں میں آنسو کی ایک پتلی لکیر سی نمودار ہوئی۔اسکی حالت کسی نومولود ہارے عاشق سے کم نہ تھی۔اسے ماہِ ملکہ کے اس نظام سے عشق تھا، گل نے تو بس اسکے عشق کا بھوت اتارا تھا۔

"بنا سوچے سمجھے بھروسہ کرنے سے قبل اپنی عقل استعمال کرتے ہیں لڑکے۔مکار یہاں جگہ جگہ تاک لگائے بیٹھے ہیں(دبیر نے اس کے طعنے کو ایک کان سے بھی نہیں سنا)۔"اس بار گل نے یونس کو سہارا دیا تو وہ انکار نہ کر سکا۔کہنی تھام کر اسے

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

آگے بڑھاتی لڑکی اب کے مسکرا رہی تھی۔ یونس کی بے وقوفی پر آئے غصہ کا ازالہ ہو چکا تھا۔

"مگر وہ دوا مجھے حبتہ اللہ نے پینے کو نہیں کہا تھا۔" گل جانتی تھی وہ اگلا نام کیا لے گا بس اسے ستانے کی نیت سے مصنوعی شک کا اظہار کیا۔

"اچھا (چھ فٹ جتنا لمبا اچھا کہا) تو پھر کون تھا؟" گل نے ہنسی دانتوں تلے دبائی۔

"کماری۔" ہنسی، شوخی، شرارت سب دانتوں تلے واقعی دب گئی۔ ساری اداکاری ہوا ہوئی۔ یونس کا چہرہ دیکھتے اسکے ہاتھ کہنی پر ہی جم گئے۔ اسے لگا یہ سارا جنگل اس پر تنگ کر دیا تھا۔ چار سو ایک ہی آواز کی بازگشت تکرار کی مانند سماعت میں گونج رہی تھی۔

"کماری نے کہا تھا وہ دوا لینے کا۔"

★

کچھ دیر وہاں خون کی بو اور جانوروں کی بھنبناہٹ کے سوا نہ کئی دوسری مہک آئی نہ سن گن ہوئی۔ المیرا، فاطر، ادوب، نجف سب کے سب سانس روکے بہتے پسینوں کے بیچ اس منظر کو جذب کرنے لگے۔ انہوں نے حملہ آور پر حملہ کیا اور ان کے پانچوں منجھے گئے شکاری مار دیئے۔ یہ بساط کی کون سی چال تھی جہاں مہرے کھلاڑیوں کو مات دے گئے۔

موت کے اس منظر میں جہاں مختلف جسموں سے نکلتا مایا گھل مل کر دریا کا روپ اختیار کر چکا تھا وہ تمام درختوں کی اوٹ سے باہر نکلے۔ اپنے دل کانوں کے قریب دھڑک رہے تھے، خود کی انگلیاں ایک مقام پر ٹھہرنے میں ناکام۔ دونوں اطراف سے باری باری لوگ نکلے۔ وہ تعداد میں کتنے تھے؟ صرف دس یا گیارہ۔ طاقت میں وہ ان پانچ کے برابر کے نکلے۔

www.novelsclubb.com

"ہم نے.... مار دیا..... کیا ان کو؟" ادوب کی وہمی سرگوشی پر المیرا نے اسکے بازو پر ہاتھ رکھا۔ وہ جانتی تھی پہلے قتل پر مقتول مجرم ہی کیوں نہ ہو قاتل بے یقین ضرور ہوتا ہے۔ مالِ غنیمت کے نتیجے انہیں پانچ گھوڑے نصیب میں ملے۔

"سامان کی تلاشی لو۔" فاطر کے کہنے کی دیر تھے وہ سب گھوڑوں سے لٹکی تھیلیوں میں ہاتھ مارنے لگے۔ فاطر کے قدموں تلے خون کا سمندر تھا۔ اس سے اٹھتی بو مرد کے اندر کی حساسیات کی مشک پر بھاری آئی۔ نہ اسکے سخت چہرے پر پچتاوا تھا اور نہ غرور۔ صاف نمایا تھا اگر حالات نہ ہوتے تو وہ درندگی کی راہ پر کبھی نہ چلتا۔

"ک... ک... ک... کھانا۔" پوٹلی سے برآمد ہوتی شے کو دیکھنے سے پہلے وہ سونگھ کر ہی شکل پہچان گئے تھے۔ ہاتھ میں دھاگوں سے بندھی گوشت کی تھیلی اٹھائے وہ مرد خوشی سے ہکلانے لگا۔ بنا ارد گرد دیکھے سب یک مشت ہو کر باقی مالِ غنیمت پر ٹوٹے۔ اس مرد پر غشی کی کیفیت ایسی تاری ہوئی کہ وہیں کھڑے غذا کو رسیوں سے آزاد کر دیا۔ پانچوں گھوڑوں کے سامان میں یونہی کچھ کچھ کھانے کی چیزیں

تھی۔ میدان جنگ کے جانباز لاشوں پر کھڑے انہیں کے سامان سے ملنے والا کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ بربریت کا یہ ہولناک منظر تھا۔

''یہ پانچوں گھوڑے ہمارے ہیں۔ بطور عطیہ ہمیں ملے ہیں۔''ایک عورت تیزی سے چڑھ کر ان پر بیٹھی۔ ہاتھ میں وہی گوشت کا لوتھڑا جبکہ سواری ٹخنوں تک خون میں شرابور۔ سدھارا ہوا گھوڑا تھا دو تین کاوشوں میں قابو آگیا۔ وہ سب حیوانوں کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ بازو اٹھاتے وہ اپنی جیت کا جشن مناتے بے انتہا خوش تھے۔ فاطر آفسردگی سے سامنے کی تصویر دیکھ کر رہ گیا۔ وہ عام مفلس اور مجبور لوگ لوٹ مار کر ملنے والی بوٹیوں کو کیسے حق کی طرح کھا رہے تھے۔ زمین پر پھیلی لاشوں کو گویا وجود ہی نہ تھا۔

کھانے کی کھینچاتانی میں ایک بند کپڑے میں لپٹا ابلا ہوا گوشت المیرا کی جانب بھی اچھالا گیا۔ نتھوں سے خوشبو ٹکرائی تو اسے پیٹ کی ضرورت کا اندازہ ہوا۔ اس وقت مسالوں کی عدم موجودگی غیر معنی تھی۔

www.novelsclubb.com

"سب کو مل گیا ہے کیا؟" خالی ہاتھ کھڑے سربراہ نے باآواز پوچھا اور اس بار پہلی مرتبہ مریل آوازوں کے بجائے زندہ لوگوں کی ہامی سنائی دی۔

"کچھ باقی بچا یا سب ابھی ٹھونس لیا ہے؟" کلفت سے کہنے پر سب کے بوٹیوں سے بھرے منہ رک گئے۔ آنکھیں پٹپٹاتے انہوں نے فاطر کو یوں دیکھا جیسے "بعد کے لیئے بھی کچھ بچانا تھا؟"۔ سربراہ ان چھوٹی عقل والوں کی حالت پر ترس کھا کر رہ گیا۔ کیا بولے وہ ان کم عقلوں کو۔ گہری سانس خارج کرتے اس نے خود کی بھوک پر سمجھوتہ کرلیا۔

"خیر ہے۔ میں پھر کبھی کھالونگا۔ ویسے بھی ان سب کی حالت کا ذمہ دار کہیں نا کہیں میں ہی ہوں۔ اگر میرا باپ مجبور نہ ہوتا تو میں۔"

"فاطر۔" وہ جو بنا رکے سوچ پر سوچ کا مینار بنا رہا تھا مخملی سی پکار پر ساری وجوہات بھول گیا۔ المیرا عنایت محسن ایک ہاتھ سے آدھا حصہ کھا رہی تھی جبکہ دوسرے

میں کپڑے پر رکھا بقیہ اسکی جانب بڑھائے تھی۔ انداز میں کہیں سے بھی وہ جتاتا رویہ نہ تھا جو المیرا کا علمیہ ہے۔

فاطر کے ہاتھ آہستہ سے پہلو میں گرے۔ ایک نظر اس غذا کو دیکھا اور پھر دوسری المیرا کے بے ریا سے جذبات پر ڈالی۔ عورت نے ہاتھ اٹھاتے جیسے اسے بقیہ قبول کرنے کا کہا۔ انداز گویا فاطر کا حق اسی کو لوٹانے کا تھا۔ وہ لاجواب رہا۔ جھجک سارے وجود پر حاوی آئی۔ جہاں فاطر ان دس لوگوں کی حفاظت کا سوچ رہا تھا وہاں المیرا اکیلی اسکے خیال کے متعلق جتن کر رہی تھی۔ اس کا دل شدت سے چاہا وہ تا عمر اسکے ساتھ یونہی کھڑی خیال کرتی رہے۔

www.novelsclubb.com

''شکریہ۔'' فاطر کے پر تکلف لہجے پر وہ دل کھول کر مسکرائی۔ آنکھوں کے کنارے چھوٹے ہوئے یہاں تک کہ وہ غائب ہو گئیں۔ وہ چند پل کو ٹھہر سا گیا۔ ابھرتی صبح زیادہ خوبصورت تھی یا مسکراہٹ میں چھپتی اسکی آنکھیں، اس فیصلے کے لیئے شاعر کو زندگی بھر کا وقت درکار تھا۔

"ہمیں یہاں سے چلنا چاہیئے۔ کوئی علم نہیں اگلا حملہ دوبارہ کب ہو جائے۔" نجف نے بات کا آغاز کیا۔ فاطر نے تقلید میں سر ہلایا۔

"ہاں! مگر اس سے پہلے سامان کی اچھے سے تلاشی لو۔ کہیں نا کہیں کیمراز بھی ہو سکتے ہیں۔"

درختوں کے ان دوار ہی راستے پر سناٹا چھا گیا۔ سانس لینے تک کی بھی آواز نہ آئی، وہ سب یوں کھڑے تھے جیسے مصری کے الفاظ نے انہیں پتھر کر ڈالا ہو۔ فضا میں سے کچھ چیل گزر کر گئیں تو ان سب کے بت ٹوٹے اور یکبار ہی سب نے باآواز ایک سوال کیا۔

"تمہیں کیمراز کا علم ہے؟" وہ آنکھیں کھولے یوں کھڑے ہوئے جیسے سامنے کوئی عجوبہ تھا۔

www.novelsclubb.com

فاطر نے لب کاٹتے پیشانی انگوٹھے سے مسلی۔ باری باری سب کے سوالیہ نظروں کے بعد آخر میں نجف کو دیکھا جہاں ہونز خاموشی تھی، وہ آدھا باعلم تھا اور پھر المیرا کو دیکھا جس نے بنا اظہار رائے کندھے جھکا دیئے، وہ مکمل واقفیت سے تھی۔

"تم لوگوں کو کیا لگتا ہے، کیمراز کیا ہوتے ہیں؟" ایک پر جوش بچی آگے آئی۔

"جس ملک سے ہم آئے ہیں وہ نہایت جدید ہے وہاں کسی منظر کو قید۔"

"میں بھی اسی ملک سے ہوں۔" فاطر نے اطمینان سے اسکی بات کاٹی، بچی تقریباً بے ہوش ہوتے رکی۔ فاطر اسلام نے دل ہی دل میں خود کو ملامت کیا۔ وہ مزید یہ راز چھپا کر اُن کے سوالوں کا شکار نہیں بن سکتا۔("بقا کی جنگ میں ہر ثالث دوام چاہتا ہے۔")

"میرا تم سے ایک سوال ہے، بلکہ تم سب سے ایک سوال ہے....... کیا تم لوگ واقعی کسی ملک سے ہو یا کسی اور دنیا سے؟" بناڈ سے سب کو سانپ سنگھ گیا۔ کچھ جو

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

گھوڑے پر موجود تھے، کچھ جو زمین پر کھڑے تھے اور ایک دو تو درختوں سے بھی جڑے تھے...... وہ تمام سانس روکے ہمہ تن گوش ہوئے۔

"یہ متوازی دنیا ہے؟" اسی بچی کا سوال آیا۔ رہنما کی مسکراہٹ بے اختیار تھی۔ ان اٹھے لبوں میں وعدہ طور دینے کا قلق تھا۔

"گھوڑوں کی تلاشی لو، میں تم سب کو ایک کہانی سناتا ہوں۔" ان سب کے پاؤں تلے ہلکا سا زلزلہ لا کر وہ المیرا کی طرف پلٹا۔ درخت سے پشت جوڑے عورت کے بازو سینے پر بندھے تھے۔ خشک ہوتے خون کے داغوں کو دیکھتے چہرہ سپاٹ۔ فاطر کا ارتکاز خود پر محسوس کرتے اس نے داغ دار گھاس سے نگاہ اٹھائی اور پلکوں کے سائے تلے روشنیوں کو دیکھا۔

"کیا میں نے درست فیصلہ لیا ہے؟" آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال ہوا۔ وہ اپنے فیصلے پر اسکی تصدیق چاہتا تھا۔ کئی سال المیرا نے بھی اس تصدیق کے نہ ملنے پر اس سے نفرت نبھائی تھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

""معلوم نہیں۔ مگر نتائج جو بھی ہونگے ہم مل کر جھیلے گیں۔"" آنکھوں ہی آنکھوں میں جواب آیا۔ وہ اندر تک مطمئن ہو گیا۔ اس تعلق پر اسے ""مان"" تھا، یہ تعلق کاش رشتہ ہوتا تو مان سے ""غرور"" بن جاتا۔

★

ماضی، پانچ سال قبل

ایک رخصتی محسن حسین اس کی کروا رہے تھے اور ایک رخصتی زاہد محسن اس کی کروا چکا تھا۔ گھر کی دہلیز سے پہلا قدم باہر رکھتے المیرا کو نجانے ایسا کیوں لگا کہ وہ کچھ غلط کرنے جارہی ہے۔

""اب تم بھی سٹیا جاؤ مجھ پر اعتبار کر کے۔"" لہجہ شکستہ اور آنکھوں میں نمی لیئے وہ التجا کر رہا تھا یا شاید بھیگ مانگ رہا تھا۔ جو بھی تھا اس حبس زدہ کمرے میں اسے کچھ دیر کے لیئے سہی سانس لینے میں آسانی ہوئی۔ اگلے ہی لمحے سانس تنگ ہو گیا۔

"تم کیا کرنے والے ہو؟" دھیرے سے کھڑے ہوتے اس نے سخت نظروں سے بھائی کو گھورا۔

"میں نے قیصر سے تمہاری رضامندی کے متعلق بات کی تھی۔بتایااسے بلکہ بہت سمجھایا بھی کے میری بہن اس رشتہ پر راضی نہیں مگر وہ نہیں مانا۔" المیرا کا بس نہیں چل رہا تھا حلق میں ہاتھ ڈال کر ساری کہانی ایک ہی بار نکال لے۔" کہتا ہے اگر انکار کرنا ہی ہے تو اپنی بہن سے کہو ایک مرتبہ مجھ سے مل لے۔ اگر پھر بھی کوئی اختلاف ہوا تو میں خود پیچھے ہٹ جاؤنگا۔" زاہد محسن کا وجود قمقوں کی روشنی تلے کٹھرے میں کھڑے مجرم جیسا لگا۔

www.novelsclubb.com

"وہ اوکاڑہ آرہا ہے؟" المیرا کی آنکھیں جوش سے چمکیں۔ زاہد نے چور نگاہیں ملاتے فوراً پھیر لیں۔

"نہیں ہمیں فیصل آباد جانا ہوگا۔" المیرا کے چھکے چھوٹے اور گیند حدود سے سیدھا باہر کو گئی۔

"ہم اس کو انکار کرنے فیصل آباد جائے گیں؟" پہلے حیرت اور پھر تضحیک۔ زاہد نے اسکے کندھوں پر تحفظ بھری گرفت رکھی۔

"تم یہ شادی کرنا چاہتی ہو؟" وہ فوراً بگڑی۔

"میں یہ شادی تو کیا میں کوئی شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"تو پھر تم میرے ساتھ فیصل آباد چلو۔ خود جا کر اس کے منہ پر انکار کرنا۔" اس کی گرفت حوصلہ دلانے والی تھی۔ "بے فکر ہو جاؤ۔ تمہارا بھائی "آج" تمہارے ساتھ ہے۔" ہر لفظ سختی سے ادا کرتے المیرا کے دل پر جمی سختی موم ہونے لگی۔ یک ٹک دیکھتی مسکارے کی باقیات سے سجی وہ آنکھیں کچھ الجھی تھیں اور کچھ شاداں سی ہوئیں۔

واپس حال میں آؤ، سواری کو چلتے پندرہ منٹ ہو چکے تھے مگر وہ اب تک بے یقین تھی کے واقعی اسے اپنی شادی روکنے میں مدد کرنے والا زاہد محسن تھا، وہ بھائی جس

کو دیکھتے المیرا کہتی تھی اس سے زیادہ غیرت مند تو بڑی بہن ہوتی ہے۔ وہ بھائی جس کو کبھی اس نے بھائی مانا نہیں تھا۔ آخر میں کام آئی بھی تو تالاب کی وہ مچھلی جسے سب نے ایک طرف لگا رکھا تھا۔

''تو یہ واقعی ہو رہا ہے۔'' سیٹ کے اطراف ہاتھ رکھے المیرا بظاہر وہاں ہو کر بھی وہاں نہیں تھی۔ گاڑی چلاتے زاہد نے اسے الجھ کر دیکھا۔

''کیا ہو رہا ہے؟''

''تم مجھے میری شادی رکوانے میں مدد کر رہے ہو۔'' مسکراتے ہوئے اس نے سر اٹھایا۔

زاہد کے چہرے کا سارا رنگ نچڑ گیا، تھوک نگلتے وہ دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ گھر سے گاڑی تک کی اس دشواری میں زاہد اس کا مددگار رہا تھا۔ محسن حسین کو کسی ضروری کام کے سلسلے میں شہر سے باہر بھیجنے کے بعد وہ سیدھا المیرا کے پاس آیا۔

www.novelsclubb.com

''پاسپورٹ، کچھ کپڑے، اہم فائلز سب رکھ لو۔''المیرا نے اسے یوں دیکھا جیسے زاہد کا دماغ چل گیا ہو۔

''ہم وہاں کیا رہنے جارہے ہیں جو کپڑے بھی رکھوں۔انکار منہ پر مارے گیں اور تگڑا سا نان پائے کا ناشتہ کرتے دونوں بہن بھائی ادھر واپس۔''اس نے چٹکیوں میں سارا مسئلہ حل کرلیا۔زاہد اس بھوکی کی عقل پر سر پیٹ کر رہ گیا۔

''اگر ہمارے جاتے ہی پیچھے سے ابا کو علم ہو گیا اور انہوں نے تمہارا سارا سامان ضبط یا خدا نخواستہ پھاڑ دیا تو تم شادی چھوڑو، باہر جانے والی بھی نہیں رہو گی۔''المیرا کچھ دیر تو اسے دیکھتی رہی اور پھر فٹا فٹ بھاگ کر سامان باندھا۔جو دماغ ویسے کم کام کرتا تھا وہ خالی پیٹ بلکل ہی فارغ تھا۔

اسے ضروری سامان بند کرنے کا کہہ کر وہ کمرے کا پہرہ دیتا رہا۔گھر والوں کی نظر میں وہ ایک غیرت مند بھائی بن گیا جو اپنی بے باک بہن پر نظر رکھے ہوا تھا۔المیرا

کی نگاہ میں وہ سینے میں دھڑکتا دل رکھے ایک ہمدرد بھائی بن گیا۔ تھا تو وہ بھی محسن حسین کا ہی خون۔ مواقع پیدا کیئے بنا تھوڑی نہ کام کرتا۔

موٹروے پر چلتی سواری کی طرف آؤ تو اجالا ابھی مکمل چھایا نہیں تھا۔ شیشے سے باہر جھانکتی لڑکی نے سیاہ شلوار قمیض کے اوپر خود کو بھوری چادر سے مکمل ڈھکا تھا۔ ساتھ بیٹھے بھائی کے پسینے چھوٹ رہے تھے اور دھڑکن کا شور نمایا تھا۔ المیرا نے بے دھیانی میں چہرہ پھیرا اور پھر وہ سوال پوچھ ہی لیا جو اسے کب سے سوئی کی طرح چبھ رہا تھا۔

"ہم گاڑی کے بجائے اس سوزوکی ٹرک میں کیوں جا رہے ہیں۔" اس کی ناک کو گوارا نہیں تھا اپنے کبھی نہ ہونے والے شوہر سے پہلی اور آخری ملاقات میں وہ ایک تھکے سے زنگ آلود ٹرک سے اترے۔ زاہد نے ایک نظر شیشے کی مدد سے سوزوگی کی کھلے سر والی پشت پر ڈالی۔ المیرا کے ایک سفری بیگ کے علاوہ وہاں نیلی چادر سے کچھ سامان بھی ڈھکا تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

''اس ٹرک میں تو ہم پکڑے بھی جا سکتے ہیں۔''مہرانی المیرا عنایت محسن نے ایک اور شکایت کی۔

''ازمینہ کا کچھ سامان ہمارے گھر آنا ہے۔ راستے میں وہ بھی اٹھا لے گیں تبھی یہ ٹرک لایا ہوں اور دوسری بات......اگر ابا کو بھیجنا تھا تو کیا انہیں یہ سواری دے کر بھیج دیتا۔''اس نے کندھے کے پار دیکھا۔''وہ تمہارے ہی باپ ہیں۔ ان کے نخرے بھی تمہارے نخروں کے باپ ہیں۔''

المیرا بس آنکھیں گھما کر رہ گئی۔ اس وقت وہ اپنے محسن کو ناراض کرنے کا خطرہ نہیں مول سکتی تھی۔ کچھ دیر لبوں پر مٹھی رکھے وہ باہر دیکھتی رہی۔ کچھ یاد آیا اور کیونکہ خاموش بیٹھنا گناہ تھا اس نے کہنے کی خاطر منہ پھیرا اور تبھی بند بھی کر لیا۔ زاہد باقاعدہ لرز رہا تھا۔ المیرا کی آنکھیں مایوسی سے خود بخود چھوٹی ہوئیں۔

''جب بغاوت چن لیں تو پھر گھبراہٹ کا گلہ گھونٹ دیتے ہیں۔''المیرا نے بڑے بھائی کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ کرنٹ کھا کر اچھلا۔ بہن ہکا بکا رہ گئی۔(''میں بجلی

تو نہیں چھوڑنے لگی؟" اسے اپنی صلاحیتوں پر شک ہوا۔) زاہد کی سانولی پیشانی پر چمکتا پسینہ گاڑی کی بتی تلے چمکا۔

"اگر تم نے ڈرنا ہے تو مجھے یہی اتار دو۔ میں ٹرین پر بیٹھ کر فیصل آباد چلی جاؤنگی۔"

"میں ڈر نہیں رہا۔" کہتے سیاہ قمیض کا اوپری بٹن کھولا۔ المیرا نے بے اختیار آتی ہنسی کا گلہ نہ گھونٹا۔

"تمہیں پتہ ہے زاہد۔ اس وقت تم پر ایک کہاوت درست بیٹھتی ہے۔" زاہد نے گاڑی کے پچھلے شیشے کو دیکھتے سوال کیا۔

www.novelsclubb.com

"کونسی؟"

"وقت پڑنے پر گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے۔" زاہد نے بنا مڑے کندھے کے پار سے اسے دیکھا۔ اس کے بیزار تاثرات پر المیرا کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"میں تمہارا باپ ہوتا تو اب تک نیلا تھوتھا کھا کر مر چکا ہوتا۔" اس کے غیر متوقع جلے کٹے جواب پر المیرا بے اختیار ہنستی چلی گئی۔ جلتے کڑتے بھائی نے سر جھٹکا۔

"آج پہلی بار تم محسن حسین کی اولاد لگے ہو ورنہ مجھے تو ہمیشہ سے لگتا تھا تمہیں ملازمت کے لیئے گود لے رکھا ہے۔"

"میں تم باقی تینوں کی طرح لوگوں کی زندگیوں میں زہر جو نہیں گھولتا۔" منہ چڑھا کر کہا۔ المیرا نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر چپت ماری۔ اسے پہلی بار اپنے کسی ماں جائے پر رشک آیا تھا۔

"تم تو اللہ میاں کی گائے ہو۔" اس نے جتایا۔

"اور تم ابلیس کا ڈائناسور۔" آج تو بڑے بھائی کے رنگ ڈھنگ ہی نرالے تھے۔ المیرا ہنستی چلی جاتی۔ کچھ دیر سفر خاموشی سے کٹا مگر عادت سے مجبور المیرا سے خاموش بیٹھا نہ گیا۔

www.novelsclubb.com
NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"تمہیں ازمینہ کیسی لگتی ہے؟"زاہد جو پانی پی رہا تھا بے اختیار کھانستے ہوئے منہ سے باہر آیا۔المیرا کا منہ اسکے چہرے پر آتی سرخی کو دیکھتے کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"میں منگنی کے بعد سے اب تک نہیں ملا۔"قدرے سنبھل کر بولا۔

"لیکن میں نے تو یہ سوال نہیں کیا۔میں نے تو پوچھا ہے کہ تمہیں میری ہونے والی بھابی کیسی لگتی ہے۔"زاہد نے جھینپ کر چہرہ پھیرا۔المیرا کا تجسس گہرا ہوا۔

"تمہارا چہرہ کہتا ہے معملات دل تک پہنچ چکے ہیں۔"اب کی بار ہونے والے دلہے نے چہرہ گھمایا اور اسے دہشت ناک گھوری سے نوازا۔المیرا نے نا سمجھی سے کندھے اٹھائے۔

"شریف گھرانے کی لڑکیاں بڑے بھائیوں سے ایسے سوال نہیں کرتیں۔"سمجھانے کی کوشش کی۔

''شکر ہے کہ ہمارا خاندان جدی پشتی کمینہ ہے۔'' ہاتھ اٹھاتے اس نے باقاعدہ رب کا شکر ادا کیا۔

''شریف ہو یا ذلیل، ہوتا تو گھرانہ ہی ہے۔ خون کے رشتوں کی ڈور جتنی کمزور کیوں نہ ہو وہ ڈور کبھی ٹوٹتی نہیں ہے۔'' فضا میں سانس لیتی شادمانی اور ماحول کی بے پرواہی جیسے کانچ کی آواز سے ٹوٹی۔ غمگیں ہوتے وہ المیرا کو شک میں ڈال گیا۔

''تم ایسے کیوں کہہ رہے ہو جیسے میں دور جانے والی ہوں؟'' بہن کی اندر تک اترتی عقابی نظروں پر وہ سٹپٹایا۔ باقاعدہ ہاتھوں سے سٹیرینگ نکلتے ہوئے بچا۔

''کیا مطلب اگر انکار ہو جاتا ہے تو تم نے ڈگری پوری کرنے واپس نہیں جانا؟ ظاہر ہے بھئی باہر جانا، پڑھنا۔ کچھ بننا، کمانا۔ ہم سے دور تو تم ہو جاؤ گی۔'' زاہد نے ایک مصالحت بھری نگاہ ساتھ بیٹھی لڑکی پر ڈالی۔ المیرا ایک دم جیسے بجھ سی گئی۔ شاید وہ اپنے منفی خیالات کو سلائے ہوئے تھی یا نظرانداز کر رہی تھی، جو بھی تھا بہن کی

خوشی کو آلودہ ہوتا دیکھتے زاہد کو بلکل اچھا نہ لگا۔ آنکھوں میں نرمی آئی اور ہاتھ بڑھاتے شفقت سے بہن کے سر پر رکھا۔

''اگر تم ہم سب سے دور بھی چلی گئی تو ہمارا رشتہ کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ تم بس...... (وہ رکا اور پھر بے بسی سے بولا) کبھی جینا مت چھوڑنا المیرا۔(المیرا اس کے انداز پر چونک گئی) میں ہمیشہ دعا کرونگا کہ تمہیں بالکل ویسا گھر ملے جیسا تم چاہتی ہو۔'' قدرے زور دیتے اس کے انداز میں تحفظ تھا۔

''بس! صرف یہ دعا کروگے؟'' اکیس سالہ لڑکی کے لہجہ میں سناٹا تھا۔

''نہیں (پھر اسکی طرف جھکا آنکھیں سڑک پر مرکوز رکھیں) یہ بھی دعا کرونگا تمہیں کوئی ایسا ملے جو تمہارے ذکر پر ہی شرما جائے۔'' المیرا عنایت محسن کچھ دیر تو بے یقین رہی اور پھر اچانک سنائی دینے والی کھلکھلاہٹ نے فضا کو دوبارہ خوش گوار بنا دیا۔ وہ اپنے بھائی کے بدلتے رنگوں سے محظوظ ہو رہی تھی، چڑنے کے بجائے وہ

الٹا چڑا رہا تھا۔ سیدھا ہو کر اپنی نشست پر بیٹھتے وہ باہر دیکھنے لگی۔ چادر کے حالے میں دکھتے چہرے کے زخموں پر دوا موجود تھی۔

''کسی کو پسند کرتی ہو کیا؟'' زاہد سامنے دیکھتا رہا۔

''شادی سے انکار کرنے کی ہمیشہ ایک یہی گھسی پٹی وجہ نہیں ہوتی۔'' کھڑکی سے جھانکتے سورج کی پہلی کرن کو بکھرتا دیکھتے اس کی آواز میں تنفر در آیا۔

''تو تم پھر مجھے اپنی غیر گھسی پٹی وجہ بتا دو؟'' سورج کی روشنی شیشے پر آ کر ٹھہر گئی۔ سبز بھوری نگاہیں سحر زدہ ہوئیں۔

''میرا دم گھٹتا ہے اس تعلق کے ذکر سے۔ میں تا عمر خود کو ایک جگہ، ایک راستے، ایک سے انسانوں کے ساتھ تصور نہیں کر سکتی۔ مجھے بدلاؤ پسند ہے۔ یہ توازن یا ایک مقام پر stuck ہو جانا اس سے،..... اس سے یوں لگتا ہے کسی نے میرے پر کاٹ کر مجھے کسی پنجرے میں قید کر دیا ہو اور ابھی تو میں نے صحیح سے اڑنا بھی

شروع نہیں کیا، تم لوگ چاہتے ہو میں جینے کے لیئے رینگنا شروع کر دوں۔" اسکی بات سمجھتے زاہد نے مصلحتاً بڑے بھائی کے انداز میں ہاتھ اٹھائے۔

"تم ابا سے اتنا ڈرتے کیوں ہو؟" المیرا کے بے اختیار سوال پر اس کے کھلے لب بند ہوئے۔ دوسری طرف سے اچانک ہو جانے والی خاموشی پر المیرا نے کندھے کے پار جھانکا۔ تھکی ہوئی سانس خارج کرتے اس نے گاڑی پل پر چڑھائی۔ وہ جانتا تھا اب یہ جواب سنے بغیر نظر نہیں پھیرے گی۔

"کیا کل شام والے واقعے کے بعد بھی اس سوال کی ضرورت بچتی ہے؟" المیرا نے تیزی سے گردن اقرار میں ہلائی۔ زاہد نے بے چینی سے آنکھیں چھپکائیں۔ سیمنٹ کے پل پر چلتی ان کی گاڑی صبح کی پھوٹی کچی لو میں جھلملا رہی تھی۔ اکیس سالہ بہن کی نگاہ شیشے سے دکھتی ٹرک کی پچھلی نشست پر گئی۔ نیلے کپڑوں میں رکھا "ضرور سامان" اب تک وہیں موجود تھا۔

"تمہیں لگتا ہے نیرہ بی کے جادو کی وجہ سے امی فوت ہوئیں تھی؟" زاہد نے اسکی توجہ سامان سے ہٹائی۔

"یعنی تم مانتے ہو نیرہ جادو کرواتی ہے؟" زاہد نے تھک ہار کر گھٹنے ٹیک دیئے۔ سر ہاں میں ہلاتے وہ جانتا نہیں اس کے جواب نے المیرا کو کس قدر خوشی بخشی ہے۔

"مگر امی کی موت ان کے جادو سے نہیں۔"

"بلکہ ابا کے رویہ سے ہوئی ہے۔" زاہد نے بجلی کی رفتار سے گردن پھیری۔

"تمہیں معلوم تھا؟" فخریہ انداز میں سینے پر بازو باندھے۔ "نیرہ نے بتایا تھا کے میری ماں کی موت باپ کی بے رخی سے ہوئی تھی۔ مجھے ان عورتوں پر حیرت ہوتی ہے جو بس اس ڈر سے کے مرد کا ساتھ نہ چھوٹ جائے ایک ایسی جہنم میں پستی رہتی ہیں جہاں نہ ان کی عزت ہو، نہ قدر اور نہ ہی ضرورت۔"

"وہ عورتیں مجبور ہوتیں ہیں میرو۔" المیرا نے تلخی سے گردن پھیری۔

www.novelsclubb.com

"مجبور ہوتی ہیں مردہ نہیں۔"زاہد کی گرفت سٹیرنگ پر کمزور ہوئی۔"کیوں اپنی عزتِ نفس کو اپنے قدموں تلے روندتی ہیں؟کیوں خود کی گردنوں میں مجبوری کے نام پر پھنداڈ ھلوالیتی ہیں۔پھانسی گھاٹ پرٹنگے وجود کو لٹکاتا وہ جلاد ضرور ہے مگر زاہد،اس کا ماس نوچنے کے لیئے ہر جانور تاک میں رہتا ہے۔وہ یہ کیوں نہیں سوچتیں وہ جانور معاشرے میں جگہ جگہ ہیں۔اگرگھر کا مرد ہی عزت نہیں کرے گا تو باقی کیا خاک کرے گیں۔"اسکے بہن کے لہجے سے جھلکتی نفرت اور آنکھوں میں دکھتے غضب نے اسکو ہلا کر رکھ دیا تھا۔المیرا ابھی بھی چہرہ پھیرے باہر دیکھ رہی تھی البتہ پہلے کی طرح سحر زدہ نہیں بلکہ قہر زدہ ہوئے۔گلہ کھنکار کر اس نے ماحول کا منفی اثر زائل کرنا چاہا۔

"یہ بات تم ان عورتوں کے لیئے بولو جو کسی بھی مرد کے پیچھے چل پڑتی ہیں۔"

"اگر گھر کا مرد عزت اور تحفظ نہ دے تو اس میں اور باہر والے میں کیا فرق؟"

غصہ سے کانپتے اسکی آواز بلند ہوئی۔ زاہد کو سمجھ نہ آیا گاڑی پر دھیان دے یا ساتھ بیٹھے دھواں نکالتے انجن کو دیکھے۔

"گھر کا مرد کم از کم چار دیواری میں تو رکھتا ہے۔"

"چار دیواری کے اندر بھی اگر کانٹے ہو نگیں تو اس چار دیواری کی سرحد اور سکون میں کیا فرق؟" گاڑی چلاتے آدمی کے لب کھلے اور پھر سانس اندر باہر لے کر بند ہو گئے۔

"سر پر چھت ہو تو سڑک کی سختیاں آسان لگتی ہیں۔" ٹول پلازہ سے نکلتے مرد نے سنجیدگی سے کہا۔

www.novelsclubb.com

”جس نے چھت تلے ہی سڑک کی سختی دیکھی لی وہ کیا سمندر میں تمبو لگائے؟“ جتاتی آئبر و اٹھاتے وہ اپنے بھائی کو ایک مرتبہ مزید لاجواب کر گئی تھی۔ بنا کچھ کہے وہ گاڑی چلاتا گیا البتہ جبڑا سختی سے بھینچا تھا۔

”مجرم مجبوری میں جرم کرے تو وہ دنیا کی نظر میں مجرم ہی ہوتا ہے مجبور نہیں۔ بے بس بھی اگر اپنے لیئے راستہ بنانے کی کوشش نہ کرے تو وہ بے وقوف ہوتا ہے بے بس نہیں۔ مشکل سے نکلنے کے لیئے راستہ ہر شخص کے پاس ہوتا ہے زاہد صاحب بس وہ مواقع پیدا کرنے کے بجائے ماتم کرنا زیادہ پسند کرتا ہے۔“ زاہد کے سختی سے جڑے ہونٹ آہستہ سے آزاد ہوئے۔ داد وصولی والے انداز میں سر ہلاتے المیرا نے اسکا ترچھا رخ دیکھا۔

”تو یعنی یہ وجہ ہے تمہاری شادی نہ کرنے کی۔ تمہیں مرد ذات سے الجھن ہے۔“ وہ اپنے اندازے پر محظوظ ہوا۔

www.novelsclubb.com

"مرد ذات سے نہیں ان کے روپ میں چھپے بھیڑیوں اور میمنوں سے الجھن ہے۔" زاہد نے تعریفی آئبرو اچکائے۔

"تو پھر اصل مرد کہاں دیکھا ہے عنایت صاحبہ نے؟" المیرا نے دونوں ہاتھ پھیلاتے ساتھ بیٹھے آدمی کی طرف اشارہ کیا یوں جیسے نیلامی میں سب سے نایاب ہیرے کی پیشکش ہو۔ زاہد کی مسکراہٹ اگلے ہی پل غائب ہوئی۔ رنگت پل بھر میں زرد ہوئی۔

"تم ہو نا اصل مرد۔" نایاب ہیرے کو یک دم اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ المیرا اس کی کیفیت سے بے نیاز بولتی گئی۔ "میں تا عمر ہر کسی کو تمہارے متعلق بتاؤں گی اور کہوں گی...... اگر اس وقت میرا بھائی میرے ساتھ نہ ہوتا تو آج میں یہاں نہ ہوتی۔" گاڑی کا شیشہ نیچے کرتے زاہد محسن نے تازہ ہوا آنے دی۔ سانس اب تک گھٹ رہا تھا مگر وہ لڑکی اپنی ہی بے نیازی میں بولتی رہی۔

www.novelsclubb.com

”ویسے تمہیں بیٹی چاہیئے یا بیٹا؟“ حلق رگڑتے وہ دائیں ہاتھ والے شیشے سے پچھلی گاڑی دیکھ رہا تھا۔ المیرا معصومیت سے آنکھیں بند رکھے صبح کی تازگی سے لطف اندوز ہوئی۔ اپنے ملک کی ہوا ہی الگ ہوتی ہے۔

”تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“ سنبھلتے ہوئے اس نے نم پیشانی صاف کی۔

”یونہی۔ تمہارے ہونے والے بچوں کی اکلوتی پھوپھو ہونگی۔ ویسے اگر میں ملک سے باہر ہوئی نا تو تم ان کو میرے بارے میں بتانا ضرور۔“ زاہد نے کھانستے ہوئے خشک حلق صاف کیا۔

”بتاؤنگا کہ تمہاری ایک پھوپھو تھی۔ ابلیس کی منسٹری کرتی تھی۔ اسی نے اپنے پاس بلا لیا۔“ المیرا جواب پر کچھ حیرت زدہ سی ہوتے مسرور ہوئی۔

”تمہاری اگر بیٹی ہوئی نا زاہد تو اسے خود کی عزت کرنا سکھانا۔“ جھک کر سنجیدگی سے کہتے وہ واقعی اس کے مستقبل کے بچوں کے لیئے پر فکر تھی۔

''اور اگر بیٹا ہو گیا تو؟''

''تو اسے دوسروں کی عزت کرنا سکھانا۔''ندامت سے بھرپور سانولہ چہرہ مسکرایا۔

''المیرا زندگی گزارنے کے طور طریقے مرد اور عورت کے لیئے ایک سے ہیں۔ میں اپنے بچوں میں تفرق کی روایت کو آگے چلانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ اگر میری بیٹیاں اپنی عزت کرنا سیکھیں گیں تو میرے بیٹوں کو بھی میں پہلا سبق وہیں پڑھاؤں گا اور جب میرے بیٹے یہ جانے گیں دوسروں کی عزت کیسے کرتے ہیں تو وہیں اسباق میں اپنی بیٹیوں کو بھی پڑھاؤں گا۔''المیرا کچھ دیر منہ کھولے اسے دیکھتی رہی۔ زاہد کو لگا وہ کچھ زیادہ بول گیا ہے۔ اس سے پہلے کے وہ پچھتاتا المیرا نے دونوں ہاتھ اٹھاتے آہستہ سے تالی بجائی۔ بہن کی تعریفی نظروں پر وہ مسکراتا ہوا باہر دیکھنے لگا۔

''کیا آدمی ہیں آپ زاہد محسن صاحب۔ آپ کی باتوں سے تو میری آنکھیں بھر آئیں۔ سوچ رہی ہوں جب کبھی شادی کی جھک ماروں گی تو اس بے چارے کو تم

سے ضرور ملوائنگی۔‘‘ زاہد نے اسے دوبارہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ’’شریف گھر کی لڑکیاں ایسی باتیں نہیں کرتیں‘‘ کہا۔

’’اچھا اچھا میں تمہارا اکلوتا بہنوئی بھی کسی مافیا کے خاندان سے دیکھ لونگی۔ اب خوش؟ نہیں کرتی میں خاندانی کمینگی میں شرافت کی ملاوٹ۔‘‘ سر پیٹتے اس نے ہار مان لی۔ المیرا ہنسی اور پھر کافی دیر تک ہنستی چلی گئی۔ ہونے والے دلہا کے لب بھی خود ہی مسکراہٹ میں ڈھلے۔

گاڑی پر صبح کی تمازت روشنیاں سی بکھیرنے لگی۔ لاہور کے نیلے رنگ کا بورڈ آیا اور وہ لاہور شہر کی سرحد میں داخل ہوئے۔ المیرا ترنت سیدھی ہو کر بیٹھی۔

’’یہ ہم لاہور کیوں جا رہے ہیں؟‘‘ تھا نے درانیوں والا انداز۔

’’ازمینہ کا سامان لاہور میں بنا ہے۔ وہ اٹھا کر ہم فیصل آباد جائے گیں واپس آتے وقت ہمیں دیر ہو جائے گی اور میں دو مرتبہ لمبے راستے سے نہیں جا سکتا۔‘‘ الميرا

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

کے ماتھے پر نا سمجھی کا جال سا بنا۔ گال تلے ہتھیلی ٹکاتے وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔ زاہد نے اسے چپ دیکھا تو دوبارہ بولنے پر اکسایا۔ وہ شاید ساری عمر کی باتیں آج ہی کرنا چاہتا تھا۔

"تم بتاؤ؟ تمہیں بیٹا چاہیئے یا بیٹی۔" لہجہ ہشاش بشاش تھا دل بھلے اندر ڈوب رہا ہو۔ کچھ دیر اور پھر یہ خواب ٹوٹ جائے گا۔

"مجھے اولاد نہیں چاہیئے۔" ڈرائیور نے بیزاری سے آنکھیں گھمائیں۔

"پہلے تمہیں "ابھی" شادی نہیں کرنی پھر تمہیں "کبھی" اولاد نہیں چاہیئے۔ اکیلی رہ جاؤ گی میرو۔" وہ جیسے ترس کھا رہا تھا۔

"مجھے بچے نہیں پسند۔" المیرا نے لاپرواہی سے کندھے اچکا دیئے۔ زاہد کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی۔

"یہ کیسی گھسی پٹی وجہ ہے!" المیرا کے الفاظ اسی کو لوٹائے۔

”ہر وجہ میں تو میں تو بندہ unique نہیں نارہ سکتا۔ شادی میں کرلونگی جب مجھے اس کی بنیادی وجہ یا ضرورت سمجھ آجائے گی۔ اولاد مجھے نہیں چاہیئے، بچے بہت شور کرتے ہیں۔“ ناک چڑھاتے اس نے کانوں میں انگلیاں یوں دھنس لیں جیسے حقیقتاً اطراف بچوں کا شور ہو۔ اسکی اس حرکت پر مرد کی کھلکھلاہٹ گاڑی میں سنائی دی۔ آج شام المیرا اور زاہد کی مہندی تھی۔ محسن حسین اس بات سے لاعلم تھے شام میں کیا محفل سجنے والی ہے۔

★

ان کا ٹرک موٹروے پر بنے ایک ڈھابے نما ڈیرے کے سامنے آکر ٹھہرا۔ صبح کا اجالہ ابھی مکمل پھوٹا بھی نہیں تھا۔ المیرا نے ارد گرد دیکھا جہاں دور دور تک کچے گھر یا چھوٹی موٹی دکانیں تھیں۔ سیاہ چادر والی نے چہرہ اچھے سے ڈھکا۔

”آؤ ناشتہ کریں۔“ انجن بند کرتے وہ گاڑی سے اترا۔

"واپسی پر کر لے گیں نا۔" اس کا بس نہ چلتا اڑ کر فیصل آباد پہنچ جاتی۔ زاہد آگے آیا اور شیشے کے اطراف بازو رکھتے جھکا۔ پیشانی چھت تک آئی۔

"پچھلے ڈھائی گھنٹے سے گاڑی کون چلا رہا ہے؟"

"تم۔" فخر سے کہا۔

"آگے گاڑی کون چلائے گا؟"

"آف کارس تم۔" المیرا کو سوال فالتو لگا۔

"تو ناشتے کی کس کو زیادہ ضرورت ہوئی؟" اب کے زاہد مسکرایا۔

"ظاہر ہے میرے بڑے بھائی جان کو۔" وہ جو لڑنے کے لیئے ٹھہرا تھا مقابل وار پر ہی چاروں شانے چت ہو گیا۔ مسکرا کر اسے بھائی کہتی وہ زاہد کی دل کی سب سے بڑی تمنا پوری کر گئی۔ یہ لڑکی اسکی چھوٹی بہن تھی۔ زندگی کے کئی موڑ پر اس نے

www.novelsclubb.com

دانستا اور غیر دانستا اسکی حفاظت کی۔ وہ چاہے کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو جائے رہے گی تو اسکی چھوٹی بہن ہی۔ زاہد محسن منہ کھولے وہیں جم گیا۔

"تو اس کا مطلب ہم واپسی پر ناشتہ کرے گیں؟" پلکیں جھپکتے اس نے تابوت میں آخری کیل ٹھونکا۔

"واپسی پر بھی کر لے گیں۔" دروازے کی ٹیک چھوڑتے زاہد نے اس کی ساری کوششوں پر پانی پھیر دیا۔ ذخمی ماتھے پر بل تیزی سے آئے مگر سامنے بھی اسی کا بھائی تھا۔

"ہمیں دیر ہو جائے گی زاہد۔"

"دیر ہو نہیں جائے گی، دیر ہو رہی ہے.... ناشتے سے۔" سیاہ شلوار قمیض والے نے نفی میں سر ہلاتے اسکی طرف کا دروازہ کھولا۔ المیرا نے مٹھیاں بھنچتے لب کاٹے۔

www.novelsclubb.com

"ٹنشن میں میرے حلق سے روٹی بھی نہیں اترتی۔" گاڑی سے اترتے اس نے نیا حربہ آزمایا۔

"کوئی مسئلہ نہیں تم چاول کھالینا۔" بہن کے ساتھ چلتے وہ ڈھابے میں داخل ہوا۔ المیرا کی گرفت اپنی چادر پر مضبوط ہوئی۔ دو پلاسٹک کی کرسیاں درست کرتے بچے نے ان پر کپڑا مارا تو المیرا نے بھائی کے کان میں سرگوشی کی۔

"ان ڈھابوں کا کھانا un hygenic ہوتا ہے۔"

"بسم اللہ پڑھ کر کھانا تم جیسا جراثیم باآسانی نہیں مرے گا۔" جواباً آہستہ سے کہتے وہ بہن کو سلگا گیا۔ المیرا کے لیئے کرسی کھینچتے اسے بیٹھنا کا اشارہ کیا۔ دانت کھچاتے وہ بھائی پر دل ہی دل میں لعنت بھیجتے بیٹھ گئی۔ زاہد اقرار نہیں کرے گا مگر بہن کو جلتا بنتا دیکھتے اسکے اندر کا بھائی خوشیوں سے جھوم رہا تھا۔

المیرا نے نظریں گھماتے سفید دیوار پر ہوئے لال نیلے پینٹ کو دیکھا، پھر اطراف میں موجود ایسی ہی رنگ برنگ کرسیوں کو اور پھر اختتام میں سبز جالی دار دروازے کے پیچھے بنی راہداری کو۔اس پورے ڈھابے میں ان کے سوا گاہک کے طور پر ایک اونگھتی بلی تھی۔دور میز تلے لیٹی وہ مدھم سانس لے رہی تھی۔عرصے بعد یہ سب دیکھا تھا نجانے کیوں پل بھر کو دل میں موجود ساری بے چینی پرانی مانوسیت تلے دب گئی۔

"کیا کھاؤ گی؟"لال پلاسٹک کے میز پر آگے ہوتے زاہد نے فراخ دلی سے پیشکش کی۔المیرا کے یک دم معدے میں بل اٹھے۔مفت کھانے کا سنہری موقع ہاتھ سے جانا نہیں چاہیئے۔

"سب کچھ۔"اسکی آنکھوں سے جھلکتی چمک پر اسے تعجب ہوا۔

"سب کچھ کیا؟"المیرا فوراً آگے آئی۔زاہد ڈر کر تقریباً کرسی سے گرتے ہوئے بچا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM
www.novelsclubb.com

"جو کچھ بھی مینو میں ہے۔" زاہد نے آنکھیں جھپکائی۔ المیرا کے جوش و خروش میں رتی برابر فرق نہ آیا۔ "دال چاول، نان نہاری، چکن کڑاہی، پائے، بریانی سب کچھ کھانا ہے مجھے۔" وہ بچوں کا سا اشتیاق لے کر بولی۔ وہ حیرت زدہ سے اسے دیکھ کر رہ گیا پھر پلٹ کر کرسیاں صاف کرنے والے بچے کو پاس بلایا۔

"ایک گلاس ٹھنڈا پانی چاہیئے تھا۔" بچہ تیزی سے سر ہلاتا راہداری میں غائب ہوا۔ المیرا نے نا سمجھی سے زاہد کو دیکھا۔ واپس آتے اس نے لوہے کے دو گلاس اور ایک ٹھنڈے پانی کی بوتل ان کے سامنے رکھی۔ زاہد نے گلاس بھرا اور پھر المیرا کے سامنے رکھا۔

www.novelsclubb.com

"مجھے کیوں دے رہے ہو؟" ہیزل آنکھوں کی نا سمجھی ہونز موجود تھی۔

"سر پر ڈالو اسے تاکہ دماغ کھلے۔ ایک ناشتے کی آفر کیا دے دی پاؤں چادر چیرتے باہر لٹکا لیئے ہیں۔" بیزاریت بھرے انداز میں کہتے اس نے کھانا منگوانے کے لیئے پیچھے دیکھا۔ المیرا منہ کھولے ہکا بکا رہ گئی۔ وہ یہ بار بار بھول جاتی تھی کہ زاہد کی

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

رگوں میں بھی وہی محسن حسین کا کنجوس خون دوڑتا ہے۔(میمنے کو بھی پنجے لگ گئے ہیں۔ نخوت سے سوچتے اس نے گلاس غٹا غٹ خالی کیا)۔

(کچھ دیر بعد)

میز کے بیچ و بیچ نہاری کا برتن رکھے وہ دونوں یوں کھانے پر ٹوٹے ہوئے تھے جیسے برسوں کسی نے باندھ کر آبادی سے دور رکھا ہو۔ زاہد کا تیسرا نان تھا اور المیرا اپنے کی گنتی بھول چکی تھی۔

"کیا مصر میں دیسی کھانے نہیں ملتے؟" بہن کی پلیٹ پر لیمو کا چھڑکاؤ کرتے اس نے نوالہ نگلتے ہوئے پوچھا۔ اسے کیا معلوم تھا وہ المیرا کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ رہا ہے۔

"ملتے ہیں نا۔ کیوں نہیں ملتے بس ان کھانوں میں سے دیسی ہٹا کر ودیسی لگا دو۔"

"کیا مطلب؟" اس نے پانی پینے سے پہلے پوچھا۔

''مطلب یہ کے ایک سے بڑھ کر ایک بدمزہ دیسی ریسٹورانٹ تھا وہاں۔ مسالہ یوں ڈر کر استعمال کرتے تھے جیسے کھانے والا جل کر مر جائے گا، وہ چھوڑو چاول کبھی آدھے کچے تو کبھی تو اتنا پانی ڈال کر ابالتے تھے کھانے والا پریشان ہو جاتا یہ چکن بریانی ہے یا سوپ بریانی۔ یوں لگتا تھا سب کے درمیان زیادہ برا کھانا بنانے کی ریس سی جاری تھی۔'' ہر اگلی شکایت پر زاہد کی ہنسی نے رفتار پکڑی۔ المیرا کے جملوں سے زیادہ اسکے چہرے کے اتار چڑھاؤ کہانی سناتے تھے۔

''اور مصر کے اپنے کھانے؟ وہ کس طرح کے ہوتے ہیں۔'' ہاتھ کی مدد سے ہڈی کا مغض نکالتے المیرا کی پلیٹ میں رکھا۔

''ٹھیک ہوتے ہیں...... مگر ہمارے پاکستانی کھانوں کا کوئی مقابلہ نہیں۔'' ہر عام پاکستانی کی طرح اسکے ملک کا ہر عیب قومی کھانوں کے آگے آکر بھول جاتا۔ بات ختم کرتے اسکی بے دھیانی میں اپنی پلیٹ پر نظر پڑی۔ ایک طرف رکھا ہڈی کا مغض (سفید گودا) دیکھتے اس کے ہاتھ نان توڑتے ٹھہرے۔ ساکت وجود نے نظر اٹھا کر

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

بے غرض ہو کر کھاتے اپنے بھائی کو دیکھا۔ یک دم ہی بچپن کا ایک منظر آنکھوں کے سامنے سے گزرا۔

آٹھ سالہ المیرا ہڈی میں چیچ مار کر اسے صاف کرتے ہوئے کھا رہی تھی۔ جہاں زاروان اس سے اپنے حصے کے لیئے لڑ رہا تھا وہیں زاہد نے چھپکے سے اپنے سرے کی ہڈی بھی اٹھا کر اسکے برتن میں رکھ دی۔ منظر آنکھیں چپکتے غائب ہوا۔ وہ سب بہت آگے آ چکے تھے۔ کوئی باہر تھا، کوئی باہر جا رہا تھا، کسی کی شادی ہو رہی تھی اور کوئی۔

''عقبی کس کلاس میں ہے؟''اس کی گومگو کیفیت میں پوچھے سوال پر زاہد کے حرکت کرتے ہاتھ سست ہوئے۔

''ساتویں جماعت میں۔''مرد نے آہستگی سے کہا۔ المیرا کا نوالہ اسے حلق میں چھبا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

''کیسا ہے پڑھائی میں وہ؟'' بڑی بہن کی نگاہیں ندامت سے جھک گئیں۔

''ٹھیک ہے۔ سائنس میں اچھا ہے اور آرٹس میں نہایت برا۔'' زاہد نے چھپکے سے سیاہ چادر والی کا جھکا سر دیکھا اور پھر باہر کھڑی اپنی گاڑی کی پشت جہاں پر نیلی چادر تلے موجود سامان دوسری سمت ہو چکا تھا۔

''اس کا سکول میں کوئی دوست نہیں میرو۔'' المیرا کی گردن بے اختیار ہی سیدھی ہوئی۔ ''کچھ دن پہلے سکول میں میٹنگ تھی تو اسکی پرنسپل نے بطورِ خاص بلوایا تھا۔''

''پھر؟ کیا کہا اس نے۔'' وہ بے قراری میں آگے آئی۔ زاہد نے ہاتھ جھٹکتے کن آکھیوں سے اسے دیکھا۔

''یہی کے عقبی محسن ایک ghost child ہے۔'' المیرا کی نبض جیسے کسی نے مٹھی تلے دبا دی۔ وہ مزاحمت کرتی تو نبض پر دباؤ گہرا ہوتا۔ ''سکول کے تمام عرصے

میں کوئی دوست تو دور عقبی کسی بچے سے کھل کے بات تک نہیں کرتا۔ وہ نہ کھیلتا ہے، نہ بریک کے دوران کلاس سے باہر نکلتا ہے۔ کسی کسی استانی یا استاد نے ہی خوش قسمتی سے اسکی آواز سنی ہے۔ اگر کوئی بچہ یا بچی اس سے دوستی کرنا بھی چاہے تو بات چھوڑو وہ انہیں دیکھتا بھی نہیں ہے۔ بس دوسری طرف منہ پھیر کر اپنے دوبارہ مراقبے میں لگ جاتا ہے۔" زاہد کا ہر لفظ المیرا کے ضمیر پر جلتے پتھر کی طرح برسا۔ وہ وہی بن چکی تھی جس سے اسے نفرت تھی۔ وہ ناچاہتے ہوئے بھی محسن حسین کی راہ پر چل رہی تھی۔ "سکول کے انتظامیہ کا کہنا ہے اگر ایسا ہی چلتا رہا تو آپ کا بھائی بہت جلدی بری صحبت میں پڑ سکتا ہے۔"

www.novelsclubb.com

"تو تم اس پر دھیان کیوں نہیں دیتے۔" اس نے اعتراض اٹھایا مگر لہجہ اتنا کمزور تھا زاہد کو غصے کے بجائے پشیمانی محسوس ہوئی۔

"تم اچھے سے جانتی ہو گھر میں میری کتنی ہی چلتی ہے۔ ابا ایجنسی کا سارا کام مجھے سونپ کر اپنی عیاشیوں سے ہی نہیں رجتے (بڑھتے)۔ پہلے تو خیر وہ میرے کمرے

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

میں رہتا تھا۔ مشکل سے ہی مگر ایک دو جملے بولنے پر مان ہی جاتا تھا مگر اب......اب تو اس کا کمرہ بھی علیحدہ کر دیا ہے۔ اب تو شاید وہ وہی کچھ جملے بھی نہ بولے۔" المیرا نے سامنے رکھے کھانے کو دیکھا۔ یک دم ہی اس کا دل اچاٹ ہوا۔ اس بچے کو پالنے میں اس نے خود غرضی دکھائی تھی۔ اپنی محرومیوں اور نامکمل خواہشات کا بدلہ سود سمیت وصول کیا تھا۔ المیرا کی یہی خود غرضی آج اسکی شخصیت کے ہر پہلو میں عیاں تھی۔ انسان وقت بدلنے سے قاصر ہے مگر وقت دہرانے سے نہیں۔

"میں ...... کوشش کرونگی.... باہر جا کر اس سے تعلق بنائے رکھوں۔" اپنی شرمندگی میں وہ زاہد محسن کے دل پر پڑنے والے گھونسے کو محسوس نہ کر سکی۔

"انشاءاللہ۔" وہ زیرِ لب بولا اتنا کے یہ دعا بس اسکے اور اللہ کے درمیان رہی۔ کھانے سے ہاتھ کھینچتے اس نے ساتھ موجود ٹشو کے ڈبے سے ٹشو اٹھایا۔ زاہد کی جانب سے بھی خاموشی کا وقفہ طویل تر ہوا۔

''آئم سوری۔''المیرا نے ہاتھ میں تھامے ٹشو کو ٹٹولا۔ زاہد محسن ان الفاظ پر تھم گیا، گردن سست روی سے اٹھاتے اس نے حیران پریشان نگاہوں سے بہن کے بجھے تاثرات ٹٹولے۔

''تمہاری میں بھنگ تو نہیں تھی؟''المیرا نے غصے سے ٹشو مٹھی میں دبایا۔ زاہد نے سہم کر ہتھیار گرادیئے، ہاں البتہ کان اب تک بے یقین تھے۔

''میں نے ہمیشہ تمہارا مذاق اڑایا۔ تمہاری تذلیل کی۔ تمہیں اپنا نہیں مانا کیونکہ تم ڈرپوک اور بزدل تھے۔ اس سب کے لیئے......آئم سوری۔''زاہد کے لب کھل کر بند ہوئے۔ اپنی تیل سے اٹی انگلیوں کو دیکھا اور پھر خالی ہتھیلی کو۔

''ہمیشہ تلخ الفاظ استعمال کیئے اور کبھی تمہاری طرف کی کہانی سننے کی کوشش نہیں کی۔ تم خاموش رہ کر ہمارے لیئے ڈھال بنتے تھے۔ نجانے ابا نے کہاں کہاں تمہارے ساتھ ناانصافی کی ہو جس کا ہمیں آج تک علم نہیں۔''المیرا کی نگاہوں

میں جھلکے اپنے عکس کو دیکھتے زاہد نے فوراً ہی نظریں پھیر لیں۔ان عقیدت بھرے تاثرات کے لیے وہ جان دے سکتا تھاافسوس کے وہ ان کے لیئے جان لے رہا تھا۔

”تم حقیقتاً ایک اچھے انسان ہو۔ازمینہ خوش قسمت ہے اسے تم جیسا شوہر ملے گا۔ مجھے فخر ہے کہ تم میرے بھائی ہو۔“آنکھوں میں کئی جگنو لیئے اس کا چہرہ ٹمٹمایا۔ زاہد اب بھی اپنی خالی ہتھیلی پر انگلی پھیر رہا تھا۔

”کیا خاموشی واقعی بزدلی ہوتی ہے عنایت؟“ تشویش ناک لہجے میں انگلی سے لکیریں کھینچتا رہا۔حیرت انگیز طور پر المیرا کے ماتھے پر شکن تک نہ آئی۔

”میرے نظریہ میں ہاں!ہر خاموش رہنے والا بزدل ہے۔“

”اور اگر وہ سب کے سامنے خاموش رہے مگر اکیلے میں مدد کرے تو پھر؟“المیرا سیدھی ہو کر بیٹھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"تو پھر وہ بزدل ہونے کے ساتھ ساتھ بے ضمیر بھی ہے۔" اس کے دوٹوک لہجے پر اس کی انگلیاں ٹھہر گئیں۔

"لیکن اگر وہ مجبور ہو کیا تب بھی وہ بے ضمیر ہے؟"

"حق بات کرنے کے لیئے کوئی مجبور نہیں ہوتا۔" کچھ پل وہ یونہی ٹھہرا رہا پھر سانولے چہرے پر ایک اداس سی مسکراہٹ نے جھلک دکھائی۔

"میں دعا کرونگا تم کبھی ایسی مجبوری میں نہ پڑو۔" المیرا مسکرائی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بے فکر رہو المیرا ناانصافی کے خلاف بولنے سے کبھی نہیں گھبرائے گی۔" (پچھلے دو سال سے تو اس کا گناہ لکھنے والا فرشتہ جھک مار رہا تھا)۔

www.novelsclubb.com

اداس مسکراہٹ لیئے اس نے بھی نشست چھوڑی۔ہاتھ منہ دھو اور پیسے بڑھ کر فارغ ہوتے وہ گاڑی کی طرف آئے۔المیرا کی نظر زاہد کے ہاتھ میں اٹھائے شاپر پر گئی۔

"یہ حلوہ پوری کس لیئے؟"

"کہا تو تھا واپسی پر بھی ناشتہ کرلے گیں۔"المیرا اسکے جواب پر بوجھنکارہ گئی۔اگلے ہی پل اسکی ہنسی ماحول میں سنائی دی۔زاہد کے لبوں پر بھی از خود مسرت آئی۔اپنی جانب کا دروازہ کھولتے اس نے ساتھ کھڑی لڑکی کو دیکھا۔

"میں دوبارہ تمہاری طرف کا دروازہ نہیں کھ۔"اسکے اگلے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔المیرا آگے بڑھی اور دونوں بازو اسکے گرد باندھتے سر اسکے کندھے پر ٹکادیا۔ وہ شل،ساکت،بے حرکت ایک ہاتھ دروازے پر اور دوسرے میں ناشتہ اٹھائے کچھ بول نہ سکا۔

"شکریہ......بھائی۔" یہ بھائی اس نے دل سے کہا تھا، سننے والے کے لیئے بھی وہ ایک لفظ دل پر اترا۔

وہ ممنون ہوتا، اداس ہوتا یا بے پرواہ رہتا فیصلہ کٹھن ہو گیا۔ المیرا کی چادر سے نظر آتے بالوں کو دیکھتے اس کی آنکھیں اچانک چھوٹی ہوئیں۔

"تم نے بال کب کاٹے عنایت؟" المیرا کی مسکراہٹ پر کسی نے گویا بر پھیر دی۔ اس سے پہلے وہ دور ہٹتی زاہد نے ہاتھ اٹھاتے بہن کے سر کو آہستہ سے تھپکی دی۔ المیرا کی ہمت دوبارہ مجتمع ہوئی۔ دل حفاظت کے احساس سے بھر گیا۔

"امی کو تمہارے بال اتنے پسند تھے۔ کب کاٹے یہ؟" المیرا اس سے الگ ہوئی۔

"خراب ہو رہے تھے صبح ہی کاٹ ڈالے۔" سر جھکائے اس نے اعترافِ جرم کیا۔ زاہد ترچھی نظروں سے اسے گھورتا رہا۔ وہ ان لمحات کو خراب کرنے کی خواہش نہیں رکھتا تھا چنانچہ موضوع بدلتے دور ہوا۔

www.novelsclubb.com

”ویسے ایک بات ہے (المیرا گاڑی کی دوسری طرف آئی) جس حساب سے تم نے روٹی کھائی ہے دیکھ کر واقعی لگتا ہے ٹینشن میں نوالہ حق سے نہیں اترتا۔“ المیرا جیسے چلنا بھول گئی۔ سارا چہرہ چوری پکڑے جانے پر لال ہوا۔ دروازے پر ہاتھ جم گیا اور گردن چھینک کر ہنستے زاہد کا دل کیا اس منظر کو کیمرہ میں قید کر لے۔ اپنی ہر بری یاد کو اس دن کی مدد سے مٹا دے۔

★

وہ بالآخر منزل پر پہنچ چکے تھے۔ سفید سوزکی ٹرک آکر علامہ اقبال آئرپورٹ کی پارکنگ میں کھڑی ہوئی۔ صبح کے پونے پانچ ہو رہے تھے۔ روشنی قدرے بکھر چکی تھی مگر حبس اور گرمی کی شروعات ابھی باقی تھی۔ المیرا نے گردن باہر نکال کر دیکھا تو پیشانی پر بل در بل آئے۔

”یہ آئیر پورٹ ہے زاہد۔“ ڈرائیور سیٹ پر سیاہ شلوار قمیض والے مرد نے عاجزی سے گردن ہلائی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

''میں آنکھیں رکھتا ہوں المیرا۔'' ڈارئیور کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی لڑاکا عورتوں کی طرح سیدھی ہوئی۔

''آنکھیں رکھتے ہو گے مگر دماغ نہیں۔ آئرپورٹ پر کون سا سامان لینے آئے ہو۔ کیا اسکے باہر سے فرنگی رشتے دار آرہے ہیں جن کو تم نے پک اینڈ ڈراپ دینا ہے؟ اب تم ابا کے ساتھ ساتھ سسر کی بھی ملازمت کرو گے۔'' اسکی زبان پٹڑی سے اتر چکی تھی۔اب اسے روکنا شیر کی کچھار میں ہاتھ ڈالنے کے برابر تھا۔

''میرو۔'' اس نام سے صرف حسینہ پکارتی تھی۔ ''میں تم سے ایک گزارش کر سکتا ہوں؟'' سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے المیرا کو پہلی مرتبہ اس سفر میں اپنے ڈرائیور کی حالت پر شک ہوا۔ زاہد کے لہجے پر ایک محسوس کی جانے والی ان دیکھی اداسی کی چادر تھی۔

''تم مجھے ہمیشہ ایسے ہی بھائی بلانا۔'' پارکنگ میں پھیلی گاڑیوں کو دیکھتے اس کا انداز التجائیہ ہوا۔المیرا کے شک میں کثرت آئی۔

"میں نے تم کو گزارش کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔" مخملی موٹی آواز مدھم ہوئی۔

"میں تمہیں یہاں تک لایا ہوں اجازت کی ضرورت بھی نہیں۔" خالی خالی سا لہجہ۔المیرا کی پیشانی پر سلوٹیں اب بھی قائم ودائم تھیں۔

"ہم آئیر پورٹ پر کیا کرنے۔" اسکا سوال حلق میں دم توڑ گیا۔ زاہد محسن کے چہرے پر ایک آنسو پھسلتا ہوا داڑھی میں جذب ہوا۔المیرا کے وجود پر برف جم گئی۔اس نے تیزی سے گردن باہر نکالی۔آئیر پورٹ کی عمارت قریب ہی تھی۔

www.novelsclubb.com

"زاہد ہم۔"

"تم نے تمام اہم کاغذات رکھ لیئے تھے؟" المیرا کا دل بیٹھنے لگا۔ سانس بے ترتیب ہوئی۔یوں لگا چاروں اور گھیرا تنگ کرنے کے بعد سکون کو آگ لگا دی ہو۔

"دو گھنٹے بعد تمہاری قاہرہ کی فلائٹ ہے، ٹکٹ تمہارے سامان میں رکھ دی تھی۔ آؤ تمہیں باہر تک چھوڑ آؤ۔" اپنی طرف کا دروازہ کھولتے اس نے المیرا کے پاؤں سے زمین سرک لی۔ وہ نہ ملنے کی جسارت رکھتی تھی نہ بھاگنے کی قوت۔

"ہم تو فیصل آباد جا رہے تھے؟" اسکا سوال اِس قدر بے ضرر تھا زاہد کو خود سے گھن آئی۔ اتنی دیر سے خود پر پایا قابو چھوٹنے لگا۔ وجود پر چڑھا خول چٹخنے لگا۔

بنا جواب دیئے وہ تیزی سے اترا اور پیچھے رکھا اس کا سامان اٹھایا۔ المیرا کے کان سائیں سائیں کر گئے۔ ڈگمگاتے قدموں کے ساتھ وہ بھی اتری اور اس سے اپنا سامان کھینچا۔ اگر تم گاڑی کے ریر ویو شیشے پر نظر جماؤ تو تمہیں پشت کے عین سامنے دو لوگ آمنے سامنے کھڑے دکھے گیں۔ عورت کے چہرے پر سوالوں کی ایک کتھا تھی جبکہ مرد ہچکچاتے ہوئے نظریں چرا رہا تھا۔

"کیا ابا کو معلوم ہے تم مجھے قاہرہ بھیج رہے ہو؟"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"کیاابا کو یہ معلوم ہے کہ ہم فیصل آباد جارہے تھے۔" المیرا کے وجود کا انتشار مزید تیز ہوا۔ سورج کی کرنیں ان کے وجود پر سنہری جھالر کی مانند اتری تھی افسوس کے ان کی زندگیوں کے اندھیرے مٹانے میں ناکام رہی۔

"لیکن تم تو میری شادی رکوانے جارہے تھے؟" اعتماد ٹوٹنے کی گونج آواز میں سنائی دی۔

"تو یوں رک تو جائے گی تمہاری شادی۔"

"مجھے بھاگ کر شادی نہیں رکوانی تھی زاہد۔" اسکی منطق پر المیرا پوری قوت سے چلائی۔ گاڑیوں کے بیچ و پیچ سرخ سفید چہرہ لیئے اس نے غصہ ضبط کیا۔

"جن عورتوں کے پاس مجبوریاں ہوں ان کے پاس نکلنے کا راستہ فرار ہی ہوتا ہے۔ لڑنے جھگڑنے کا یہاں کوئی فائدہ نہیں۔" اس کا بس نہ چلا زاہد کی ڈھٹائی اپنے ہاتھوں تلے کچل دے۔

"میرے پاس کوئی ایسی مجبوریاں نہیں جو میں منہ لپیٹ کر میدان سے بھاگوں۔"

"تو پھر قیصر سے شادی کر کے تا عمر یہی قید رہنے ہے؟"اب کی بار وہ بھی قدرے اونچی آواز میں بولا۔

"ہاں رہ لوں گی مگر یوں بزدلوں کی طرح بھاگوں گی نہیں۔"دوٹوک رویہ، وہ اس وقت اپنے اصل روپ میں موجود تھی۔زاہد کا دل کیا اپنا سر پیٹ لے۔ صلح فہمی سے اسکے کندھوں پر ہاتھ رکھتے المیرا کی آنکھوں میں جھانکا۔

"دیکھو بیٹا!......جب آپ کو معلوم ہو کہ جنگ میں آپ ہر طرح سے ہار رہے ہیں تو عقل مندی یہی ہے کہ بھاگ جاؤ۔اسے بزدلی نہیں حکمتِ عملی کہتے ہیں۔ قید سے بہتر فرار ہوتی ہے۔"المیرا نے عاجزی اسکے ہاتھ جھٹکے۔وہ اب بھی آج کے دن کو بچانا چاہتی تھی۔

''لیکن مقابلہ کیئے بنا میں کیوں بھاگوں، کیا معلوم عین موقع پر جیت میری ہو۔'' زاہد نے ہونٹ سختی سے ملائے۔ وہ اس کے صبر کا امتحان لے رہی تھی۔

''المیرا۔'' اس نے بڑے بھائیوں والے انداز میں سمجھانا چاہا۔ ''تم میری چھوٹی بہن ہو۔ میری اکلوتی بہن۔ مجھے تم بے حد عزیز ہو اور میں کبھی نہیں چاہوں گا تم پر کوئی ذور زبردستی کرے۔'' المیرا شاکی نگاہوں سے بھائی کا چہرہ دیکھے بنا اسکے فیصلے کی نفی کرنے لگی۔ زاہد محسن تو ان دھوکے بازوں میں سب سے اول درجہ کا فریب کار نکلا۔

''تم چلی جاؤ یہاں سے۔ بہت دور چلی جاؤ۔ اپنی زندگی ویسے ہی گزارو جیسے گزارنا چاہتی ہو۔'' المیرا کے حلق میں جذبات کا ایک آتش فشاں پھٹنے کو بے تاب ہوا۔

''مجھے یوں نہیں جانا۔'' وہ بچوں کی طرح منمنائی۔

"لیکن تم اب واپس بھی نہیں جاسکتی۔" المیرا حیرت زدہ ہوئی۔ "ابا گھر آ چکے ہیں اور گھر میں ایک طوفان انتظار کر رہا ہے۔ سب کو یہی یقین ہے محسن حسین کی اکلوتی بیٹی گھر سے بھاگ گئی۔" وہ الفاظ نہیں لعنت تھے۔ گلہ کا طوق تھے اور پاؤں کی زنجیر تھے۔ ہر جذبہ، ہر احساس، ہر لفظ اس وقت المیرا کی کیفیت کو بیان کرنے کے لیئے چھوٹا تھا۔ وہ اتنے بڑے بہتان کی حق دار تو نہ تھی؟

"تو ہم واپس جا کر سچائی بتا دے گیں نا۔" اس نے بھیگ مانگی۔

"کیا بتاؤ گی؟ کہ تم دوسرے شہر اپنے منگیتر سے ملنے جا رہی تھی۔" زاہد نے بھیگ دینے سے رد کردی۔ المیرا کی ساری تاویلیں، ہر بحث زبان پر دم توڑ گئی۔ ہاتھ پہلو میں گراتے اس نے کھسے میں مقید اپنے پاؤں دیکھے۔

"میری ڈگری کو ایک سال رہ گیا ہے۔ میں اس کے بعد واپس۔"

''تب بھی مت آنا۔''اس نے بے دردی سے بات رد کی۔المیرا کا منہ آدھ کھلا رہ گیا۔

''مگر کیوں؟''شکایت کرتی آنکھوں سے مرد نے نظریں چرائیں۔

''کیا گھر سے بھاگی ہوئی لڑکیوں کی معاشرے میں کوئی عزت ہے؟''المیرا پاؤں کی انگلیوں سے لے کر سر کے بالوں تک جل کر راکھ ہو گئی۔اب اس راکھ سے جو نکلے گی وہ آگ کی مورت ہو گی۔ تیزی سے آگے آتے اس چنگاری نے زاہد کا گریبان جھپٹا۔

''جھوٹ ہے یہ، سراسر دھوکہ ہے میں گھر سے نہیں بھاگی۔ تم نے مجھے چلنے کا مشورہ دیا۔ تم نے مدد کا سہارا دیا۔ تم نے ہی مجھے سب کرنے پر اکسایا میں تو اب بھی اپنے لیئے لڑنے کو تیار ہوں۔ تم نے مجھے فرار کا مشورہ دیا تھا۔'' جھٹکے سے اسے آزاد کرتے المیرا کی چادر سر پر سے ڈھلکی۔ بے ڈھنگے کٹے بال چہرے کے اطراف پھسلے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"تم اس وقت غصے میں ہو۔ جب ٹھنڈی ہو جاؤ تب سوچنا..... میری مدد تمہیں واقعی احسان لگے گی۔"

"ایسا احسان جو میرے کردار کو داغ دار کر کے ملے میں پلٹ کر تھوکو بھی نہ اس پر۔" اسکی آواز ہر جملے کے ساتھ بلند تر ہوئی۔ زاہد نے اسکی چادر درست کرنی چاہی جب المیرا نے پوری طاقت لگاتے اسے دکھا دیا۔

"تمہیں میری کوئی قدر نہیں۔ اگر ہوتی تو میرے کندھے پر رکھ کر بندوق نہ چلاتے۔ مجھے آسانی فراہم کرنے کی خاطر تم نے مجھے ہی زمانے کے سامنے بزدل اور بے حیا بنا دیا۔" زاہد نے وضاحت دینے کی نیت سے لب کھولے۔ المیرا نے بولنے کا موقع نہ دیا۔

"جبکہ در حقیقت بزدل اور بے حیا تم ہو۔ تم میں اتنی ہمت نہیں کے بہن کے لیئے آواز اٹھا سکو۔ باپ کے سامنے کھڑے ہو کر کہو کے اس کے ساتھ ناانصافی نہ کریں۔"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

”تم میری جگہ ہوتی تو تم بھی یہی کرتی۔“ شکستہ کندھے اور کمزور آواز۔

”لیکن اگر تم میری جگہ ہوتے تو یہاں کھڑے ہو کر بھیک مانگنے کے بجائے مجھے گولی مار کر جا چکے ہوتے۔“ چلا چلا کر اسکی آواز بیٹھ گئی۔ زاہد نے دلاسہ دینے کی نیت سے سبز بھوری آنکھوں میں جھانکا، اس وقت سورج تلے وہ مکمل بھوری تھیں۔ نجانے کیا یاد آتے اسنے لب سیئے اور تیزی سے گاڑی کی طرف بھاگا۔ کچھ لمحات بعد واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں گلابی رنگ کے ہر روپ سے بنا مفلر تھا۔ المیرا اس کپڑے کو پہنچاتی تھی۔ یہ اس کے باپ کا تھا۔

”یہ لے جاؤ۔“ اس نے آگے بڑھ کر المیرا کو وہ اسکارف نما مفلر تھمایا۔

”اس سے کیا تمہاری چِتا جلاؤں؟“ ہاتھ کھینچتے وہ اونچی آواز میں بولی۔

”نہیں اپنے مزار پر چڑھانا۔“ زاہد نے مجبوراً وہ اسکی گردن میں ڈال دیا۔ المیرا نے بھوکی شیرنی کی طرح اسے دیکھنا نہ چھوڑا۔

"واپس مت آنا المیرا۔" بے بس التجا تھی۔

"اسے میری آج والی محنت کی قیمت سمجھ لو۔" المیرا طنز سے بھرپور ہنسی ہنس دی۔

"میں واپس کیوں آنے لگی؟ مجھے تم میں سے کسی ایک سے بھی کوئی لگاؤ نہیں۔ میں تھوکتی ہوں تم سب پر۔ سب کے سب منافق ہو۔ (اس نے الٹے قدم اٹھائے) مجھے لگا کے تم امی جیسے ہو..... غلط لگا! تمہاری رگوں میں بھی اکیلے محسن حسین کا خون دوڑتا ہے۔" اپنا سامان سنبھالتے وہ یقیناً جانے کا ارادہ کر چکی تھی۔ زاہد نے آخری بار بہن کو جی بھر کر دیکھا۔ یہ چہرہ اب شاید روزِ محشر ہی دیکھنا نصیب ہو گا۔

"تم اپنی اہمیت کا اندازہ نہیں لگا سکتی میرو۔ میں نے تمہارا دل رکھنے کے لیئے اپنا دل مارا ہے۔" المیرا کے چہرے پر آج سے پہلے کبھی ایسی نفرت نہیں آئی تھی۔ کاش وہ دل نہ رکھتا اور اگر رکھنا ہی تھا تو ایسا ڈرپوک نہ رکھتا۔

''تم نے کوئی دل نہیں مارا۔ تم نے صرف اور صرف اپنے سر پر سے مجھے بوجھ کی طرح نوچ پھینکا ہے۔ تم جانتے ہو ایک سال بعد میں واپس آؤنگی تو میرے ہاتھ میں کچھ نہیں ہوگا۔ چور دروازہ جو استعمال کیا تھا اب تا عمر کھینچ تان کر رہنا ہوگا۔'' اس کے قدم کچھ مزید پیچھے اٹھے۔

''میں اپنی بہن کو جانتا ہوں۔ وہ بند قلعے میں بھی بقا کی جنگ لڑ سکتی ہے اور کسی گھنے جزیرے پر بھی زندگی شروع کر لے گی۔'' بھوری آنکھوں میں المیرا کے لیئے بلا کا فخر تھا۔ اخضر آنکھوں میں تضحیک کے سوا کچھ نہ تھا۔

''آج تم نے میری مردوں سے نفرت پر مہر ثبت کر دی ہے زاہد محسن۔'' لفظوں کی برچھی نے زاہد کے چہرے پر سے ہر رنگ کھرچ دیا۔ پشت پر باندھے گئے ہاتھ بے دم ہوئے۔

''تم سارے کے سارے خود غرض اور بزدل ہو۔ اب تم منت بھی کرنے آئے تو میں واپس نہیں آؤنگی۔ مر گئی تمہاری بہن، یاد رکھنا قبر پر پھول بھی تم نے چڑھائے

تھے۔" آخری نگاہ ملی۔ ایک میں نفرت، دوسرے میں بے بسی۔ وہ پلٹ گئی اور اب حشر کے میدان میں گریبان پکڑے گی۔ وہ تھک ہار کر وہیں لڑھک گیا، کیسے بتائے اس نے اپنا غرور المیرا کی آزادی کے نام کیا تھا۔ یہ ایک بھائی کی محبت میں پستی تھا یا اوج؟

ٹرک کا سہارا لیتے اس نے گہرے سانس لیئے۔ بال ماتھے پر گر رہے تھے۔ آنکھیں اب آنسو بہا کر جلنے لگیں۔ اپنی کیفیت میں وہ یوں ہی سر تا پیر لرز رہا تھا جب اسے ہچکی کی آواز آئی۔ زاہد جہاں تھا وہیں تھم گیا۔ گردن آہستگی سے اٹھی اور نیلی چادر کی سمت رکی۔ ہچکی سمیت زکام زدہ سانس کی آواز کا اس کے بند دل پر تکرار ہوا۔ مرد نے گہری سانس لی اور چہرے پر سے آنسو کا ہر نشان مٹایا۔ گردن پیچھے گرا کر المیرا کی نفرت کا مقابلہ کرنے کے لیئے ہمت جمع کی۔

"میں تمہیں کچھ پیسے بھیج رہا ہوں انہیں مصری پاؤنڈ میں تبدیل کرواؤ ارجنٹ کام چاہیئے۔" منظر بدل چکا تھا۔ آیر پورٹ کی جگہ محسن حسین کے گھر کا پورچ تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

گاڑیوں کی جگہ وہاں ایک ٹرک تھا۔ زاہد محسن کان سے فون لگائے اپنے دوست سے محوِ گفتگو تھا۔

"آج نہیں ابھی چاہیئے۔" اس نے قدرے بیزاری سے دوسری طرف کو کہا۔

"ہاں ہاں پتہ ہے کل میری بارات ہے۔" اس نے پیشانی مسلتے لاونج کے بند در کو دیکھا۔ دل مارے ڈر کے اندر ہی اندر لرز رہا تھا۔

"تم میری بیوی ہو جو اتنے سوال پوچھ رہے ہو۔ جتنا کہا ہے اتنا کرو۔" ٹھاٹ سے کہتے اس نے فون بند کر دیا۔ ٹریول ایجنٹ ہونے کا ایک فائدہ تو ہوا کم از کم اسے باہر جانے کے انتظامات میں اتنے خوار نہیں ہونا پڑا۔ فون قمیض کی جیب میں ڈالتے وہ پلٹا۔ سامنے کھڑے عقبی محسن کو دیکھتے اسکا ہاتھ لڑکھڑایا۔ (یہ چُنو کیوں جاگ رہا ہے؟)۔ عقبی متورم چہرہ لیئے آگے آیا۔

"میں بھی جاؤں گا۔" سپاٹ سی آواز آئی۔

''کہاں جاؤ گے؟'' حد درجہ بے نیاز لہجہ بھلے ہی اندر جان نکل رہی تھی۔

''میں بھی آپی کو چھوڑنے جاؤں گا۔'' پاؤں تلے زمین نکلنے کا احساس کیسا ہوتا ہے وہ اس اٹھائیس سال مرد باخوبی محسوس کر سکتا تھا۔اس سے پہلے زاہد اسکی بات مذاق میں ٹالتا چُنو کی زبان پٹر پٹر چلنے لگی۔

''میں نے آپ کو بات کرتا سن لیا ہے بھائی اگر آپ ساتھ نہ لے کر گئیں تو میں ابھی ابا کو کال کرتے سب سچ بتادونگا۔'' وہ کندھوں سے کچھ نیچے آتا لڑکا زاہد کو ہکا بکا کر گیا۔ کہا اسکی زبان تالو سے جدا نہیں ہوتی تھی اور اب کہاں وہ دھمکیاں بنا بارود کے فائر کر رہا تھا۔

''سب سو رہے ہیں تم بھی جا کر سو جاؤ۔'' زاہد نے اس کا کمزور سا بازو دبوچتے سرگوشی کی۔ رعب جمانے کی ناکام کوشش۔ عقبی نے بھاری پلکوں کے جھالر تلے اس کے دب دبے کا جائزہ لیا۔

www.novelsclubb.com

"فلاپ فلموں کے ولن لگ رہے ہیں۔" اسکی بیزاری نے بڑے بھائی کے بڑے پن کو ٹھاہ کی آواز سے پھاڑ دیا۔ چھوٹا سا منہ لیئے وہ ہاتھ پہلو میں لٹکائے رو دینے کے عین قریب تھا۔

"اگر تم ساتھ گئے تو المیرا شک کرے گی؟" اکتا کر کہتے وہ منمنایا۔ آنکھوں میں گرتے بال لیئے عقبی چند ثانیے خاموشی سے وہیں کھڑا رہا۔ اتنی سی عمر میں اتنی سنجیدگی؟

"تم ساتھ جانا کیوں چاہتے ہو؟" فرصت سے سینے پر بازو باندھے اور سواری کی پشت سے ٹیک جوڑی۔ عقبی کی ساری سنجیدگی لمحے میں غائب ہوئی۔ تھا تو وہ بلآخر بچہ ہی۔ نظریں چراتے وہ اپنی شرٹ کے دامن سے کھیلنے لگا۔

"میں اور آپ.... آپی کو لینے گئے تھے تو اب میں اور آپ.... ہی انہیں چھوڑنے بھی جائے گیں۔" کمزور سی دلیل تھی۔ زاہد نے اصل وجہ جاننے کے لیئے کوئی ذور نہ ڈالا۔ یہ تو اسے معلوم تھا ہی وہ المیرا کے معاملے میں حد درجہ حساس تھا اور المیرا اتنی

ہی بے حس۔ گردن گراتے اس نے بالوں میں انگلیاں چلائیں۔ منظر میں آیر پورٹ، جہاز، گاڑیاں اور نیلا کپڑا لوٹ آئے تھے۔ وہ گھر کا بڑا بچہ تھا۔ دل مار کر دل جیتنا تھا۔

ٹرک کی پچھلی طرف چڑھتے اس نے اضافی سامان سے چادر ہٹائی۔

''آؤ ناشتہ کریں، میں نے تمہارے لیئے حلوہ پوری خریدی ہے۔'' چادر تلے انسانی وجود کسمایا۔ زاہد اسکے انداز پر ششدر نہیں اسکے حال پر دنگ رہ گیا۔ اندر عقبی محسن آڑی ترچھی حالت میں بیٹھا بلک بلک کر رو رہا تھا۔ وہ اتنا برا تب نہ رویا تھا جب تین سال قبل وہ گئی تھی۔ تب امید تھی آجائے گی۔ اب جو گئی تھی ہر تعلق روند کر گئی تھی۔

سر پر بال نم تھے۔ گندمی مائل رنگت سرخ تھی۔ چہرہ چھوڑو شرٹ کا گریبان بھی بھیگ چکا تھا۔ زاہد کے ہاتھ پاؤں باقاعدہ پھولے۔ وہ جانتا تھا وہ روئے گا مگر اتنی شدت سے، یہ اسے معلوم نہ تھا۔

"انہوں نے.... جاتے وقت......ایک...ایک..... بار بھی.... میرا نام.... نہیں لیا۔"
ہچکیاں لیتے اس نے جملہ بنانے کی کوشش کی۔ زاہد نے آگے بڑھ کر اسکے کانپتے وجود کے گرد گھیرا باندھا۔ بے یقینی کسی طریقے کم نہ ہوئی۔ یہ اسکار وبوٹ بھائی ہی تھا کیا؟

"انہیں میرا خیال کیوں نہیں آتا..... بھائی۔ میں تو......ان کا دو.... ست تھا۔" زاہد نے اسے مزید خود میں بھنچا۔ اپنی ٹھوڑی اسکے سر پر ٹکاتے وہ اسکی پشت سہلانے لگا۔ عقبی کا جسم بخار سے تپ رہا تھا۔ زاہد کو لگا یہ جدائی کا بخار تا عمر نہیں اترے گا۔

"میں ان کا بھائی تھا۔" زاہد نے اس کے بالوں پر لب رکھتے اپنے آنسو خاموشی سے بہنے دیئے۔ مقابل کے آنکھوں سے بہتا پانی کسی صورت نہ تھما۔ آج دو بھائیوں نے اپنی بہن گوائی تھی۔ جہاں ایک نے اسے قبر میں اتارا تھا وہیں دوسرے نے اسکے اٹھ کر زندہ ہونے کی تمنا کی تھی۔ مگر بہن نے الٹا زندہ ہو کر خود پر مزید مٹی ڈالی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے اپنی موت کو ثبت کرتے قبر پر کتبہ بھی لگا دیا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"مجھے تم میں سے کسی ایک سے بھی کوئی لگاؤ نہیں۔" کتبے پر درج اس جملے کی تاثیر نے دونوں بھائیوں کو توڑ دیا۔ نجانے کتنے سالوں تک وصال اِس ہجر میں کٹے گا۔

★★★★

www.novelsclubb.com

www.novelsclubb.com

باب محافظ

یہ پانچویں چیل کی اونچی پکار تھا۔یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مخلوق الخذا بھی ان کی خون کی پیاسی ہے۔ماہِ ملکہ کی سرحد پار کرتے موجود ہر مخلوق ہی درندہ بن جاتی تھی۔

ان کے کچھ افراد پر مشتمل قافلہ ناریل کے درخت دیکھتے اب ان کی چھاؤں میں بیٹھا پیاس بجھا رہا تھا جبکہ ٹوٹے چشمے والی گل جان گھٹنے سینے سے لگائے سر جھکائے تھی۔سامنے اکاس بیل سے ڈھکا درخت تھا جس کے پتوں کے پیچھے قلعے کی ہلکی ہلکی جھلک سی نظر میں تھی۔گل جان کا ذہن البتہ کسی اور ہی نہج پر اٹکا تھا۔

"آخر کماری کیوں یونس کو وہ دوا لینے پر اکسائی گی جبکہ اسی نے تو انہیں دوا کے پیچھے کی کہانی سے متعارف کیا تھا؟"۔اپنی ہی سوچوں کے گھور میں ڈوبی اسکے چہرے پر عجیب تشنگی تھی۔کوئی بھی دیکھنے والا ذہن کی مڈ بھیر کا اندازہ باخوبی لگا سکتا تھا۔

دور دبیر اور باقی لڑکے ناریل کھول رہے تھے جبکہ گل ان سب سے یک دم کٹی ہوئی بیٹھی تھی۔"یہ لو۔"اپنے عدم دھیانی میں اسے معلوم ہی نہ ہو سکا کب عبیل

اسکے سامنے آکر کھڑی ہوئی۔ گل نے گھبرا کر چہرہ اٹھایا تو وہ اسکے سامنے ناریل کے بکھرے ٹکڑے رکھنے لگی۔ بھوک کی شدت ہی اتنی تھی گل نے ذہنی حالت کے باوجود بھی وہ جھپٹ کر اٹھا لیئے۔

عبیل اپنا حصہ لیئے اس سے کچھ دور کمر کر کے بیٹھ گئی۔ اسکے یوں منہ پھیر کر بیٹھنے پر گل کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کل عبیل پر ناگا سا کی گراتے گل سے اب تک اسے کترا رہی تھی۔ یہ سب دانستا نہیں تھا مگر غیر دانستہ بھی کچھ اتنا نہ تھا۔

گلہ کھنکارتے اس نے ناریل کی کاش میں دانت گاڑے۔

''کیسا محسوس کر رہی ہو؟''

''ہم یہاں سے کب نکلے گیں؟'' عبیل کا سوال تو جیسے زبان کی نوک پر تھا۔ گل آدھ کھلے منہ میں ناریل کی کاش پھنسائے سوچ میں چلی گئی۔

''وہ کشتی ہمیں مصر نہیں لے جا رہی تو پھر ہم کہاں جائے گیں۔ یہ پیشکش تم ہی نے کی تھی، تو بتاؤ تمہارے دماغ میں کیا چل رہا ہے؟'' عبیل کی چٹیا سے نکلتی لٹیں ٹھنڈی ہوا کے دوش پر لہرائیں۔ گل نے تھوک نگلتے چشمہ درست کیا۔ اپنی روداد اُس نے آگے کا لائحہ عمل خارج کر کے سنائی تھی۔

کچھ دیر لب چباتے اور ایک نامانوس سی خاموشی میں بیت گئے۔ وہ المیرا نہیں تھی جو موقع پر جھوٹ بول لیتی، نہ وہ فاطر تھی جو لڑ کر سوال ٹال دے اور دبیر...... خدا کا شکر ہے وہ دبیر نہیں تھی۔

''ہم.... یہاں سے... ہم....'' عبیل کی ہلکی ہنسی کی آواز پر گل کی تمہید باندھتی زبان ٹھہر گئی۔ عجیب اسکی ہنسی نہیں عجیب اسکا وہ ہتک آمیز انداز تھا۔

''چھپانے کا فائدہ نہیں گل۔ ہر راز پر سے تو پردہ اٹھ ہی چکا ہے اب باقی ڈھانپنے کی بھی فارملٹی مت نبھاؤ۔'' گل جان کے پتلے لب تیزی سے بند ہوئے۔ ہاتھ میں تھامے کھانے کو دیکھتے وہ دوبارہ نہ بولی۔

''تم چلی جاؤ گل۔'' سننے والی نے تیزی سے سر اٹھایا۔ ''تم اپنی جان بچا کر یہاں سے چلی جانا میں اب اتنے سال یہاں ضائع کرنے کے بعد کہاں جاؤ نگی۔'' عبیل کے نم لہجے پر آسمانی آنکھیں حیرت سے پھیلی البتہ وہ تاثرات سکے برف اعضا تک نہ پہنچ سکا۔ تیزی سے اٹھتے وہ اس کے سامنے آئی۔ بھوری رنگت پر آنسو کے تازہ نشان تھے۔

''میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جارہی۔'' ابھی عبیل کی بات مکمل بھی نہ ہوئی تھی جب گل نہ کاٹ ڈالی۔

''میں آج تک خود سے متعلقہ لوگوں کو بچا نہیں پائی۔ میری زندگی میں بچتاوے کے سوا اور کچھ نہیں۔ تمہیں چھوڑ کر جانا بھی ایک بچتاوا ہو گا اور اب گل جان میں مزید سہنے کی ہمت نہیں رہی۔'' ترک لڑکی کی آنکھوں کی سنجیدگی اور لہجہ کی پختگی چٹانوں جیسی تھی۔ آخری لفظ پر پلٹ کے پیچھے دیکھا۔ وہاں ہر کوئی اپنی ہی کہانی جھیل رہا تھا۔ عبیل نے پلکیں ملائیں تو رخسار ایک مرتبہ پھر بھیگ گئے۔ گل جان

نے اسکا سر اپنے کندھے سے لگایا اور تھپکی دیتے امید بھاندی۔ عبیل کے آنسو کی رفتار میں تیزی آئی اور سسکیاں باقاعدہ دہائیوں میں بدلیں۔ کل سے اندر بنے جذبات کے آتش فشاں کو پھٹنے کا سہارا ملا۔

گل پیٹھ تو اسکی سہلا رہی تھی مگر اسکی نفرت سے بھری آنکھیں دبیر السازار کی بے نیاز پشت پر جمی تھیں۔ وقت میں کچھ دیر پیچھے چلے آؤ جب وہ قافلہ اب بھی قدموں پر تھا۔ دبیر ان کے راستے میں آئے کچھ بیلیں کاٹ رہا تھا جبکہ گل اس کے کندھے کے پار کھڑی غصہ سے پہلو بدلنے میں مشغول۔

''کماری نے کہا تھا ساحلِ سمندر کے کنارے رہنا۔ ہمارا جہاز وہاں آئے گا۔'' بات کرنے کا دل تو نہ تھا مگر مجبوری سی تھی وہ کیا کرتی۔ دبیر السازار راستہ صاف کرتے آگے بڑھ گیا۔ گل نے بھی تیزی سے قدم ملائے۔

''میرا ہتھیار دو اور جہاں جانا ہے جاؤ۔ میں اب مزید تم پر اعتماد نہیں کر سکتی۔'' دبیر کی جانب سے کوئی اظہار رائے نہ آئی۔ یہ جملہ وہ کل سے کوسوں مرتبہ سن چکا تھا۔

''تم نے جو بھی گیمز کھیلنی ہیں اپنے آقاؤں کے ساتھ کھیلو۔ مجھے یا ہمیں اُن میں مت گھسیٹو۔'' اب کی بار اسکی سرگوشی زہریلی تھی۔ دبیر نے تھک کر قدم روکے۔

''میرے آقا تم جیسے چار پانچ صبح ناشتے میں کھا جائیں۔ اگر میں نے گیم کھیلنی ہی ہوتی تو تمہاری میت پر کھیلتا زندہ وجود پر نہیں۔'' پھر سے وہی تلخ انداز، وہی دوٹوک رویہ۔ گل اپنے سر کے بال نوچ کر رہ گئی۔ اتنا تو اسے معلوم تھا وہ ان سب کو بطور اپنی ڈھال استعمال کر کے چل رہا ہے۔ نجانے اس نے ماہِ ملکہ کا کون سا اصول توڑا ہے جواب وہ یوں چھپتے ہوئے قلعے کا محاصرہ کرنے میں مصروف تھا۔ اصولاً تو اسے اپنی خودکشی کی تمنا کو پایا تکمیل تک پہچانا چاہیئے۔ موقع بھی ہے اور منزل بھی کوئی نہیں۔

وقت میں آگے آؤ اور اپنے موجود منظر میں ٹھہر جاؤ۔

سنہری بالوں والی اب تک اپنے اغوا کار کو انہیں متنفر تاثرات سے گھور رہی تھی۔ آخر چل کیا رہا تھا دبیر کے ذہن میں؟ کن تیکنیکوں پر اسکے دماغ کے پیچ پیئے کام کرتے تھے؟ عبیل اسکا بازو مکمل بھگو کر اب چپ کیئے گیلے سانس کھینچ رہی تھی۔ گل نے کھڑے ہوتے اپنا لباس جھاڑا اور پھر سر اٹھا کر شفاف آسمان سے آتی روشن صبح کو دیکھا۔

چل کر دبیر کے پاس آتے اسے اچانک عجیب آواز سنائی دیں۔ یوں جیسے کسی مرتے ہوئے کی آخری غرغراہٹ ہو۔ وہیں رکتے اس نے آواز پر دوبارہ غور کیا۔ مگر اس مرتبہ صرف غراہٹ ہی نہیں تھکی سانسوں کی آواز بھی سنائی دی۔ سنائی ہی نہیں محسوس بھی ہوئی۔

گل جان کی گردن کے بال کھڑے ہوئے۔ چیختے ہوئے مڑی اور اپنے پیچھے کھڑے انسان پر حملہ کرنے کی کوشش میں خود ہی ڈر کر کمر کے بل گری۔

وہ دو آدمی اور ایک عورت تیزی سے بھاگتے ہوئے آئے۔ گل نے آنکھیں میچ لیں۔ کچھ پل تک جب اسے ارد گرد سب خالی سالگا، آنکھ کا کونا کھولتے دائیں بائیں دیکھا۔ وہ نیم زندہ انسان لڑکوں کے بیچ رکھے ناریل پر ٹوٹے ہوئے تھے۔ منٹوں میں وہاں کا منظر بدل گیا۔ جہاں بس اڑتے پرندوں کی آوازیں تھیں اب وہاں انسانی چیخ و پکار سمیت اونچی آواز میں دانت چلانے کا بھی شور پھیل گیا۔ وہ سارے اٹھ کر ایک طرف ہوئے جبکہ وہ ہڈیوں کا ماس بنے انسان ناریل پانی کی بوند بوند پر ایک دوسرے کا منہ نوچنے کو آئے۔

www.novelsclubb.com

عبیل نے آگے بڑھ کر انہیں روکنا چاہا جب گل نے کھینچ کر اسے اپنے پیچھے کر لیا۔

"تمہیں بہت شوق ہو رہا ہے ان ذومبی جیسی مخلوقوں کے پیٹ میں جانے کا؟" سختی سے جھاڑا۔

پھل کھاتے ہوئے وہ بندے پھل کے بال بھی کھا گئے۔ نہ اس کا چھلکا چھوڑا اور شاید ارد گرد گرے پتے بھی نہ چھوڑتے۔ گل کو بے اختیار خوف آیا۔ وہ تینوں جیسے

ہی پلٹے اس نے کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ان کی گال پر ماس ہڈی سے چپکا تھا۔ ہونٹ سکڑ کر بے رنگ تھے۔ آنکھیں جیسے پپوٹے سے ابلنے کو تھیں اور گردن کی کھال لٹک رہی تھی۔ گل جان کو سو فیصد یقین تھا وہ برسوں کے بھوکے اب ان پر حملہ کرے گیں۔اس نے ذہن ہی ذہن میں اندازہ لگانا شروع کردیا۔

"کیا کافی دنوں کا بھوکا انسان آدم خور بننے پر مجبور ہو سکتا ہے؟"

"ویسے کیا وہ پہلی میری ٹانگ کھائے گیں یا پھر میرا بازو نوچے گیں؟"

"انسانی گوشت کیسا ہوتا ہے؟ نمکین یا میٹھا۔"

آنکھیں سختی سے میچتے گل جان نے اپنی الٹی گنتی شروع کردی۔ ان خالی پیٹ انسانوں کے قدم اسے قریب آتے سنائی دیئے۔اس کی اپنی دھڑکن تیز ہوئیں، گھٹنے باقاعدہ تھر تھرائیں، ہاتھ کی لرزش تیز ہوئی اور جونہی اسکے قدموں پر ہڈیوں کا بوجھ گرا وہ چلا کر اچھل پڑی۔("خدا کا شکر تھا بے ہوش نہیں ہوئی۔")

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"مجھے چھوڑ دو۔ میں مسکین ہوں۔اس گنجے کو اپنا لنچ بنالو۔مجھے جانے دو، میرا کوئی قصور نہیں۔" تیز تیز ہاتھ ملتے وہ اب باقاعدہ بخشش کی منت کرنے لگی۔

"وہ سو رہے ہیں۔" دبیر کے ٹھنڈے لہجے پر اسکے ملتے ہاتھ ٹھہر گئے۔آنکھیں بند رکھے وہ گدھوں کی طرح کھڑی رہی۔ تیز ہوا کے جھونکے بھی اسکی شرمساری کو نہ اڑا سکے۔ تیزی سے آنکھیں کھول کر دنیا دیکھتے اس نے جونہی اپنے قدموں کے قریب دیکھا اس کا دل حلق کو آیا۔وہ تینوں بے سدھ پڑے زمین پر گہری سانسیں لے رہے تھے۔

"سو رہے ہیں وہ تینوں، کچھ دیر میں جاگ جائے گیں۔" دبیر نے یوں کہا جیسے گل کے ایثار پسند خیالات اس نے اپنے نہیں کسی اور کے کان سے سنے تھے۔ گل کا دل ابھی بھی غیر مخصوص تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ نبض پر پسینے کی بوندیں ہاتھ سے پونچھتے اس نے اپنی خفت چھپانے کی خاطر ادھر ادھر دیکھا۔ کاش وہ واقعی بے ہوش ہو جاتی، کم از کم بھرم تو رہ جاتا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

★

اونچے تناور کم پتوں والے درختوں سے مزین اس راستے پر ہیبت ناک خاموشی تھی۔ گھوڑوں کی مدھم ہنہناہٹ یا کسی پرندے کا ٹہنی پر آکر جھولنے کے سوا خاموشی میں کسی دوسری آواز کا تکرار نہ ہوتا۔ وہ ماہر گھڑ سوار نہ تھے اور شومئ قسمت یہ راستہ بھی بالکل خوش گوار نہ تھا۔ درختوں کے بیچ بنے پتھر اور کنکر مسلسل ان کے گھوڑوں کو ستا رہے تھے۔ المیرا کے پیچھے بیٹھی ایک لڑکی نے تنگ آکر مشورہ دیا۔

"ہم دوسرے راستے سے نہیں جا سکتے کیا؟" سب سے آخری گھوڑے پر پیچھے بیٹھے فاطر نے نقشے کا بغور جائزہ لیا۔

"اور راستہ ہے مگر وہ ہمیں کافی دیر تک ساحل سمندر تک پہنچائے گا۔" یہ صبح کا دوسرا پہر تھا اور وہ پہلے پہر سے یونہی مےِ سفر تھے۔

"یہ تو اور بہتر ہو گیا ہم جتنی دیر سے ساحل پہنچے گیں۔ اتنا ہی کم عرصہ ہمیں جہاز کا انتظار کرنا ہو گا۔" یہ رائے فاطر سے آگے بیٹھے گھڑ سوار کی تھی۔

"اور ضروری تو نہیں صرف جہاز ہی آئے۔ اگر ہمیں بچانے کے لیئے ریسکیو ٹیم اور فورس آ رہی ہے تو کیا معلوم وہ دوسرے ہوائی ذرائع کے استعمال کو بھی ترجیح دیں۔" ایک عورت قدرے اشتیاق سے بولی۔ یہ اشتیاق اور جوش سفر کے شروعات سے قائم ہے جب سے ان پر حقیقت مکمل طور پر کھلی تھی۔ کیا جاننا چاہتے ہو وہ منظر کیا تھا؟ انہیں جنگلات میں اپنے گھوڑے پیچھے لاؤ، اونچے درختوں کے بجائے قدرے پست مگر بے انتہا وسیع درختوں کی چھاؤں تلے آ جاؤ۔ جزیرے کے اس علاقے میں بے انتہا حبس تھی۔ ان کے چغے اتر چکے تھے اور گھوڑے پیچھے گھاس چرا رہے تھے۔ کاش وہ بھی یہی گھاس کھا سکتے تو کھانے کا اتنا تکلف نہ ہوتا۔

گھوڑوں کو چھوڑتے اس قافلے پر آؤ جو ابھی جنگ سے مالِ غنیمت اکٹھا کر کہ یہاں جمع ہوا۔ ان نو دس لوگوں کے چہرے یوں آدھ کھلے تھے جیسے فاطر نے نہایت ہی

فالتو مذاق سنایا تھا یا کسی تیسرے جہاں کی کہاوت ان کے گوش گزار کی تھی۔اس کے نزدیک اتنی بے یقینی تو واجب ہے۔

"وبا کا بہانہ بنا کر وہ دھیرے دھیرے کچھ لوگوں کو عام آبادی سے الگ کرتے ہیں اور پھر ان پر مختلف تجربے یا مادنیات استعمال کر کے ان کے جین پول کے ساتھ چھیر خانی کی جاتی ہے۔ کچھ تو پہلے مرحلے پر ہی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے اور کچھ مستحکم افراد اپنا حلیہ بگڑوا لیتے ہیں۔" کماری کے ہی اقرار کو قدرے مختصر کرتے فاطر کی آواز ہر ایک کے کانوں تک پہنچی۔ گول دائرے میں بیٹھے اس مجمع کی تمام نگاہیں عین سامنے اس مکلم پر جمی تھیں۔ ہاتھ پاؤں سمیت پورا جسم بے جان اور ماؤف دماغی اتنی تھی کے کئی تو منہ بھی بند کرنا بھولے ہوئے تھے۔

المیرا نے کن آکھیوں سے فاطر کو دیکھا۔اسکے انداز میں قدرے ہچکچاہٹ تھی۔ بہادری دکھاتے انہوں نے اپنے خیر خواہ کے بنائے اصول تو توڑ لیئے تھے اب آگے کیا ہوگا......اسکی لاعلمی المیرا کو بے چینی میں ڈالے تھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

فاطر نے ایک لمبی سانس پھیپھڑوں کو بخشتے دوبارہ بولنے کی تیاری کی۔

”رکیں! رکیں! رکیں!“ ادوب کی مداخلت پر اسکا سانس راستے میں ہی ٹھہر گیا۔
”آپ کے کہنے کا مطلب ہے یہ کوئی متوازی دنیا نہیں۔ بلکہ....... ایک organ trafficking mafia کا بنایا گیا سیٹ ایپ ہے جو آہستہ آہستہ لوگوں کا شکار کرتے ہیں۔“ فاطر نے اسے ترچھی نظروں سے یوں دیکھا جیسے کہہ رہا ہو ”کافی دیر سے غالباً میں یہی بکواس کر رہا ہوں“۔

ادوب نے بھی ناپسندیگی سے سر تا پیر اسے گھورا جیسے کہہ رہی ہو ”پتہ نہیں المیرا کو تم جیسے گلے سڑے کریلے میں کیا نظر آیا تھا“۔ ان دونوں کے بیچ کباب میں ہڈی بنی بیٹھی المیرا کبھی دوست کو دیکھتی تو کبھی دنیا کو۔ ایسی صورتحال میں ایک بے چاری مظلوم لڑکی کیا کرے جب آپ کی بہترین دوست اور پسندیدہ مرد کا آپس میں چھتیس کا اکاڑا ہو۔ نہ دوست کو چھوڑ سکتی ہے، نہ دل کو۔

"لیکن وہ ان سب لوگوں کو پاس رکھتے کیوں ہیں؟" ایک شہری نے ادوب اور فاطر کی آنکھوں ہی آنکھوں میں المیرا کے متعلق جلن پر اپنے معصومیت کی ٹھنڈک انڈیلی۔ المیرا نے معاملات کی سنگینی کو سمجھتے خود ہی دونوں کے چہروں کے سامنے ہاتھ رکھتے جواب دینے کا فریضہ اٹھایا۔

"انہیں اپنے پاس رکھتے ہیں۔ نشہ کھلاتے ہیں، کمزور کرتے ہیں تاکہ بعد میں ان کے اعضا کا استعمال کر سکیں یا پھر ان پر مختلف experiment کر کے ان کو غیر انسانی توانائی دے سکیں۔" ایک ہی سانس میں جھٹ سے کہتے وہ ابھی بھی ان کے چہروں کو ہاتھ سے ڈھکے تھی۔

www.novelsclubb.com

حاضرینِ محفل صدمے کی کیفیت میں سر تھام کر بیٹھ گئے۔ المیرا فاطر نے ان کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ چکے تھے۔ سر پر سے دھوپ چھینی اور انہیں ننگے پیر برہنہ سر سمیت تپتے صحرہ میں تنہا کر دیا۔ فاطر ابولاسلام اب بغور ان کے ہر تاثر پھڑک رہا تھا۔ میدان جنگ کی فتح وہ تمام ہی شاید بھولے ہوئے تھے۔ نظروں کا

ارتکاز محسوس کرتے فاطر نے گردن پھیری۔ نجف عینک کو جیلبیہ کے دامن سے پونچھتے سوالیہ نظروں سے اسی کا معائنہ لے رہا تھا۔

فاطر کی صبیح پیشانی پر بل نمودار ہوئے۔ ”کوئی سوال ہے تو پوچھ لو یوں گھور کر خود کو تھکانے کی ضرورت نہیں۔“ عینک پر سانس چھوڑتے نجف انہیں دوبارہ چمکانے میں جت گیا۔

”تم نے کہا کہ یہ ہمارے کھانوں میں نشہ آور دوا ملاتے ہیں تاکہ اگر ہم کبھی فرار ہوں بھی تو ہر کوئی ہماری باتیں بہکے اعتراضات سمجھ کر نظرانداز کر دے۔“ اس نے عینک ناک پر رکھی اور درمیانی انگلی سے جگہ درست کی۔ ”لیکن اسکی ہلکی ہلکی مقدار دینے کی کیا نوبت؟ وہ ساری ایک مرتبہ بھی تو ہمارے جسم میں داخل کر سکتے ہیں۔“

”جس بھاری مقدار میں وہ اس ڈرگ کی خون میں آمیزش کرتے ہیں اگر ایک ہی مرتبہ کی تو شاید دل کے دورے سے تمہاری موت ہو جائے۔ علاوہ ازیں بار بار کسی

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

چیز کی موجودگی تمہاری کہیں باتوں کی credibility پر زیادہ گہرا اثر ڈالے گی۔" نجف نے سمجھتے ہوئے تائید میں سر ہلا دیا۔اس بات میں کوئی شک نہیں تھا ماہِ ملکہ کو چلانے والے ہاتھ نہایت دور اندیش تھے۔ گھٹنوں پر کہنیاں رکھتے فاطر اسلام نے لمبی انگلیاں آپس میں پھنسائی۔ہاتھ سے لے کر بازو کی کچھ رگیں نمایاں ہوئیں اور وہ قدرے آگے آیا۔زیرک اور سنجیدہ نگاہیں ہر نظر کو کسی مقناطیس کی طرح کھینچ رہی تھیں۔

"وبا کے سو کالڈ گائے (ویکسین) کے نام پر تمہیں پی این پی (PNP) ڈرگ دی جاتی ہے۔"لوگ سانس روکے اس کا ہر لفظ جذب کرنے کی محنت کر رہے تھے۔ "ابتدا میں اس ڈرگ سے تمہیں بے ہوشی کا سامنا کرنا ہوگا، پھر چڑچڑاہٹ ہوگی......بعد میں وہ دکھے گا جو وجود نہیں رکھتا، کان یا ناک سے خون بہے گا اور بلآخر تم لوگ حقیقت کو جھٹلانے لگو گے۔اگر وہ منشیات تمہیں نہ مارے تو لوگ

پاگل گردان کر کے تمہیں مار دیتے ہیں۔" اسکے الفاظ بے رحم تھے اور ان کے وار عین نشانے پر۔

ان بچ جانے والے مہروں نے سہم کر ایک دوسرے سے نظریں چرائیں۔ یہ احساس کے وہ موت کی ہتھیلی میں ہیں جو کسی بھی وقت مٹھی بند کر کے انہیں کچل سکتی ہے، یہ احساس تنہا ہی جان نکالنے کی وجہ بنے گا۔

"وہ سب اپنی زندگی کا ٹرو کرائم تھرلر جی رہے تھے۔" اس دوران اگر وہاں گل ہوتی تو یہی کہتی۔

کئی پل انتظار اور الفاظ کے ہاضمے میں بیت گئے۔ المیر افاطر ایک دوسرے کو دیکھتے نظریں پھیر لیتے جبکہ وہاں موجود کوئی اٹھ کر ٹہلتا، کوئی الفاظ با اعلان دہراتا جیسے اب تک اپنے کانوں پر ہی یقین نہ ہو اور کوئی اب تک ایک ہی گو مگو سی کیفیت میں دوزانوں ہو کر بیٹھا تھا۔

"تو وہ تمام حملے یمن .... نہیں ماہِ ملکہ ہم پر کروا رہا؟" سپاہی لڑکی کی کیفیت ایک بلبلے کی مانند تھی، سوئی چبھے تو پھٹ جائے۔ فاطر نے اقرار میں سر ہلایا۔

"وہ ہمیں اسی لیے مارنا چاہتے ہیں کہ کہیں ان کے راز نہ باہر چلے جائیں؟" فاطر ابولاسلام نے دوبارہ ہاں میں گردن ہلائی۔

"اور وہ تب تک ہم پر حملے کروائے گیں جب تک کے ہم مر نہ جائیں؟"

"یا واپس ان کے پاس نہ چلے جائیں۔" فاطر کے جواب پر سپاہی لڑکی کی آنکھیں جیسے باہر گرنے کو آئیں۔

"تو ان کے پاس واپس چلے جانا بھی تو موت ہی ہے۔" وہ دہل کر چلائی۔ فاطر نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ دور بیٹھی ادوب نے تنفر سے پہلو بدلا۔ "مجھے سیدھا جواب دیتے موت آتی ہے اس آدمی کو۔ اگر اس کی اور المیرا کی لڑائی کروادی نا تو درختوں سے سر مارے گا۔" وہ زیرِ لب عربی میں بڑبڑائی۔

www.novelsclubb.com

''انہوں نے ہمیں قلعے میں ہی کیوں ختم نہیں کر دیا جبکہ وہاں ہم انہیں کے رحم و کرم پر تھے؟'' نارنجی بالوں والی ادوب اپنے دوست کے کان میں جھکی۔

''کوسے لطیف بلاوجہ انسانی جان نہیں لیتا۔'' فاطر کی طرف سے غیر متوقع جواب پر ادوب کی آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔ (پہنچ گئی اس کے قد تک عقل؟ دل ہی دل میں طنز کیا)۔

''کون کوسے لطیف؟'' تین چار باہم آوازیں۔ فاطر نے جواب کے غرض سے المیرا کو دیکھا۔

''ان کا نمائندہ یا.....یوں کہہ لو ماہِ ملکہ کا researcher ruling (حکمران محقق)۔'' سب کو جیسے وہاں سانپ سونگھ گیا۔ یعنی ان کا کوئی سرپنچ بھی تھا۔

''اسکے ساتھی قتل و غارت کے حمایتی ہیں مگر اسے بس اپنے مقصد سے غرض ہے۔ بقول اسکے وہ انسان کے کمزور مدافعتی نظام کا علاج کر کے احسان کر رہا ہے۔ لیکن

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

اگر کوئی اس کے تجربات میں مر جائے تو اس کا الزام ان کی کمزور قوت مدافعت پر لگاتا ہے۔" فاطر کا لہجہ آخر میں کراہت اور حقارت سے بھرپور ہوا۔ بس نہ چلتا وہ اپنے باپ کے قاتلوں کی جان اپنے ہاتھوں سے لیتا۔

"کو سے لطیف کو تو ہم سب نے دیکھ رکھا ہے۔" ادوب کی بات نہیں بمب تھا۔ جتنی تیزی سے سب نے گردنیں گھمائیں اتنی ہی عجلت سے اس نے چہرے پر ہاتھ رکھا۔

"ہم سب نے دیکھ رکھا ہے۔ وہ ہمارے کروز کے سفر کا مینجر تھا۔" المیرا کی آنکھیں متجسس سی چھوٹی ہوئیں۔ ادوب تو ان سے پچھلے سفر میں تھی تو کیا۔

"ہاں! ہاں! مجھے یاد ہے....... وہ ہمارا ٹور کا ہیڈ مینجیر تھا، اس کا آفس بھی جہاز پر ہی موجود تھا۔" ایک جوشیلی آواز آئی۔"

ہاں لیکن اسے بس ایک ہی مرتبہ دیکھا تھا۔ٹور کے پہلے دن اسی کے ویڈیو میسیج نے ہمیں خوش آمدید کیا تھا۔"

فاطر اور المیرا نے بیک وقت ایک دوسرے کو دیکھا۔ کو سے لطیف تو انہوں نے بھی دیکھا ہے۔ مگر کماری نے تو انہیں کچھ اور بتایا تھا۔اخضر نگاہیں پتھرا گئیں۔امبر نظروں نے ان کا سوال پڑھ لیا۔"کیا کماری ہمیں دھوکہ دے رہی ہے؟"

"لیکن کو سے لطیف کو تو کبھی ہم نے قلعے میں نہیں دیکھا۔" نجف نے نئے مسئلے پر روشنی ڈالی۔

"کسی نے نہیں دیکھا بلکہ جب ہم نے احتجاجاً صرف یہ سوچا بھی کہ یہ ہماری دنیا نہیں ہمیں یہاں سے جانا چاہیئے۔آس پاس ہمیشہ کوئی یہی کہتا اگر ایسی بات باآواز کردی تو مارے جائے گیں۔" فاطر اور المیرا کو جھٹکا لگا۔ کماری نے اس بات کے متعلق بھی انہیں کچھ نہیں بتایا تھا۔

”میں نے جب مردوں کے منصف سے اپنا مسئلہ پیش کیا تو مجھے یہ کہہ کر چپ کروا دیا کے اگر ایسی جادوئی باتیں تم سرِ عام کرو گے تو مار دیئے جاؤ گے۔“ خواب کی سی کیفیت میں ایک درمیانی عمر کے آدمی نے کہا۔

”نجانے کتنے دن ہم نے اس بحری سفر میں گزارے تھے۔ روز ایک ہی کہانی سننے کو ملتی کے ملکہ آئے گیں، ملکہ کو دوسری حکومت پر عمال بنا کر لے گئی ہے۔“ ادوب نے گفتگو میں حصہ لیا۔ اس پہلو کے حوالے سے کماری نے انہیں مکمل آگاہی دی تھی۔

(”قلعے میں لے کر آنے سے پہلے ان کے پاس ستروین ٹور کے لوگ ایک بحری جہاز میں مقید تھے۔ ان سب کو یہی کہانی سنائی گئی کہ مصر پر لیبا کے حملے کے بعد وہ یہاں بے بس ہو چکے ہیں۔ ان کے دوسرے جہاز پر حملہ ہوا تھا اور جو بچ جانے والی عوام تھی وہ اپنی ملکہ کے انتظار میں ہیں۔“)

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

انہیں لگتا تھا وہ اپنی زندگی کے اس موڑ کے متعلق اب سب جان چکے تھے۔ غلط لگتا تھا! ماہِ ملکہ پھر ان سے ایک قدم آگے تھی۔

یکے بعد دیگر کئی راز ونہاں کے پرخچوں پر وہ دونوں اب فیصلہ نہ کر پائے کے اس کھیل میں کون ان کا مخلص ہے اور کون ان کے مقابل۔

★

آئندہ گل جان مرتی مر جائے گی کسی بحری جہاز کا سفر پیسے لے کر بھی نہیں کرے گی۔ ایک جانب پانی کا شور تھا اور دوسری طرف جنگلی دنیا کا۔ وہ بیزار ہو چکی تھی۔ کبھی کہیں سے کوئی پتنگا آکر بالوں سے چمٹ جاتا تھا تو کبھی پیچھے سے کوئی رینگنے والا کیڑا اسکی پشت کو اپنا دعوت نامہ سمجھ بیٹھتا۔

''اور کتنی دیر ہے ساحل کو آنے میں؟''یونس نے تھکے ہارے عالم میں ہانک لگائی۔ دبیر پر تھی سے آگے چلتا رہا۔ گل جان تو اسکی اداؤں پر بے ہوش ہونے کے قریب

تھی۔ کھاتا پیتا کچھ ہے نہیں بھاگ ایسے رہا ہے جیسے دس دن کا کھانا اپنے اندر جمع کر رکھا ہو۔

"گل۔" ساتھ پتھروں کو سر کرتی عبیل نے اسے پکارا۔ سننے والا کا دماغ اس وقت اتنا بگڑا ہوا تھا دل کیا عبیل کو بھی وہیں سے دھکا دے کر گرا دے۔

"تم نے میرا ہار کیوں توڑا تھا؟" جو اسے گرانے والی تھی خود گر گئی اور پیچھے چل کر آتے اس ڈھانچے نما آدمی پر جا گری۔ دونوں بے چارے کمزور وجود تصادم برداشت نہ کر سکے اور ایک دائیں گر گیا تو دوسری بائیں۔ موٹی چٹیا کندھے پر ڈالے عبیل دل کھول کر ہنسنے لگی۔ اللہ پوچھے اس سے بندہ قہقہ مارنے کے بجائے تھوڑی شرم کر کے دوست کو اٹھانے ہی آجاتا ہے۔ ہاتھوں سے گرد اتارتے اس نے دوسرے گرے وجود کو دیکھنے کی غلطی بھی نہ کی۔ اسکی حالت تو گل سے بھی زیادہ ناقص تھی، کہیں غریب دب دبا کر مر ہی نہ گیا ہو۔

منہ ہی منہ میں ہر چیز پر لعنت بھیجتے دوبارہ ان سیلن زدہ مضبوط پتھروں پر قدم جمانے کی سعی کی۔ اسے کسی دوست کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ اکیلے ہی نمبر ون ہے۔

''زیادہ گہری چوٹ تو نہیں لگی؟''

''نہیں لیکن تم دوبارہ گرادو۔ شاید اس بار لگ جائے۔'' وہ بھوکی بلیوں کی طرح پنجے مارنے کو دوڑی۔ عبیل حفاظتی اقتدام کی خاطر پہلے ہی پیچھے ہو گئی۔

''گہری چوٹ ہی لگی ہے۔'' عبیل نے آپ ہی آپ تہیہ کر لیا۔ وہ دونوں کچھ مزید اوپر آئیں۔ سمندر کا شور قریب آیا۔ ہوائیں نرم ہوئیں۔

''تمہارے ہار میں کیمرا لگا تھا، اسی وجہ سے توڑ دیا۔'' شرمساری نے آواز آہستہ کر دی۔ دبیر اس کا خیال پہلے ہی رد کر چکا تھا مگر دبیر کا اب کیا بھروسہ۔ بنگال سے آئی عبیل اپنی جگہ پر ٹھہرتے دوست کو دیکھ کر رہ گئی۔

"مگر وہ ہار تو مجھے میری چاچا نے برسوں پہلے دیا تھا۔" گل کو لگا کسی نے سمندر میں اسے الٹا ڈبو کر کس کے نچوڑا اور پھر دوبارہ پانی میں ڈبو دیا۔ در حقیقت وہ سمندر نہیں شرم کا پانی تھا جس میں اس کا واقعی ڈوب مرنے کا دل چاہا۔

بھوری آنکھوں والی وہ خوبصورت گڑیا اسکی دماغی حالت پر ترس کھا کر رہ گئی۔ گل نے تھوک نگلتے تیزی سے پتھر ٹاپنا شروع کر دیئے۔ آج کے لیئے اتنی ذلت کافی تھی۔ لیکن وہ پھر بھی نمبر ون تھی۔

دوپہر کی گرم دھوپ ان کے عین سامنے تھی۔ جونہی وہ اس چڑہائی کو پار کرتے اختتام کو آئے گل جان کی دنیا ٹھہر گئی۔ اس نے آج سے پہلے ایسی قدرت نہیں دیکھی تھی، بلکہ اس نے قدرت کو کبھی یوں دیکھا ہی کب تھا۔

دوپہر کا پہلا پہر اور سورج اپنی مکمل تمازت پر تھا۔ سبزے کا ہر حصے سنہری روشنی میں نہال تھا۔ گہرا نیلا سمندر چڑھائی سے نیچے جاتے بھورے پتھروں سے ٹکراتا۔ یخ پانی سے وہ نم ہوتے۔ نمی سے ان کا رنگ سیاہ سا لگتا جس پر چمکتے سورج کی کرنوں

کے موتی ایک عام سے پتھر کو بھی خوبصورتی کی ہر خاصیت بخش جاتے۔ گل جان کے دل سے ساری آزردگی، ناگواری، الجھن اور خوف زائل ہونے لگا۔ کچھ پل کے لیئے بس وہ تھی اور صاف آسمان پر اڑتے وہ پرندے۔ اس نے آنکھیں بند کر دیں اور بازو پھیلاتے اس شفاف ہوا کو اندر اتارا۔

آب، آبر اور آفتاب داغ دار تھے۔

ہاتھ پہلو میں گراتے وہ خوش دلی سے گھومی۔ اسکا چغہ اور لباس بھی ساتھ گھوما۔

"کتنی خوبصورت جگہ ہے۔" عبیل نے چڑہائی کے آخر تک جاتے خواب ناک کیفیت میں کہا۔ وہاں سب محظوظ تھے، پر شوق تھے سوائے دبیر کے۔ وہ اپنی عادت کے مطابق سب سے سائے دار درخت کی چھاؤں میں جا کر دوزانو ہو گیا۔

گل کی نظر اس پر پڑی تو اس نے جان بوجھ کر ناک چڑھائی۔

"خود محنت کرنی نہیں بس ہر وقت کونے میں بیٹھ کر غم ہی منانا ہے۔" پرانے اوقات ہوتے تو وہ بھی وہیں جا کر بیٹھ جاتی کہ دبیر کو کسی کی پرواہ نہ کرنا کہیں برا نہ لگ جائے۔ اب کی گل چاہتی تھی اس کو برا لگا، اتنا لگے کے وہ رو پڑے، روتے روتے بھیک مانگنے لگے۔

وہ ساتھ آٹھ لوگ یونہی جوش خروش سے اس نرم سی دھوپ اور ملائم گھاس کا مزہ لیتے اس بات کو مکمل نظر انداز کر گئے کے اس وقت وہ موت سے عین کچھ میل دور ہیں۔ زیادہ دیر تک نہیں رہے گیں۔ بھاری چاپ کی آواز پر ان کی موت سے اتنی دوری بھی ختم ہو گئی۔ چاپ مزید بلند ہوئی۔ وہ تمام اپنی بے فکری چھوڑتے ٹھہر گئے۔ گھوڑوں کے چلنے کی گونج بتاتی تھی وہ ایک نہیں کئی ہیں، یقیناً ان کے تعاقب کار تھے۔

www.novelsclubb.com

"وہ آگئے ہیں گل۔" عبیل نے ڈرتے ہوئے سرگوشی کی۔ گل جان نے پلٹ کر دبیر کو دیکھا اور پھر اسی تیزی سے بھاگ کر آتے ہوئے اسے گریبان سے دبوچا۔ آج تو وہ اس کی لاش پانی میں پھینک کر ہی چھوڑے گی۔

"یہ سب تم نے کیا ہے نا۔ تم ان کے وفادار پالتو ہو۔ جان بوجھ کر ہمیں یہاں لائے ہو تا کہ پکڑے جاسکے۔" اسے گردن سے دبوچے وہ مغلظات بک رہی تھی۔ دبیر اسکے ہاتھ جھٹکنے کے بجائے مسکرانے لگا۔ ننھے دانت اور صاف مسورے قدرے واضح ہوئے۔ آج گل کو اسکی مسکان معصوم نہیں منحوس لگی۔

دبیر کو پوری قوت سے دھکا دیتے وہ بیٹھ کر اسکا لباس ٹٹولنے لگی۔ "میرا ہتھیار کہاں ہے؟" وہ حلق کے بل دھاڑی۔ دبیر کی خاموش رک کر نکلتی ہنسی بلند ہوئی۔ وہ یوں ہنس رہا تھا جیسے ساری زندگی کی کسر آج ہی پوری کردے گا۔ گھوڑوں کے ٹاپنے کی آواز قریب تر تھی۔ گل نے ارد گرد نظریں گھمائی اور دور گری ہوئی بھاری ٹہنی اٹھاتے باقیوں کے ساتھ آئی۔ وہ مر سکتی ہے، گھٹنے نہیں ٹیکے گی۔

پسِ منظر میں دبیر السازار وقفہ لیئے بنا ہنس رہا تھا۔ عین منظر میں دوسری طرف سے بنے درختوں میں سے گھوڑے نمودار ہو رہے تھے۔ گل نے اپنے قدم سختی سے زمین پر جما لیئے۔ چہرے پر آتے بال فضا اپنے ساتھ اڑانے لگی۔ چشمے کا ٹوٹا آئینہ اس قافلے کو اندر آتا دیکھ رہا تھا۔ گل کو لگا اسکا چشمہ واقعی ٹوٹ چکا ہے۔ پیچھے کھڑے گروہ کا تناؤ بھی یوں ہی کچا پڑا۔ گل کے اپنے قدم آہستگی سے سیدھے ہوئے۔ یا تو اسکا دماغ خراب ہو گیا ہے یا پھر واقعی ان گھوڑوں پر المیرا، فاطر، ادوب اور بیشتر مانوس چہرے موجود تھے۔

"اے گولڈن گرل!" گھوڑے پر ہی بیٹھی المیرا نے تیزی سے ہاتھ ہلایا۔ وہی بھری گالیں اور چالاک آنکھیں۔ گل جان کے تنے اعصاب ڈھیلے ہوئے۔ یعنی اس کا دماغ اب بھی صحیح ہے!

چوکنا کھڑے ہاتھ از خود پہلو میں گرے۔ موت کے کنواں میں کسی آشنا کا چہرہ دیکھنا روح پر سکون بن کر اترتا ہے۔ فوراً سے ٹہنی ایک طرف پھینکتے وہ اندھا دھن

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

بھاگتے ہوئے گھوڑے سے اترتی المیرا اسے آ لگی۔ گل نے کبھی خواب میں بھی یہ سوچا نہ تھا ایک دن اس عورت کا چہرہ دیکھ کر اسے اِس قدر خوشی ہو گی۔ اب یہ خوشی المیرا کو دیکھنے کی تھی یا اپنی صحیح دماغی حالت کے آشکار پر، وہ ذرا مگرمچھ کے آنسو بہالے پھر سوچے گی۔

حیران اور کافی حد تک پریشان کھڑی المیرا اتنی الجھی ہوئی تھی ہاتھ اٹھا کر اسکے گرد بازو بھی نہ پھیلا سکی۔ اسکی کمر کے گرد گھیرا ڈالے گل جان گال اسکے کندھے پر رکھے ہوئے اونچی آواز میں رونے لگی۔ یوں جیسے کھوئے ہوئے بچے نے بازار میں اپنی ماں کو دیکھ لیا ہو یا شادی شدہ بیٹی کو ماں جلادی سسرال میں ملنے آئی ہو۔

''میں مری نہیں ہوں گولڈن گرل۔''المیرا نے ماحول کا تناؤ کم کرنے کی ناکام کوشش کی۔

''تبھی تو رو رہی ہوں۔'' گل کے سسکنے میں مزید روانی آ گئی۔ المیرا نے مکمل پیچھے ہو کر اسے دیکھا۔ یہ کیا مذاق ہو رہا تھا؟ کسی کے سامنے بھی نہ رونے والی آج سب

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

سے قابلِ نفرت شخص کے سامنے ہچکیاں لے کر رو رہی تھی۔ کیا عجب منظر تھا۔
اُدھر ایک آشنا لیٹے قہقہہ لگا رہا تھا،اِدھر ایک آشنا سینے سے لگی رکتی سانسوں کے بیچ رو رہی تھی۔

★★★★

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

باب منصف

ملنے ملانے کا سلسلہ ختم ہوا اور اب وہ سب باقی موجود لوگوں سے حقیقت گوش گزار کر رہے تھے۔ گھوڑے ایک طرف بندھے تھے۔ لوگ دائروں کے طرز میں بیٹھے تھے۔ گل اپنے تیسری بار کی سبکی پر چہرہ چھپا رہی تھی اور سامنے لگے میلے کا خاموش تماشائی اندر ہی اندر ان سب کی حرکات سمجھنے کی کوشش میں بھی نا سمجھ ہی تھا۔ ''آخر ایسا کیا تجسس؟ اتنی بھی کیا خوشی؟''۔

دبیر کو اب تک کسی نے نہیں پکارا تھا۔ فاطر نے تو اس پر ایک نظر ڈالنے کا بھی تردد نہ کیا۔ وہ المیرا نہیں تھا جسے کسی کا نظر انداز ہونا تیر کی طرح چبھے۔ وہ دبیر السازار تھا جسے کسی کی اہمیت مل جاتی تو اسے زہر کی طرح وہیں تھوک دینا ضروری سمجھتا۔

سر جھکائے، کن آکھیوں سے کسی کا کہتا چہرہ اور کسی کا ہونق ہوتا رنگ دیکھتے وہ درخت کی چھاؤں تلے تھا۔ توقع کے برخلاف اسکی چھاؤں میں انسانی سایہ مخیل ہوا۔ مروتاً سر اٹھاتے اس نے آنکھیں چھوٹی کر لیں۔ آنے والی عورت نے غلطی سے بھی سورج کو اپنی پشت سے ڈھکنے کی کوشش نہ کی تھی۔

"تمہیں بھی گالی بکنی ہے؟" بیزار تو ایسے تھا جیسے بارہ گھنٹے کا روزگار ہو۔

"باذاتِ خود لعنت کو بھلا کیا گالی دوں۔" المیرا نے نخوت سے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ دبیر کے چہرے پر باقاعدہ ناپسندیدگی کا تاثر صاف نظر آیا۔ گردن پیچھے پھینکتے وہ پاؤں پھیلا کر بیٹھ گیا۔

"مجھے مارنے کا حکم کیوں ملا تھا؟" بغیر لگی لپٹی کے سیدھا مدعے پر آئی۔ دبیر بند آنکھوں کے پار خوشی سے مسکرایا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

''تمہارے خادم کے پیٹ میں بھی کوئی بات نہیں رہتی۔'' طنز تھا، ضرب نشانے پر لگی۔

''ہم دوست نہ صحیح ایک زمانے میں واقف کار تھے، کیا تمہیں اس تعلق کا بھی لحاظ نہیں؟'' سر پر کھڑی عورت نے تاسف سے کہا۔

''تعلقات کیا چیز ہیں بمبل بی؟ ذرا کوئی آپ کے مزاج کے خلاف یا مطابق جائے وہیں تعلق کی نوعیت بدل جاتی ہے۔'' بھوری آنکھیں دور تک پھیلے سمندر کے حسن میں خیرہ ہوئیں۔

''تمہارے فلسفے اچھے ہیں، جب کبھی خیر سے مر جاؤ گے انہیں چھپوا کر کباڑ خانے کو بیچو نگی فلحال...... مجھے میرے سوال کا جواب چاہیئے۔'' وہ پاؤں کے بل بیٹھی، ایک گھٹنا زمین کو چھوا۔

''مجھے مارنے کا حکم کیوں ملا تھا؟''

"جب تم شیر کی کچھار میں ہاتھ ڈالو گی، شیر تو وار کرے گا۔" المیرا اس ذو معنی گفتگو پر الجھی۔

"تمہارا سارا ذور تہ خانے کو دیکھنے پر تھا اور وہاں کیا ہے یہ تو جانتی ہی ہو؟ میں نے تبھی منع کیا تھا کے ادھر جانے کی اپنی ضد چھوڑ دو لیکن تم تو سنتی کم اور بولتی زیادہ ہو۔" المیرا نے سٹپٹا کر ادھر ادھر دیکھا۔ خجالت اس کے پھولتی گالوں پر نظر آئی۔

"اس کا تو یہ مطلب نکلتا ہے تم مجھے مارنا چاہتے نہیں تھے بس مجبور تھے۔" ایک ادا سے جتاتے وہ اپنی گھبراہٹ کو ڈھکنا چاہتی تھی۔ دبیر چند پل اسے خالی چہرہ لیئے دیکھتا رہا۔ دھوپ تلے اسکے گال کا نشان کچھ ابھرا سا تھا۔

"تم صرف یہ سوال کرنے تو ہر گز یہاں نہیں آئی۔" اپنے ازلی انداز میں پوچھا۔ المیرا پہلے چونکی، پھر محظوظ ہوئی اور پھر سر ہلا کر وہیں بیٹھ گئی۔

''تمہاری بس ایک یہی عادت اچھی ہے۔کم لفظوں میں پوری بات سمجھ جاتے ہو۔'' وہ رازداری سے آگے آئی۔ ''کیا تم نے بھی ماہِ ملکہ کے ساتھ بغاوت کرلی؟'' المیرا کے سنجیدہ سوال پر اسکی آبرو قدرے قریب آئیں۔

''بھی؟..... کیا کسی اور نے بھی بغاوت کی ہے۔'' المیرا نے کچھ تیزی سے گردن اوپر نیچے ہلائی۔

''کس نے؟'' اس کا تجسس گہرا تھا۔

''کماری نے۔'' دبیر اب بھی الجھا سا رہا۔ ''کماری نے بھی کھلم کھلا ماہِ ملکہ کی بغاوت کی ہے۔'' دبیر نے چند پل تو ان الفاظ کے معنی کو ہی سلجھانے میں لگا دیئے اور پھر جب سمجھ آیا عام سے لہجے میں معلوماتی اضافہ کیا۔

''بمبل بی، کماری نے کوئی بغاوت نہیں کی۔'' المیرا کے لب کھلے۔ ''وہ اب بھی ماہِ ملکہ کے لیئے کام کرتی ہے۔ وہی جزیرے پر چن چن کر لوگوں کو مار رہی

ہے۔''لب تو کھلے ہی تھے جبڑا بھی ہاتھ میں آ گرا۔آواز آتی اور بہری سماعت سے دوبارہ پلٹ جاتی۔دل بھی بند ہو کر خاموش ہوا۔المیرا کو کسی نے اونچی چوٹی پر سے گراتے پانی میں پٹخ دیا۔ ہوا کے جھونکے اسکے آر پار ہوئے۔ جسم پر اتنی تیز جھر جھری آئی کے وہ یک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم یہ......تم اتنے یقین۔''کیا اس کا شک واقعی سچ تھا یا یہ دبیر کا جھوٹ ہے۔دبیر نے لطف اندوز ہوتے ہونٹ کنارے سے اٹھائے۔

''کیا تمہیں واقعی لگا تھا کماری تمہارے ساتھ ہے؟''سینے پر رکھا ہاتھ جیسے برف ہو گیا۔نرم دھوپ تلے اسکے جسم کا ہر اعضا جھلسنے لگا۔وہ فخر سے اسکا سائبان کھینچ چکا تھا، المیرا کو سمجھ نہ آیا اب کس کونے سے خود کو ڈھکے۔ فاطر اسلام کی تفتیشی نظریں انہیں دونوں پر مرکوز تھیں۔

★

کہانی کو یہی روکتے ہیں، کچھ دیر کے لیئے ماضی کے ان سوالوں کا جواب تلاشتے ہیں جن کو ادھورا چھوڑے ہم اِن راہوں پر مسافر ہیں۔

کہانی اس مہرہ کی جس نے تحفظ کو جنم دیا

چاندنی کھڑکی کا ایک وسیع سایہ بنا رہی تھی اور اس سایہ کے اختتام پر ایک کرسی تھی۔ مگر وہ کرسی خالی نہ تھی۔اس پر بیٹھا دبیر عجلت سے مسلسل پیر زمین پر مار رہا تھا۔اسکا نچلا دھر روشنی میں تھا۔بقیہ جسم کمرے کے اندھیرے کا حصہ لگتا تھا۔

کمرہ یقیناً شاہانہ تھا۔اونچی دیواریں اور بیچو بیچ ایک لکڑی کی کرسی۔ تبھی ویرانی کا سکتہ ٹوٹا اور کمرے کی در و دیوار سے قدموں کی چاپ ٹکرائی۔ دبیر کے ہلتے پیر رک گئے۔ قدموں کی چاپ قریب بڑھتی آئی۔ البتہ آنے والا شخص بہت دھیرے دھیرے چل رہا تھا۔ محتاط قدم، شاید وہ اپنے قدموں کی حیثیت جانتا تھا کہ کیسے یہ چاپ کسی کو زندگی اور موت کی سولی پر لٹکائے ہوئے ہے۔ قدم رک گئے۔ دبیر

کی گردن سے پسینے کی ایک پتلی لکیر پھسلتی ہوئی شرٹ کے کالر میں جذب ہو گئی۔ کرسی کے ہتے پر آنے والے نے اپنا برفیلا ہاتھ پھیرا۔

"دبیر السازار؟" بے حس کھنکتا لہجہ جیسے نام کی تصدیق مانگی ہو۔ دبیر اپنی ریڑھ کی ہڈی میں جھجھلاہٹ محسوس کر سکتا تھا۔ ارد گرد کی فضا سے اچانک اس کا حلق جلنے لگا۔ کالر ڈھیلا کرتے آکسیجن کو اندر آنے دیا۔ پوری گردن پسینے سے تر تھی۔ آنے والا چاندنی کے راستے کے درمیان حائل ہوا۔ اونچی میز کرسی پر بیٹھ کر پیچھے ہوتے اس کا آدھے مکھ پر سرمئی روشنی آکر ٹھہر گئی۔

ماہِ کامل کے نقش چاندنی جیسے ہی حسین تھے۔ دبیر نے بے غیر ہوتی کیفیت پر قابو پاتے نظریں ملائیں۔ انتظار ختم ہوا اب آگے کا مرحلہ زیادہ کٹھن تھا۔

"کیسے ہو دبیر؟" مرد نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ گردن سے لے کر ہاتھوں کو جگ مگ ہیروں میں بھرے لباس سے ڈھکے وہ کرسی کو آگے پیچھے گھمانے لگی۔ عنابی لب متاثر ہوئے مسکرائے۔

"کیا تم میرے متعلق کچھ جانتے ہو؟" بیرے کے عام سیاہ سفید لباس میں ملبوس اس نے جواباً انکار کیا۔ کامل نے سر ہلا کر میز کا خانہ کھولتے بنا آواز پیدا کیئے ہاتھ مارا۔

"کیا تم جانتے تھے کہ یہاں تم سے ملنے میں آؤنگی؟" سرمئی سی ڈبیا برآمد کرتے اس نے سگریٹ نکالتے لبوں میں دبایا۔ دبیر نے دوبارہ سر دائیں بائیں ہلایا۔ کماری کی شفاف پیشانی پر بل آئے۔ ایک کہنی کے بل پر آگے آتے اس نے آنکھیں چھوٹی کیں۔

"تم بول سکتے نہیں ہو یا بولنا چاہتے نہیں ہو؟" اس بار تو دبیر نے جواب دینے کا بھی تردد نہ کیا۔

"بری عجیب مخلوق ہو بھئی۔" ہنس کر کہتے اس نے سگریٹ جلایا۔ "خیر مجھے کیا سلیکا بھی کوئی کم عجیب مخلوق نہیں۔" سلیکا کے ذکر پر دبیر کی بے سکونی ہوا ہوئی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

تھک کر سانس لیتے ماہِ کامل نے گردن پیچھے گرادی۔ کچھ دیر کمرے میں بے آرامی سی رہی، دونوں فریقین کچھ نہ بولے۔

''سلیکا کو کب سے جانتے ہو؟'' کامل کا انداز کھویا کھویا سا تھا۔

''پانچ سال پہلے ملاقات ہوئی تھی۔'' اس نے چپ کا روزہ قضا کیا۔

''صرف ملاقات ہوئی تھی یا تعلقات بھی بنے تھے؟'' گردن پیچھے گرائے وہ پاؤں کی مدد سے کرسی گھمانے لگی۔ دبیر نے لب مقفل رکھے۔ کامل نے پیچیدگی سے چہرہ اٹھایا تو وہ اسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

www.novelsclubb.com

''جواب دو گے یا سیل ختم ہو گئے ہیں۔'' دبیر نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''میں اس کے لیے کام کرتا تھا۔ جس جامعہ میں پڑھتا تھا وہاں اسکے حکم پر منشیات بیچا کرتا۔'' اس نے ثابت قدمی سے اعتراف کیا۔ نہ کوئی شرمندگی، نہ ہی کوئی ملال۔

''اور اس کے بدلے وہ تمہیں کیا دیتا تھا؟'' سگریٹ کو سامنے رکھے راکھ دان میں بجھاتے وہ جھولتی کرسی چھوڑتے کھڑی ہوئی۔ نیلی سرمئی روشنی میں اس کا سراپا مکمل آیا۔ دبیر نے ضبط آزمائی کرتے جملہ گھڑا۔

''میں مجبوری میں کام کرتا تھا.......کچھ ادھار دینا تھا اس کا۔'' اسکے نظریں جھکانے پر کامل کی دلفریب ہنسی آہستہ سے اونچی ہوئی۔ چلتے ہوئے وہ میز کے سامنے رکی۔

''قسمت دیکھو اپنی ادھار اتارنے کے بعد بھی تم آج یہاں ہو۔'' کمر میز سے جوڑتے اس کے لمبے سنہری بال میز کی سطح سے ٹکرائے۔

''کیا تمہیں کسی نے کبھی بتایا نہیں لڑکے۔ توبہ کے باوجود بھی شیاطین کے وسوسے ختم نہیں ہوتے۔ تم ایک بار بدی کا احسان لو گے، بدی اپنے احسان کا بدلہ بار بار مانگے گی۔''

www.novelsclubb.com

"تو کیا یہی وجہ ہے کہ تم بھی شر کی ہر شاخ سے ہاتھ ملاتی ہو؟" ماہِ کامل لمحے بھر کو جم سی گئی۔ کھڑکی کے سائے اسکے تاثرات میں ابہام ڈالنے کو بہت تھے۔ دبیر نے اسکا لاجواب ہو جانا باخوبی محسوس کیا۔ حلقوں میں چھپی آنکھیں فتح کی چمک سے بھر گئیں۔ کامل کی گھبراہٹ اگلے ہی پل زائل ہوئی۔

"اور تم نے کہا تھا کہ میرے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے؟ تم نے ملاقات شروع ہی جھوٹ سے کی ہے۔" بھرپور مسکراتے اس کے لب اوپر کو اٹھے۔ "تمہارے ساتھ کام کر کے اچھا لگے گا دبیر السازار۔" عورت کا سایہ چاند کی روشنی تلے قد آور تھا۔ مسکرا کر سر کو خم دیتے جیسے ملاقات میں سفید جھنڈا لہرا دیا گیا۔

www.novelsclubb.com

"میں متجسس تو نہیں ہوں مگر۔" دبیر کے الفاظ پر وہ جو پلٹ رہی تھی بیچ میں رکی۔ "کیا تمہیں واقعی سلیکا کا اعتبار ہے؟" مرد کا لہجہ اسکے پہلے جملے کی گواہی تھا، وہ واقعی متجسس نہ تھا۔ عام خالی احساس سے عاری آواز۔

کامل یقین سے مسکرائی۔ ''سلیکا کوئی فرشتہ نہیں اور نہ ہی یہ جنت ہے۔'' گردن پھیری تو مسکراہٹ برقرار تھی۔

''یہاں ہر کوئی گدھ ہے اور چاروں اور جنگل۔ طاقت چاہئے تو نوچ لو۔ مال چاہیئے تو مردہ کو بھی نہ بخشو۔'' تند و تیز لہجے میں اس نئے آمدی کو پرانے قانون سے آگاہ کرتے وہ مکمل طور پر پرسکون تھی۔

''مجھے کسی کی بھلا کیا ضرورت ہو گی میرے تو نام میں ہی کامل آتا ہے۔'' بال جھٹکتے وہ باہر کی اور مڑ گئی۔ ''مجھے سلیکا کو نہیں اسے میری مدد چاہیئے۔ جو کام اس کو کروانا ہے وہ میرے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔ اور جس چیز کی مجھے چاہ ہے وہ اس سمیت ہر کوئی دلا سکتا ہے۔'' وہ جس سست چال سے چل کر آئی تھی اس کے متضاد جارجانہ اور تیز قدم اٹھاتی باہر چلی گئی۔ اب اس کمرے میں بکھرے سائے تلے دبیر السازار ایک مرتبہ دوبارہ سے تنہا تھا۔

★

مہروں کی کہانی یہاں تمام نہیں ہوتی۔ وہ بساط پر بچھی چالوں کی جیت ہار کے ضامن ہوتے ہیں۔ کچھ ایسا ہی حال تاش کے اس کھلاڑی کا بھی تھا۔ جو اپنی مٹھی میں کھیل کا آخری پتا دبائے درست وقت کا منتظر تھا۔

ان تین کے جاتے ہی اس شکایت کمرے میں خاموشی دوبارہ غالب ہو گئی۔ ستارے اور چاند کے نقش و نگار سے تراشی دیوار کی دوسری طرف دبیر کا جھکا سر دکھا۔ سفید کپڑے میں لپٹا وہ پہلے سے بھی چھوٹا لگا۔ چھوٹی میز پر کتاب کھلی تھی اور ہاتھوں کی چھلی انگلیاں سیاہی کے دھبوں سے داغدار تھیں۔ ایک طرف کو نقشہ پھیلائے وہ اسے بے مقصد گھور رہا تھا۔ اب وہ اسے نہیں کیسے بتائے یہ فرار، یہ دنیا سب فریب تھا۔ کھلے کاغذ پر بیشتر ادھورے مکمل سکیچ بنائے دبیر السازار اپنے کھوئے ہوئے شوق کو دیکھ رہا تھا۔ دور کہیں سے سمندر کی تلاطم خیز لہروں کی آواز گونجی۔

"todo ira bién" (سب اچھا ہو جائے گا۔) آنکھیں بند کرتے گرم سانس لبوں سے جدا کی۔

"todo ira bién".''(سب اچھا ہو جائے گا۔) بند آنکھوں سے وہ مدھم سرگوشیاں کر رہا تھا۔ وہ وہاں اکیلا تھا، خاموشی اسکی واحد ہم سفر۔ تبھی کمرے کا دروازہ احتیاط سے کھلا اور بند ہوا۔ یقیناً کوئی شکوہ لے کر آیا ہو گا۔ اسے کیا؟ اس نے اَن سنی کر دینا تھا۔ سرگوشیاں ابھی بھی جاری تھی۔ دھیرے دھیرے جھکتے ماتھا کتاب سے جا لگا یا۔

"todo ira bién".''ہاتھ میں تھاما قلم دو انگلیوں کے درمیان گھماتے وہ پر سکون ہو رہا تھا۔

''دبیر السازار۔''پہلے کیا تھا؟........اسے کچھ معلوم نہیں۔ سمندر کی شاندار لہریں، اس کے ہاتھوں کی ہلچل یا اس کے دل کی دھڑکن۔ سب کچھ جیسے ایک وقتی وقفے میں چلا گیا اور جب اس وقفہ سے لوٹا تو ہر شے کی رفتار دس گنا بڑھ گئی۔ سمندر کی لہروں نے شور کیا، ہاتھوں کی کپکپاہٹ بے تحاشہ ہوئی اور دل کی دھڑکن بے قابو۔

دبیر السازار نے منٹ ضائع کیئے بنا سر اٹھا کر جالی کے پار دیکھا۔ منظر غیر واضح تھا مگر اسے تصدیق کے لیئے کسی چہرہ کی ضرورت نہیں تھی۔ اس آواز کو وہ اپنی بے خودی میں بھی شناس کر سکتا تھا۔ تانبے اور لکڑی کا بنا وہ جہاز چاند کی روشنی استعمال کرتے خود کی خوبصورتی میں اضافہ کر رہا تھا۔ اس بات سے انجان کے وہ ظاہری خوبصورتی خود میں کس قدر بد نمائی چھپائے ہوئی تھی۔

"کوسے لطیف۔" دوسری طرف بیٹھا مرد بشاشت سے مسکرایا۔ یعنی اس کا ملازم اسے بھولا نہ تھا۔ ماحول کچھ دیر یونہی خوش گوار رہتا اگر دبیر یک دم اس بار کو ایک طرف ہٹاتے اس پستہ قد مرد پر جھپٹ نہ جاتا۔ ذمین پر لگائے وہ اپنے گھٹنوں سے اسکا سینہ دبا رہا تھا اور ہاتھوں تلے اسکی نبض مچل رہی تھی۔

"ہمارا یہ وعدہ نہیں ہوا تھا۔ ہمارے بیچ اس متعلق کوئی معاہدہ نہیں ہوا ہے۔" زمین پر لیٹا مرد مسکرایا۔ شر سے بھری چالاک مسکراہٹ، ایک دم المیرا جیسی۔

''تم نے اپنی جان میرے پاس گروی رکھوائی ہے۔''کوسے نے نہایت اطمینان سے اسکی کلائیاں دبوچی۔ ''پھر چاہے میں اس جان کو کیچڑ میں پھینکو یا عرش پر بٹھاؤ، تم سوال نہیں کر سکتے۔''ایک ہی حرکت میں دبیر کی دونوں کلائیاں پکڑ کر مکمل موڑتے وہ اس کمزور سے آدمی کے پورے بازو میں درد دے گیا۔ اپنے ہاتھوں کو تھامتے دبیر نے چیخ اندر دبائی۔ دوسرے طرف کوسے نے کھڑے ہوتے پاؤں کا بھرپور ڈھڈا اسکے معدے میں مارا۔ دبیر کے پرانے کئی زخم ادھڑ گئے۔ پل بھر کو اسے لگا جیسے سارے اعضا ہل گئے ہوں۔

''تم ماہِ ملکہ کے پیادے ہو۔ سب سے نچلے طبقے کا غیر اہم رکن۔ میں تمہیں جس بھی سمت موڑنا چاہوں موڑ سکتا ہوں۔ کون روکے گا مجھے؟''مغرور لہجہ اور آواز میں بے حسی لیئے اس نے پاؤں دبیر کی گردن پر رکھا۔ ہسپانوی کا سانس اکھڑنے لگا۔ وہ جتنا اپنے مالک کو ہاتھوں سے دور کرتا وہ اتنا اپنے پاؤں سے اسکی شہ رگ پر دباؤ بھراتا۔ پیچھے ہوتے اس نے جونہی دبیر کو آزاد کیا ایک لمبی سانس لیتے اسکا سارا

www.novelsclubb.com

وجود اوپر کو اٹھا۔ کھانستے ہوئے وہ دہرا ہونے لگا۔ ہلکی زرد رنگت کان تک سرخ ہوئی۔

”یہ کہانی میری ہے، یہاں کا شاہ اور قاضی دونوں میں ہوں۔ تمہاری آزادی اور موت دونوں میرے ہاتھ میں ہے بہتر یہی ہے جس موڑ پر تمہیں ہلاؤ وہیں قدم جمائے رکھنا۔“ جھکتے ہوئے وہ مسکرایا۔ روشن دان سے آتی چاندنی اسکے بالوں سے خالی سر پر رکی۔

”Welcome to the abyss of dead (مرنے والوں کے پاتال میں خوش آمدید)۔“ دبیر کے بے دم ہوئے گال پر ہلکی سی تھپکی دیتے وہ موت سی سیاہ آنکھوں والا مرد اٹھ کھڑا ہوا۔ دبیر کا نچلا دھڑ اب تک لرز رہا تھا۔ سانس الگ سینے میں ہی پھنسا تھا اور ریڑھ کی ہڈی کی پلیٹیں جگہ سے ہل چکی تھی۔

اس کے بعد دبیر نے اعتراضات کی غلطی نہ دہرائی۔

اسے کہا گیا کھانوں میں دوا ملا دو، اس نے ملا دی۔ حکم دیا گیا کہ عبیل کو یہ باتیں پہنچاؤ، پہنچا دی۔ اقبال کی ذمہ داریاں سونپی گیں، سر جھکا کر مان لیں۔ ہر ایک دن کبھی وہ سفید ڈبے پر کھڑا ہوتا تو کبھی پاؤں تلے سیاہ مربع ہوتا۔ وہ خاموش تھا، کیونکہ اس کی آزادی ایک دن سب سے بڑا شور مچائے گی۔

★

ماضی کے قصے تمام ہوئے، کتاب کو بند کر کے دھول کے غباروں کے حوالے کر دو اور چلے آؤ اس دور میں جہاں امید تھی مگر امن نہ تھا، شواہد تھے مگر شکوک بہت تھے، جہاں ساتھ تھا مگر حق محدود تھا۔

"اور تمہیں لگتا ہے وہ سچ کہہ رہا ہے۔" المیرا کوئی بات پیٹ میں رکھ لے ایسا بھی کبھی ہو سکتا ہے؟ جب تک ڈھول پکڑ کر شہر کے کونے کونے تک بات نہ پہنچا دے اسکے حلق سے اگلا نوالہ نہیں اترتا۔ اس وقت بھی وہ فاطر اور گل کے سامنے کھڑی دبیر کی کہی بات پر ان کا تجزیہ سننے آئی تھی۔ دوپہر کا پہلا پہر ڈھل رہا تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"وہ ہم سب کی آنکھوں میں ایک مرتبہ دھول جھونک چکا ہے تم دوبارہ کیوں اسی کے اشاروں پر ناچنا چاہتی ہو۔" گل نے اپنی پہلی بات میں اضافہ کیا۔ درخت کی ٹیک چھوڑ کر سنجیدہ ہوتے اس نے کن آکھیوں میں ہی دور اونگھتے اپنے سابقہ ساتھی کو دیکھا۔

"وہ صرف ایک مہرہ ہے گل۔ بالکل ویسے جیسے کماری ہے۔"

"مگر کماری نے دوستی کے لبادے میں دھوکہ نہیں دیا۔" وہ ایک دم المیرا کے سامنے آئی۔ فاطران دونوں کے مقابلے سر جھکائے گہری سوچ میں غرق تھا۔

"دوستی کا دعوہ تو کبھی دبیر نے بھی نہیں کیا تھا۔" المیرا نے قدرے ضبط سے کہا۔ وہ اپنی چھٹی حس کو اب مزید نہیں ٹال سکتی تھی۔

"تم دبیر کا دفاع کر رہی ہو؟" گل کا انداز یوں تھا جیسے کسی غلیظ شے کے بارے میں بات کی ہو۔

"اس آدمی کا دفاع جس نے تمہیں جان سے مارنے کی کوشش کی ہے اور نہ صرف تمہیں فاطر کو بھی مارنا چاہا ہے۔" المیرا نے اس مرتبہ سر کھپانے کے بجائے فاطر کی طرف چہرہ جھکا لیا۔ شہادت کی انگلی پر انگوٹھا پھیرتے المیرا کو معلوم تھا اسکا ذہن اس وقت کسی سوچ پر پہنچا ہے۔

"ابو اسلام!" بیٹھنے سے پہلے نام پکارتے وہ فاطر کو متوجہ کر گئی۔ سپاٹ سا چہرہ لیئے وہ اب بھی انگلیاں ایک دوسرے پر پھیر رہا تھا۔ "ہم کہتے تھے نا کماری اور دبیر کی فطرت بالکل ایک جیسی ہے۔ دونوں ہی ہمارے دشمنوں کے ساتھی ہیں، دونوں ہی نہ ان کے ساتھ مخلص ہیں اور نہ ہی ہمارے ساتھ۔"

"یہ بات تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟" اسکی رائے بیچ راہ میں رد کرتے گل اسکے کندھے کے پار بیٹھی۔ "دبیر ان کے ساتھ وفادار ہے اور کماری ہمارے ساتھ۔" وہ مکمل اعتماد لیئے بولی۔

المیرا نے کندھے ڈھیلے چھوڑتے اسے ہمدرد نظروں سے دیکھا۔ ”دبیر کو ان کے ساتھ وفا نبھا کر کیا ملے گا اور کماری کو ہماری طرف داری کر کے کیا نصیب ہوگا؟“ گل نے جتاتی آبرو بلند کی جیسے یہ تو کوئی سوال ہی نہیں۔

”ظاہر ہے دبیر کو وہ......وہ۔“ بہت دیر تک الفاظ تلاشنے کے بعد بھی وہ خالی زبان رہی۔ پیسہ؟ دبیر کی خواہش نہیں بلکہ دبیر کی تو کچھ خواہش نہیں۔ المیرا کی منتظر نگاہیں لمحے کو بھی اس سے نہ ہٹیں۔ خشک لبوں کو تر کرتے اس نے ہچکچاہٹ چھپانا چاہی مگر اب کیا فائدہ صبح سے چوتھی مرتبہ ذلیل ہو چکی تھی اب تو ڈوبنے کے لیئے چلو بھر پانی بھی نعمت تھا۔ المیرا نے پیچھے ہوتے اسکے کندھے کے گرد بازو پھیلایا۔

”کماری کے بقول ماہِ ملکہ کے نظام میں طبقے ہیں۔ کوئی اوپر ہے تو کوئی نیچے۔ اوپر والے elites ہیں نیچے والے workers۔ کماری اور دبیر کا شمار انہیں ورکرز میں ہوتا ہے اور اگر عام زبان میں کہو تو کماری اور دبیر ان کے پالتو جانور ہیں جنہیں وہ دماغی طور پر مردہ کر کے اپنا ہر ناجائز کام نکلواتے ہیں۔“ گل بے سدھ ہوئے اس

بولتی عورت کو سن کر رہ گئی۔"اور جب نظام میں برابری نہ ہو تو نیچے بیٹھے پیادے گدی پر بیٹھے بادشاہ کا تخت پلٹ دیتے ہیں۔" گل کو اپنے حالے سے آزاد کرتے وہ فراخ دلی سے مسکرائی۔آج اس نے ایک دانش مند کو مات دی، دل پنجابی گانوں پر جھوم رہا تھا۔

"اسکا تو ایک مطلب نکلتا ہے۔" گل کی آواز نے اسکا سکتہ توڑا۔فاطر اور المیرا نے بیک وقت اسے ہی دیکھا۔

"دبیر السازاران کی تنظیم کا scapegoat(قربانی کا بکرا) ہے۔" گل کے لہجے میں گہری فکر لبریز تھی۔تینوں نے باری باری ایک دوسرے کو دیکھا۔ نظروں ہی نظروں میں سوالات کا تبادلہ ہوا۔پتوں کی چھاؤں تلے موجود تینوں ساتھیوں نے گردن دھیرے سے پھیر کر دور بیٹھے اپنے چوتھے ساتھی کو دیکھا۔ درخت کی چھاؤں تلے پر امن سا بیٹھے وہ ہونٹوں کو کناروں سے اٹھانے لگا۔ایک تو وہ آنکھوں

تلے سیاہی دوسرا ابھرے پر ملعون مسکراہٹ۔ باقی ساتھیوں کے ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی سی دوڑی۔

”ماہِ ملکہ میں آنا تمہارا اپنا فیصلہ تھا مگر یہاں سے جانا...... وہ اِن۔“ بس کر دے بڑھے۔ فاطر نے دل ہی دل میں اپنے ہاتھ جوڑ لیئے۔

★★★★

www.novelsclubb.com

باب خادم

خودی کے جلتے ایندھن اور خاموشی کے بنے مکان

ہر دور، ہر دنیا، ہر دہر میں مجھ پر اس کا حق مشروط ہے

دوپہر کا دوسرا پہر قضا ہوگیا۔ سورج کی تپش اب کے تھک کر سمٹنے کا بندوبست کرنے لگی۔ گہرے نیلے پانی پر دمکتا آفتاب کا عکس دور سے موتیوں کی خوبصورتی لیئے ہوئے تھا۔ پہاڑ کا وہ کونا بالکل شانت تھا، یوں جیسے بندہ کبھی بھٹک کر بھی اس راستے تک نہ پہنچا ہو۔

اس کی مضبوط سواری کی رفتار سست مگر چاپ بلند تھی۔ زرے کی ٹوپی سے جھلکتی نگاہیں سبزے کا چاروں اور سے معائنہ کرتے نجانے کتنی مرتبہ یونہی خالی ہاتھ لوٹ آئی تھیں۔ عین وسط میں ٹھہرتے وہ اپنے گھوڑے سے اتری اور بھینچی بھنویں لیئے آگے بڑھنے لگی۔

"یہاں کوئی بھی نہیں ہے کماری۔" پیچھے سے آنے والی آواز پر سپہ سالار کے بھاری ڈگ گھاس کے بیچ ٹھہر گئے۔ کان یک دم کھڑے ہوئے اور جسم آٹھارہ سو کے رخ پر پلٹا۔

"تمہیں کہا تھا میں نے ان سب کو یہاں لے کر آنا۔" اونچے قامت والی کماری طیش سے دہری ہوئی۔ دبیر السازار چیخ میں چھپا بے اثر رہا۔ ایک دوسرے کے مترادف عکس آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"کہاں ہیں وہ دبیر؟" دو قدم آگے آتے اس نے سانس روکتے استفسار کیا۔ دبیر نے محض کندھے اچکا دیئے۔

"زندہ بھی ہیں؟" لہجے میں فکر اور خوف واضح تھا۔

"پتہ نہیں۔" کیا کمال شانِ بے نیازی تھی۔ کماری ضبط کے گھونٹ بھرتے کچھ اور آگے آئی۔

www.novelsclubb.com

”اگر تم نے سچ نہ بتایا تو میں ابھی اور اسی وقت تمہیں ماہِ ملکہ کے حوالے کر آؤنگی اور تمہیں بخوبی معلوم ہے وہاں ایک عام سے ورکر کی کیا اوقات ہے۔“

”تم مجھے موت سے مت ڈراؤ کماری میں ایک اسی کی لالچ میں اس کھیل کا حصہ ہوں۔“ لاتعلق انداز اور آدھ بند آنکھیں لیئے وہ کماری کو سر تا پیر سلگا گیا۔ تیزی سے قریب آتے اس نے دبیر کو گریبان سے تھامتے درخت پر پٹخا۔ چار سال سے اس نے ایک موقع کے انتظار میں گزارے تھے۔ کسی ایرے غیرے کو وہ موقع چھیننے کی اجازت نہ تھی۔

”مجھے حیوان بننے پر مت اکساؤ، بتاؤ مجھے کہاں ہیں وہ سب؟“ نبض پر گرفت تنگ کرتے وہ برداشت کھوتے چلائی۔

”حیوان تو تم پہلے سے ہو۔ جہاں اتنی آبادی کو مارا ہے وہاں باقیوں کو بھی مار دو؟“ بمشکل پوچھتے اس نے ہاتھ ہٹوانے کا جتن نہ کیا۔

"اپنی خوشی سے نہیں مارا۔" دانت کچاتے سرگوشی کی۔ "مجبوری تھی میری ورنہ کوسے مجھے مار دیتا۔" غصے کی شدت سے کانپ اٹھی۔ دبیر کا سارا چہرہ سرخ گلابی سا ہونے لگا۔ لب یوں خون کے رنگ سے بھرے جیسے ابھی پھٹ کر بہہ جائے گیں۔

"تم بھی ان جیسی ہو۔" ہنسنے کی کوشش میں حلق سے عجیب غرغراہٹ سنائی دی۔ "تم بھی اپنے گناہوں کا جواز پیش کرتی ہو۔" کماری کی آنکھیں تبدیل ہوئی، البتہ ہاتھوں کی سختی نہ نرم ہوئی۔

"شیاطین کا مقابلہ کرتے کرتے تم خود ایک شیطان بن چکی ہو۔" بھوری آنکھیں یک دم ہی خوشی سے روشن ہوئیں، بالکل ویسی جیسے گل جان کی ہوتی تھیں۔ دبیر اپنی منزل سے اب دور نہ تھا۔ اسکا سانس اکھڑ رہا تھا، منظر کے سامنے سیاہی آرہی تھی، ہاتھ پیر بے جان بننے کے قریب ہوئے۔ اس کا جسم آہستہ آہستہ ذہن کا ساتھ چھوڑنے لگا۔ یک دم سب ریت کی مانند ہاتھ سے پھسلا اور مقاصد ادھورے رہ

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

گئے۔ پیچھے سے آنے والا خطرناک تیر تیزی سے کماری کے ہاتھ میں نشتر ہو گیا۔
عورت کی دل خراش چیخ سمیت خون کا فوارا دبیر کے آدھے چہرے پر بھی برسا۔

کلائی پکڑ کر گھٹنوں کے بل ڈھتے کماری اپنا نچلا لب دباتے درد روک رہی تھی۔ بمشکل آنکھیں اٹھاتے اس نے ٹوپی سے جھولتے سکوں کے پار سے سامنے دیکھا۔ حاکم اول کو لگا اسکے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ آنکھیں حیرت سے مکمل کھلیں اور پاؤں تلے جیسے زمین سرک گئی۔

ہاتھ میں کمان اٹھائے گل جان کی چٹیا ہوا کے مدھم بہر پر جھول رہی تھی۔ کماری کے کھردرے سے چہرے پر خوف کا بدتر سے بدترین رنگ جھلکا۔ گل کے پیچھے فاطر تھا، اسکے ہم قدم المیرا اور ان کے آگے پیچھے اطراف کے درختوں سے مکمل قافلہ برآمد ہوا۔ وہ سب خاموش تھے، بے سانس، بے زبان صرف آنکھوں سے قہر برساتے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

تیر سے پیوست اپنی خون آلود ہتھیلی کو چھوڑتے اس نے دل کا رستہ خون سنبھال لیا۔ان آنکھوں کو دیکھ کر وہ جان گئی تھی کہ کھیل اب شہ مات ہے۔

کچھ بدنیت لمحات پہلے

چاروں کو نے ایک مرتبہ پھر سے مل بیٹھ چکے تھے۔ مستطیل کہانی کے ابتدائی دنوں میں پہنچ چکا تھا، فرق صرف یہ تھا وہ اب کہانی سے بیزار آ چکے تھے اور اپنے اپنے قلم اٹھائے اسکا اختتام لکھنے پر بضد تھے۔ دبیر اپنے اسی پیر کے ساتھ سر جوڑے بیٹھا تھا۔ فاطر اسلام مجبوری کے ہاتھوں بے حد مجبور اسکے عین سامنے تھا جبکہ المیرا اور گل ارد گرد۔

''ہمیں تم سے سب سچ جاننا ہے۔'' آنکھوں میں آنکھیں گاڑتے امبر بھورے امتزاج آمنے سامنے آئے۔ ''گو کہ یہ تمہارے لیئے نہایت مشکل کام ہے اور دوئم ہمارا تم سے اعتبار اٹھ چکا ہے مگر پھر............ قابلِ اعتبار تو یہاں کوئی بھی نہیں۔

"دبیر نے ایک بار المیرا کو دیکھا پھر گل کو، جہاں المیرا توجہ سے منتظر تھی وہیں گل بے حد بیزار۔

"کیا جاننا چاہتے ہو؟" گھٹنوں پر بازو رکھتے وہ آرام دہ ہوا۔

"کماری کیا اصلیت۔" فاطر نے جھٹ سے کہا۔

"یہاں کوئی کسی کی حقیقت سے واقف نہیں سیدی (صاحب)۔"

"تم ماہِ ملکہ کے ملازم ہو۔ ظاہر ہے انہوں نے تم کو اور کماری کو کوئی نا کوئی احکامات تو دیئے ہی ہونگیں۔ ہم وہ احکام جاننا چاہتے ہیں۔" ساری گفتگو ان دو مردوں کے بیچ ہوئی۔ عورتیں وہاں ناظر تھیں۔ دبیر چند پل تو لب بند رکھے دیکھتا رہا، پھر دوزانو ہوا اور خود کو عبا سے ڈھکتے سنسنی خیز لہجہ اپنایا۔

"کیا تمہیں معلوم تھا قلعے سے نکلنے کا ایک دوسرا راستہ بھی ہے؟"

"ہاں، کماری نے بتایا تھا...... سرنگ کے اختتام پر کھلتا ہے۔" فاطر کے سپاٹ انداز پر ہسپانوی کے تاثرات مفلوج رہے۔

"اور کیا تم جانتے ہو اس راستے کے ارد گرد کیمراز سب سے زیادہ خراب رہتے ہیں۔" یہ خبر غیر متوقع تھی۔ وہ تینوں جیسے بے اختیار ہی جگہ سے آگے آئے۔ "اور یہ بھی کہ مردہ جسم اور اعضا کو وہیں سے باہر نکالا جاتا ہے۔" فاطر کی پیشانی پر آئیں سلوٹیں اسکی دلچسپی کی گواہ تھیں۔ بڑی توجہ تو المیرا اور گل بھی اسے دیئے گئیں۔

"ان تین ماہ میں کیا ایک بھی مرتبہ قلعے کا انفرادی دروازہ کھلا ہے؟" یہ سوال ان عقل قل سمجھنے والوں کے چہرے پر سیاہ دھبے کی طرح لگا۔

ان تین ماہ میں وہ بھاری چوکھٹ صرف ایک بار مصری اور یمنی شادی شدہ جوڑوں کے لیئے کھلی تھی، اس کے علاوہ تو...... "تمہیں کیا لگتا ہے وہ تہ خانے میں تجربات کب کرتے ہیں؟ تہ خانے میں باہر سے لائے گئے انسان اندر کیسے آتے ہیں؟ مر

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

جانے والوں کو کیسے dispose off کرتے ہیں؟ کیا تم کو ان کے تجربات کی نوعیت کا اندازہ بھی ہے۔"

وہ بولتا جاتا، تینوں کے سر چکراتے جاتے۔ وہ ہر بار خود کو جیت سے ایک ہاتھ کی دوری پر سمجھتے ہر مرتبہ دشمن انعام کو اٹھاتے دو ہاتھ کے فاصلے پر رکھ دیتا۔

"یہ قلعہ ان کا ایک set up نہیں۔ یہ قلعہ ان کی تنظیم کی مرکزی عمارت ہے۔ تم لوگ ماہِ ملکہ کے headquarters (بنیادی آفس) سے فرار ہو کر آئے ہو۔ اور مجھے یقین ہے اگر تم جیسے نازک دل انسانیت پرست لوگ ایک مرتبہ ان کے تجرباتی وارڈز کی شکل دیکھ لیں تو اگلے کئی سالوں تک پر سکون ہو کر سو نہیں پائے گیں۔" لفظوں کا زہر ان کے ذہنوں میں انڈیل کر دبیر السازار خاموش ہو گیا۔ خاموش تو در حقیقت وہ بھی ہوئے تھے۔ کماری نے اس سلسلہ کے متعلق انہیں مکمل اندھیرے میں رکھا تھا۔

"یہ سب ......کافی خطرناک ہے.... تبھی تو... کماری نے ہم... ہمیں اس سب سے دور رکھا۔" گل نے سب کی پریشان حالی کے مدِ نظر اپنے سابقہ استاد کا دفاع کیا۔ اسکی دلیل نہ سہی لہجہ بے انتہا جھجک لیئے تھا۔

"اس نے تم کچھ کو خطرے سے دور رکھ کر باقیوں کو اس میں دھکیلا ہے۔" فاطر کا دھاڑی پر موجود ہاتھ تھم گیا۔ دبیر کم گو تھا، اسے علم تھا۔ داروغ گو بھی ہو سکتا ہے، وہ اب فیصلہ کیسے کرتا؟

"تمہاری اس بات کا مطلب؟" المیرا نے تندہی سے پوچھا۔ دبیر نے گردن مسلتے ایک مرتبہ دائیں کندھے تک لے کر موڑی اور پھر بائیں تک۔ ظاہر تھا وہ انہیں جواب کے لیئے ترسا رہا ہے۔

"دبیر میں نے۔"

"جنگل میں ہونے والا ہر حملہ کماری نے کیا ہے۔" ہوائیں پر شور ہو کر سکتے میں چلی گئیں، لہروں کا سارا پانی سمٹ کر یک دم ٹھہر گیا، سبزے پر موجود ہر خلق الخذا نے حرکت روک دی۔

"وہ تمہیں چھوڑتے باقیوں کو بچانے نہیں، باقیوں کو ختم کرنے گئی ہے۔" ہوائیں سکتے سے نکلی اور تیز کانٹوں کی مانند جسم سے آر پار ہوئی، بحر کا ٹھہرا پانی کسی آتش فشاں کی مانند پھٹتا انہیں بہرہ کر گیا، سبزے پر چلتی خلق الخذا نے ان کے جسم پر رینگ کر چمڑی ادھیڑ دی۔ فاطر، المیرا اور گل کے دل کسی نے مٹھ ی میں دبا کر بے دھڑک کر دیئے۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" ترک لڑکی کا پسماندہ سوال اسکی امید کی آخری ڈور تھی۔

"کیونکہ اسی نے مجھے تم سب کو یہاں جمع کرنے کا حکم دیا ہے۔" وہ آخری ڈور بھی ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اب وہ تینوں یکے بعد دیگر اندھیروں میں پور پور ڈوب گئے۔ ماہِ ملکہ نے ان کا اعتبار تاحیات کے لیئے زخمی کر دیا تھا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

★

کسی مجرم کی طرح سر جھکائے وہ گھنے پیر کی نرم چھاؤں میں تھی۔البتہ چھاؤں کے باہر موجود نفوس کے انداز نرمی کے عین متضاد تھے۔اسکے ہاتھ میں تیر اب بھی کھبا تھاہاں بہتری یہ آچکی تھی کے اسکے آگے پیچھے کا منہ کاٹ کر بس اب لکڑی کا ایک ہتھیلی جتنا حصہ اندر چھوڑا تھا۔خون ارد گرد جلد سے چمٹا تھااور ہاتھ سے لے کر کلائی مکمل سن ہو چکی تھی۔ سکوں والی ٹوپی نادارد تھی اور قلموں تک آتے بال نمایاں تھے۔وہاں موجود اب کوئی ایسا نہ تھا جو ماہِ ملکہ کی اصلیت سے لے کر کماری کی شناخت تک سے لاعلم تھا۔

www.novelsclubb.com

ایک گٹھنے پر جھکتے فاطر کا جبڑہ بھنچا ہوا تھا۔سپہ سالار کا چہرہ ویران تھا، وہ شرمندہ تھی۔

"میں تمہاری عزت کرتا تھا کیونکہ تم میرے باپ کی قابل بھروسہ ساتھی تھی۔ لیکن میں بھول گیا کے سفر میں موجود ہر ساتھی کی منزل ایک سی نہیں ہوتی۔

''کوئی طنز، کوئی غصہ، کوئی نفرت کچھ بھی نہیں۔ وہ حقیقتاً رنجیدہ تھا اور اس نے اپنے اصل جذبات چھپانے کی قطعی کوئی کوشش نہ کی۔

''تم آخر ہو کون کماری؟'' لہجہ کی اداسی عود گئی اب وہاں دل چیر اجنبیت تھی۔

کٹہرے میں بیٹھی مجرم نے سر اٹھایا۔ کچھ تھا اس کی آنکھوں میں جو فاطر نے مرتے وقت ابو لاسلام کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

''میں نے بتایا تو تھا۔'' فاطر ذرا سا الجھا۔ کماری زخمی سا مسکرادی۔

''میں بس ایک ماں ہوں۔'' لفظوں کا چناؤ تھا یا مرد کی اپنی محرومی وہ چونکا نہیں، سالم نست ہو گیا۔

''میں بس ایک ماں ہوں جس نے چار سال سے اپنی اولاد کی ایک جھلک نہیں دیکھی۔'' وہ نا چاہتے ہوئے بھی کھڑا ہو گیا۔ یہ کماری نے کیا پڑھ کر پھونکا تھا۔

(''میں نے اپنی ماں کو بہت یاد کیا ہے ملکہ۔'')

www.novelsclubb.com

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"میں ایک ماں ہوں جس نے سابقہ چار سال سے اپنی اولاد کی آواز نہیں سنی، اسے چھوا نہیں ہے۔ وہ تو دور میں نے چار سال سے ممتا محسوس نہیں کی ہے۔" فاطر پلٹ کر سمت کا تعین کیئے بغیر چلتا گیا۔ کماری نم لہجہ لیئے خود کی وضاحت دے رہی تھی۔ وہ کان لپیٹے دور جا رہا تھا۔ کان لپیٹ لینا ہی اچھا تھا۔

("وہ مجھے چھوڑ گئیں تو پلٹ کر کبھی خیر خبر بھی نہیں لی")

"تم ایک ماں کی کیفیت کو نہیں سمجھ سکتے فاطر اسلام۔ تم اپنے باپ کی بے بسی کو بھی نہیں سمجھ سکتے تھے۔" کوئی فاطر کو دیکھتا تو کوئی چلاتی ہوئی کماری کو۔ کاش کوئی اس ہارے ہوئے بیٹے کو نہ دیکھتا اور ہر نظر بس اس فاتح ماں پر ہوتی۔

("غصہ اور ناراضگی تو شوہر سے تھی پھر بیٹے سے کیوں منہ موڑا؟")

"میں مجبور ہوں۔ میں لالچی ہوں۔ میں منافق ہوں۔ میں قاتلہ ہوں۔ میں جھوٹی، مکار، خود غرض سب ہوں۔" اسکی پشت پر چلاتے وہ اپنی چار سالوں کی بھڑاس سماعت میں انڈیل رہی تھی۔ وہ پتھر سی عورت چیخ کے ٹکرے ٹکرے ہوئی۔

میں بھی کتنا بد قسمت ہوا پھر۔ دعا کرتا رہا کے وہ لوٹ آئیں اور جب وہ واپس ") (" ۔آنے لگیں تو قدرت نے انہیں مجھ سے ہمیشہ کے لیئے چھین لیا

"مگر ایک ماں ہوں۔ اپنی اولاد کے ہجر کو سہتی۔ اس کا دکھ اکیلے جھیلتی۔ ساری دنیا کو اپنا دشمن فقط اس بچی کے لیے بناتی میں ایک ماں ہوں فاطر اسلام۔" وہ دور چلا گیا، بہت بہت دور یا یہ شاید اسی کو محسوس ہو رہا تھا۔ فاطر کا دل جل رہا تھا، اسکے کان ہر آواز کو لپیٹ کر کہیں سے مدھم تو کہیں سے باریک کر رہے تھے۔ دل تو جیسے بے لگام ہوا، ہاتھوں کی لرزش بھی بے قابو ہوئی۔ نجانے وہ درخت تھے، یا خدا جانے وہ جھاڑیاں تھیں۔ گھٹنوں کے بل گرتے اس نے اپنی تمام امیدوں کو جلا دیا۔

اسے وہ گیارہ سالہ صدیقہ اسلام کی ٹانگ سے چپکا بچہ یاد آیا۔

اسے وہ بارہ سالہ صدیقہ اسلام کی یاد میں جھولا جھولتا تنہا بچہ یاد آیا۔

اسے وہ گیارہ سالہ میز کے نیچے چھپ کر اندھیرے میں روتا بچہ یاد آیا۔

وہ بچہ اکتیس سال کا مرد بن چکا تھا۔ پچھلے بیس سال کے غم اسکے ساتھ ہی پلے بڑے تھے۔ جڑیں پھیل کر خوشیاں کھوکھلی کر چکی تھیں۔

"تم نے میری ماں کو مارا ہے۔" فاریہ کا جملہ ذہن کے ہر حصے میں گونجا۔

"غلط! میری ماں نے مجھے مارا ہے اور ایک بار نہیں بار بار، ہر بار، ان گنت بار۔"

گھٹنوں کے بل بیٹھے وہ فرش کو گھورے جا رہا تھا۔ وہ جس بہتان کا جواب اس نے پہلے نہ دیا تھا، آج دے کر خود کو آزاد کروالیا یا کر دیا مگر اب مزید جڑوں کو نہیں سنبھال سکتا۔ والدین کے دیئے زخم جتنی بار کریدوں اتنی بار ناسور کی طرح چبتے ہیں۔ فاطر بھی یہی کرتے کرتے تھک چکا تھا۔ وہ آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ صدیقہ

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

اسلام کو اپنی عدالت سے باعزت بری کرتے وہ انہیں ایک انسان کے رتبہ پر فائز کرتا تھا۔

"آپ میرے لیئے نہیں آئیں اس کا یہ مطلب نہیں دنیا کی ہر ماں بری ہو گئی۔ کچھ کماری جیسی بھی ہوتی ہیں، اولاد کے لیئے صحیح غلط کا فرق بھول جاتیں۔ کچھ جمین کی ماں سی، جنہیں اپنے سے پہلے اولاد عزیز ہے اور پھر کچھ المیرا کی ماں جیسی، جنہیں مرنے سے پہلے آخری خیال اپنی اولاد کا آتا ہے۔"

دل سے دکھ کی جڑوں کو کاٹتے اس نے ایک آخری اور ناممکن سی خواہش کی "کاش میری ماں کا آخری خیال میں ہوتا۔"

★

واپس اس پنچائیت کی طرف چلے آؤ جہاں گل جان ناخن چباتے اگلی چال کی منتظر تھی۔ المیرا آگے پیچھے ڈولتے فاطر کی راہ میں تھی اور دبیر وہ تو وہاں جیسے دھوپ

سینکنے ہی آیا تھا۔ سر کے نیچے بازو کا تکیہ بنائے وہ ٹانگیں پھیلائے یوں ٹھاٹ سے پھیلا ہوا تھا جیسے گھر داماد اپنے میکے آیا ہو۔

المیرا کی گردن تو جیسے فاطر کی آخری جھلک پر جم کر رہ گئی تھی۔ تھک ہار کر گھاس پر بیٹھتے اسکی ٹانگ مسلسل ہلتی رہی۔ وہ اس راستے کی ابتدا میں تھی جس راستے سے فاطر ہو کر گیا تھا۔ کندھوں سے ذرا نیچے آتے بالوں میں جھنجلا کر ہاتھ پھیرتے اس نے ٹانگیں سینے سے لگا لیں۔ اس کا انتشار محسوس کرتے گل جان کے قدم از خود ہی المیرا کی جانب بڑھے۔

کماری ایک طرف اپنے تیر کو نکالنے کی سعی میں تھی جبکہ باقی سب اترے ہوئے اداس چہرے لیئے سمندر کی آواز کو سہہ رہے تھے۔

"کیا کرنا ہے اب؟" رکتے وہ لٹو کی طرح گھومتی المیرا کے کندھے سے قریب بیٹھی۔ المیرا نے ہتھیلیاں مسلتے پہلے ساتھ بیٹھتی لڑکی کو، پھر پیچھے بیٹھی کماری کو اور پھر باقیوں کی بے صبری کو دیکھا۔

"معلوم نہیں۔" اپنے ذہنی خلفشار کے بیچ وہ اس سے زیادہ کیا ہی کہتی۔ گل ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئی۔ یہ دل کے معاملات عقل اندھی کر دیتے ہیں۔

"شام تک ہمارا جہاز آجائے گا۔" کماری کی بارعب آواز نے سب کو تیر کی مانند سیدھا کیا۔ "اس کے بعد سے ہم محفوظ ہونگیں۔" پشت پر ہاتھ باندھتے اس نے المیرا اور گل کو دیکھا۔ جہاں گل کے جسم سے جان فنا ہوئی وہیں المیرا ثابت قدمی سے جمی رہی۔ کماری نے سوالیہ آبرو اچکاتے اسے بولنے کا اشارہ کیا۔

"تم نے یہ سب کیوں کیا؟" المیرا عنایت کا انداز دو ٹوک تھا، فاطر والی جذباتیت چاہ کر بھی وہ محسوس نہ کر سکی۔

"بتا تو دیا ہے مجبور تھی۔ ماہِ ملکہ کو شک ہو چکا تھا کہ ان کے بیچ کوئی جاسوس ہے۔ ان کا اعتماد جیتنے کی خاطر مجھے تم سب کے قتل کا مشورہ دینا پڑ گیا۔" سپہ سالار کی تمام لاچارگی اور شرمندگی مفقود ہو چکی تھی، اب وہاں ازلی برف تھی۔

"تو صرف مشورہ دیتی نا، اس پر عمل کرتے جہالت دکھانے کی کیا ضرورت تھی۔

"گل اسکے انداز پر ششدرہ گئی۔ عرصے بعد اس نے المیرا کو ملکہ والے جاہو جلال میں دیکھا تھا۔ثابت ہوا تاج اس سے ہے، وہ تاج سے نہیں۔

"اگر میں جہالت نہ دکھاتی تو مارنے کے لیئے وہ اپنے لوگوں کو بھیج دیتے اور یوں ہم سب ختم ہو جاتے۔" ناک پر سے مکھی اڑانے والے انداز میں کہا۔المیرا سمیت بیشتر چہروں کے بات پلے نہ پڑی۔

"تو وہ جنہوں نے ہم پر حملہ کیا تھا، وہ کون تھے؟" المیرا کی زیرک آنکھیں چھوٹی ہوئیں۔کماری پہلے چونکی اور پھر لب اومیں ہلے۔

"میں نے بلوایا تھا ان لوگوں کو۔ مارنے نہیں مرنے کے لیئے۔" المیرا کا احتجاج بیچ زبان میں رک گیا۔

www.novelsclubb.com

"ماہِ ملکہ کی نظر سے وہ تمہیں مارنے آئے تھے مگر میرے ارادے کے مطابق وہ مرنے نکلے تھے، تمہیں کیا لگا وہ ہتھیار میں نے تم سب کو کھیلنے کے لیئے دیئے ہیں۔ "وہ چل کر مجمع کے وسط میں آئی۔" آنکھیں کھول لو آنسہ (میم) المیرا۔ یہاں ہر کوئی ایک دوسرے سے ایک قدم آگے رہنے کا سوچتا ہے۔" اپنے گھوڑوں کے سر پر ہاتھ پھیرتے وہ مغموم مسکرائی۔ المیرا سینے پر ہاتھ باندھے قدرے آگے چلی آئی۔

"اور اگر ہم نہ مار پاتے؟ یا پھر ہم میں سے کوئی مر جاتا تو؟" بھاری آواز مدھم ہوئی۔ کماری گھوڑے کے بال سنوارنے لگی۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ رقم تھی۔

"ناممکن تھا۔ وہ تمام نیم نشے کی حالت میں تھے۔" المیرا کو تعجب سا ہوا۔ وہ جس رفتار سے گھوڑا دوڑا رہے تھے، جس باریک بینی سے وار کر رہے تھے لگتا ہی نہ تھا کہ نشے میں بے سدھ سپاہی ہیں۔

"انہوں نے ہمارے کچھ لوگ بھی مارے تھے۔" ایک لڑکی نے شکوہ کیا۔ کماری نے ہاتھ جھلایا۔

"لڑائی میں اتنا تو ہوتا ہے۔ کچھ تم مارو گے، کچھ تم مرو گے۔ collateral damage کہہ لو۔" ادھیڑ عمر عورت مکمل پر سکون تھی۔ ایسا اطمینان اسکے خالی چہرے پر آج سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔

"اور وہ جو مظلوم مر گئے.... ان کا کیا؟" گل کا لہجہ بھی سنجیدگی لیئے تھا۔ "ان کے جسم یونہی لاوارث رہے گیں۔"

"جہاں اتنے مرے ہیں وہاں کچھ اور سہی۔" عرصے بعد کسی بشر کو دوزخ سے نکال کر جنت کے خیال میں ہی بٹھا دو عین اس جیسی خوشی کماری کے لہجے میں کھنک رہی تھی۔

”ویسے بھی قلعے میں موجود وہ سب فرار ہو چکے ہیں۔ ایسے میں جنگل میں کٹے مرے جسم ہی یہاں ہوتی بربریت کی گواہی دے گیں۔“

”کیا مطلب فرار ہو گئے؟“ المیرا کے جملے میں دل ڈوبنے کی بھا سوز تھا۔ ”اگر وہ بھاگ گئے ہیں تو یوں تو ہماری یہاں موجودگی اور ہم پر ہوئے ظلم کا کوئی یقین نہیں کرے گا۔“ اسکی آواز صدمے سے بلند ہوئی۔ کماری نے ایک ادا سے آنکھیں گھمائیں۔

”تو تم نے یہ خوش فہمی پالی ہی کیوں کہ سب پکڑیں جائے گیں۔“ کماری کی ہنسی نے المیرا کے غصہ تلے انچ بڑھائی۔ ”وہ تو رات کو ہی قلعہ میں سب سامان چھپا سمیٹ کر روپوش ہونے کے لیئے نکل گئے ہیں۔ کچھ عرصہ چھپے رہے گیں اور پھر واپس سے یہ عذاب شروع۔“ المیرا نے گل کو دیکھا، گل نے بھی عین اسی وقت المیرا کو دیکھا۔ دونوں عورتوں کے چہرے پر خوف ایک سا تھا، دونوں کی آنکھیں اس نظام سے بالکل منکر تھیں۔

www.novelsclubb.com

''کیا وہ تہ خانے میں بند قیدیوں کو بھی لے گئے ہیں؟'' گل نے ڈرتے ہوئے استفسار کیا۔ سورج کی کرنیں کانٹوں کی مانند تھیں۔

''نہیں! وہ سب وہیں ہیں مگر ایک خفیہ جگہ پر۔ اگر قلعے کی تلاشی بھی لی گئی تو وہاں کھنڈرات کے علاوہ کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔'' سورج کی نارنجی زرد کرنیں ان سب کے چہروں پر پڑی۔ کسی کا وحشت زدہ، تو کسی کا بے یقین، کوئی آگے کے لیئے خوف زدہ تو کوئی اپنے کسی پیارے کے لیئے متنفر۔ وہاں اگر کوئی پر سکون تھا، تو وہ اکتا واحد کماری کی ذات تھی۔

''اور وہاں بند لوگ کب تک وہاں رہے گیں؟'' گل کا دماغ تیزی سے حساب کر رہا تھا۔ عام ضروریاتِ زندگی سے مرحوم وہ بچارے ایک بند جگہ پر نجانے کتنے دن زندگی کے لیئے ہاتھ پاؤں مار سکتے ہیں۔

''اندازہ نہیں اور اب مجھے اندازہ رکھنا بھی نہیں۔'' گھوڑے کے سر سے اپنا ماتھا جوڑتے کماری کے پور پور میں سکون تھا۔

''مگر ہم رکھنا چاہتے ہیں۔'' باریک تیز آواز اسکے سکون کو انچ کی طرح لگی۔ سب کی گردنیں ہماوقت ایک ساتھ آنے والے کی جانب پلٹی۔ جیلبیہ کی جیب میں ہاتھ ڈالے فاطر ابوالسالام سب کے زمین کو لگتے جبروں کو نظرانداز کرتے چلا آرہا تھا۔ سیاہ چغہ ہوا کے دوش لہرا رہا تھا، ماتھے پر آئی لٹ جھول رہی تھی جبکہ دھاڑی تلے ہونٹ جتاتے ہوئے مسکراہٹ میں ڈوبے تھے۔ المیرا نے بے اختیار شکر کا ورد کیا ورنہ جس حالت میں وہ گیا تھا اسے یقین تھا اپنی کلائی کاٹ کر لوٹے گا۔

''کیا مطلب؟'' کماری کے سخت سوال پیچھے چھپی تنبیہ بظاہر محسوس ہوئی۔

''ہم انہیں وہاں کیوں بند رہنے دیں؟ ناک میں روٹی ڈالتے ہیں کیا یا ماتھے پر سینگ نکل آئے ہیں۔ اتنے دنوں کی مار، ظلم اور بھوک برداشت کرنے کے بعد ہم ہاتھوں سے ثبوت گنوا دیں؟'' فاطر بیزار اسلام سب پر مٹی ڈالتا اپنے اسی پرانے حلیہ میں لوٹ آیا تھا۔ پیچھے کھڑی المیرا منہ پر ہاتھ رکھے خوشی سے کھی کھی کرنے لگی۔

"ثبوت.... فرار ہو چکا ہے بن ابو لا سلام۔" لاتعلق سرد رویہ، کچھ دن قبل کی گرم جوشی مر چکی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے ہونٹ کا ایک کونا دانت تلے دباتے گردن پر ہاتھ پھیرا۔ پیشانی پر بل ڈالے وہ زمین کو دیکھتے سوچنے لگا۔

"ہم انہیں واپس لا نہیں سکتے مگر انہیں تو واپس لے جا سکتے ہیں نا۔" اب کے کماری کوڈر کی گھنٹیاں فاصلے پر سنائی دیں۔

"مطلب؟" فاطر سر کو خم دیتے مسکرایا۔" جب تم ثبوت بنانے کی خاطر بیس سے زائد افراد مار سکتی ہو تو ہم کیوں اپنی بات ثابت کرنے کی خاطر تین سو سے زائد افراد کو تہ خانے سے نکال نہیں سکتے۔"

کئی دل تھمے تھے اور صرف دل ہی نہیں بیشتر کے تو دماغ بھی بند ہو گئے۔ فاطر اسلام کے چہرے پر بڑی جتاتی سی مسکان تھی۔ کھلم کھلا جنگ کا اعلان تھا۔

"کیونکہ وہاں واپس جانے کا خطرہ ہے۔" کماری نے ضبط کرتے برے پیار سے سمجھانا چاہا۔

"تو یہاں کونسا فی بندہ دس گارڈ موجود ہیں۔" اکتا کر کہا۔ "بلکہ یہاں تو وہاں سے بھی زیادہ خطرہ ہے۔ کم از کم ان سانپوں کا ہمیں یقین تو ہے وہ ڈسے گیں یہاں تو چلتے پھرتے ناگ ہیں جو ڈستے بھی ہیں اور پھر ڈس نکالنے کا بندوبست بھی کرتے ہیں۔" سر جھٹکتے وہ اس جانب کو پلٹا جہاں دبیر السازار سورج کا فیشل ٹریمنٹ لے رہا تھا۔

کماری نے عجلت سے آگے آتے فاطر کو کہنی سے پکڑ کر پیچھے کیا۔ المیرا کے اندر کا غیرت مند مرد پلک جھپکنے سے پہلے جاگا۔

"تم کیوں خطرہ سر لے رہے ہو۔" اب کے اسکی تنبیہ میں فکر مند التجا تھی۔ "میں نے جو کیا ہے ہم سب کے لیئے کیا ہے۔ اگر آج ہم یہاں سے نہ نکلے تو دنیا کے پاس ان کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہو گا۔ تم کیا چاہ رہے ہو یہ ہمیشہ یونہی نسل در نسل

تباہی کرتے رہے اور کوئی انہیں نہ روکے۔ ہوش سے کام لو فاطر اسلام یہ وقت دوراندیش فیصلے کرنے کا ہے۔" فاطر نے ایک نظر کہنی پر جمے اسکے ہاتھ پر ڈالی اور دوسری اسکی منت کرتی نظروں پر۔

"مجھے وہاں کیا خطرہ؟ جو خطرہ تھے وہ تو راتوں رات غائب ہو چکے ہیں۔" اس نے کہنی چھڑانا چاہی مگر کماری کی گرفت مضبوط تھی۔

"تم انہیں جانتے نہیں۔ وہ مجھے اپنے ارادوں سے مکمل واقف نہیں رکھتے۔ یقیناً انہوں نے وہاں گارڈز وغیرہ چھوڑے ہونگیں۔" اس کی حالت ہیجانی ہو رہی تھی، جملوں کا ربط بکھر رہا تھا۔

"وہ بھاگے کیوں؟" کماری کی ہکلاہٹ میں تضاد آیا۔ "وہ باآسانی ہمیں ختم کر سکتے ہیں تو پھر وہ بھاگ کیوں گئے؟"

www.novelsclubb.com

کماری کے چہرے پر سایہ سا گزرا۔ فاطر اسلام نے سر تا پیر ایک جتاتی نگاہ اس پر ڈالی۔ ''یقیناً ماہِ ملکہ اپنے انجام سے واقف ہے اور یقیناً اس انجام کا علم بھی انہیں کوئی دے گیا تھا۔'' اس کی مسکراتی نظر کہتی تھی وہ اس ''کوئی'' کی اصلیت جانتا ہے۔

''میں مجبور تھی۔'' کماری کی سرگوشی کھائی سے سنائی دی۔ ''ان کا بھروسہ جیتنے کی خاطر مجھے مخبری کرنی پڑی۔ نہیں تو وہ مجھے مار دیتے۔ میں......اپنی اولاد سے ملے بنا مرنا نہیں چاہتی۔'' شکستہ کندھے جھک گئے۔ فاطر نے تائید کرتے سر ہلایا۔

''اور میں ان تمام کو بچائے بنا مرنا نہیں چاہتا۔'' آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے سختی سے اسکی گرفت کو دور کیا۔

''تم انھیں نہیں بچا سکتے فاطر۔ ماہِ ملکہ یقیناً کوئی انتظام کر گئے ہونگیں۔ تم خود اپنی موت کے پاس چل کر جا رہے ہو۔'' کماری نے بے بسی سے ہانک لگائی۔ سامعین کی سانسیں تھمی ہوئی تھیں۔

"فاطر اسلام موت سے نہیں ڈرتا۔" ہاتھ جھلاتے لاپرواہی سے کہا۔

"تم نے جو کیا اپنے لیئے کیا۔ تمہیں یہاں سے آج کے آج ہی فرار ہونا ہے تبھی تو جو نقشہ تم نے مجھے دیا اسکے مطابق ہر وہ مقام جہاں ہمیں رکنا چاہیئے وہاں کسی نا کسی طرح سے موت موجود تھی۔" اس نے دو قدم پیچھے لیئے تو کماری نے دوبارہ سے اسے روکا۔

"لیکن تم غلط نہیں ہو۔ چار سال ایک ایسی جگہ پر رہ کر کوئی بھی نیم دیوانہ ہو جائے۔ تم نے جو کیا وہ قابل سمجھ تھا قابلِ درست نہیں۔" سیدھا سنجیدہ بحث مباحثہ سے خالی لہجہ اپناتے اس نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑوایا۔ لمبے ڈگ بھرتا وہ دبیر کے سر پہنچا اور کھینچتے ہوئے چغہ اسکے چہرہ پر سے ہٹایا۔ گھر داماد کو حقیقت کی دنیا میں خوش آمدید۔

دبیر مندی مندی آنکھوں سے اپنے حال کو سمجھنے کی کوشش میں تھا جب فاطر نے اسے کندھے سے اٹھاتے کھڑا کیا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"تم میرے احسانات تلے مقروض ہو السازار۔" دبیر نے جمائی لی، پھر انگڑائی لی اور پھر کھانستے ہوئے ہاتھ کی پشت سے ناک مسلی۔ شاید نہیں یقیناً اسے بخار ہو چکا تھا۔

"وقت آچکا ہے تم میرا قرض ادا کرو۔" فاطر کی اس نافرمان بے باکی پر کماری کی دماغ کی نسیں تک باہر کو آئیں۔ ہار کے خوف اور جیت کی بے بسی میں وہ درست غلط کا تفرق بلائے تاک رکھ چکی تھی۔ جھک کر اپنے سامان میں سے تیر کمان کو ٹٹولتے وہ ٹھہر گئی۔ ذہن کے تمام اندیشوں نے دل پل بھر کے لیئے ڈبو دیا۔

"یہ ڈھونڈ رہی ہو؟" گل کی آواز پر وہ بجلی کی رفتار سے پلٹی۔ ہاتھ میں اس کا سازو سامان لیئے وہ مسکرا رہی تھی۔ "یہاں ہر کوئی دوسرے سے ایک قدم آگے ہے کماری۔" خراش زدہ چشموں کے پیچھے اسکی روشن آنکھیں مزید چمکیں۔

"تمہیں کیا لگتا ہے تم اکیلے ان کی فوج کو روکو گے اور وہ رک جائے گیں؟" وہ ہنسنا چاہتی تھی، مذاق اڑانا چاہتی تھی مگر ڈرتے دل نے ساتھ نہ نبھایا۔

''انہیں کون روکے گا؟ ہم تو تہ خانے میں قید باقی تین سو سے زائد افراد کو بھگائیں گیں۔'' کماری کا کانپتا دل سنبھلا۔ اس نے سہم کر دبیر کو دیکھا جو اپنی بہتی ناک سنبھالنے میں مصروف تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے کماری جیت کا صرف ایک طریقہ ہے؟'' فاطر ابو اسلام کی نظروں میں انگارے تھے۔

''تم چاہتی ہو اس دنیا سے ماہِ ملکہ کا نام و نشان مٹ جائے؟ تم اپنی اولاد کے ساتھ ایک خوش گوار زندگی چاہتی ہو کیا؟'' سپہ سالار کے پیروں سے جان فنا ہوئی۔ ''وہ تمام ایجنسیز ابو اسلام ظہور کے بھیجے گئے ثوابت پر یقین لائے؟ ضروری تو نہیں تھا کہ یقین لانے کے لیئے تم لاشوں کا مینار بنا دو مگر...... کاش کے تم نے ڈیڈی کے بعد مجھے ان جیسے عزت دار مقام پر رکھا ہوتا تو یقیناً مشورہ تو کرتی۔'' وہ واقعی دکھی تھی۔ ان میتوں کے لیئے بھی اور اس عورت کے مردہ دل کے لیئے بھی۔

"میں اس قلعے تو دور اس تہ خانے میں دوبارہ قدم نہیں رکھنا چاہتا۔ جس جگہ نے میرا باپ مجھ سے چھینا ہو بھلا وہاں جا کر میں کیوں زخم ہرے کروں۔"

"یہ ٹھیک نہیں۔ تم امداد کا انتظار کرو۔" بھیگ تھی بس جڑے ہاتھوں کی کمی تھی۔

"ابھی تم نے ہی تو بولا ماہِ ملکہ سے کوئی بعید نہیں۔ جیسے تمہیں میرے زندہ بچ جانے کا اعتبار نہیں یونہی مجھے ان کے زندہ چھوڑنے کا یقین نہیں۔ تم نے درست کہا کچھ نا کچھ بندوبست تو انہوں نے کیا ہو گا، اس سے قبل وہ اپنی چال چلیں میں بساط سے محرے ہی ہٹا دونگا۔ تمہارا ضمیر تمہیں اجازت دیتا ہو گا کہ تم یہاں سے چلی جاؤ، میرا نہیں۔" انگلی کے اشارے سے تصحیح کی۔

"تم صحیح نہیں کر رہے۔ اپنے ساتھ ہم سب کو بھی مرواؤ گے۔" وہ ہیجانی انداز میں چلائی۔

www.novelsclubb.com

"کس نے کہا میں سب کو مرواؤں گا۔" فاطر یوں ہنسا جیسے کسی پانچ سالہ بچے نے برا لطیفہ سنایا ہو۔ "تم نے ان کو مارا جن کو جینے کی چاہ تھی۔" فاطر نے دبیر کو سب کے سامنے پیش کیا۔ "ہم اس کو مارے گیں جس کی واحد خواہش ہی مرنا ہے۔" سختی سے دبیر کے کندھوں پر ہاتھ جماتے وہ بھرپور خوش دلی سے ہنسا۔

کماری کے زخمی اور سلامت ہاتھ بے دم سے پہلو میں گرے۔ وہ میدان میں ہار رہی تھی، گھیرا تنگ ہو رہا تھا، ساتھی کم ہو چکے تھے۔ اسکے چہرے سے اطمینان زائل ہو کر ڈر کا بھیانک روپ بن گیا۔

"تم اکیلے ہو ابولاسلام۔" آنکھیں غیر مرئی نقطہ پر مرکوز تھیں۔

"وہ مجھ اکیلے سے ہی خوف کھاتے ہیں۔" دبیر کو داستانے اتارنے کا اشارہ کرتے لہجہ غرور سے خالی تھا۔

”تم بھی ایک انسان کی قربانی دے رہے ہو۔“ کماری کی آواز جیسے کسی اندھیر گھاٹی سے سنائی دی۔

”غلط ہم اسکی گروی رکھوائی جان کو واپس لینے جا رہے ہیں، کیوں دبیر!“ فاطر کے چہکتے انداز پر قربانی کا بکرے نے جواب میں چھینکے پر اکتفا کیا۔ نظر لگ گئی میکے والوں کی!

★

گھنا جنگل آگے کم پڑ رہا تھا۔ ہواؤں سے بات کرتے ان کے گھوڑے تیزی سے بھاگ رہے تھے۔ چار گھوڑوں پر مشتمل وہ قافلہ جزیرے کے یخ بستے علاقے کی جانب رواں تھا۔ ان کے گھوڑوں کی چاپ دل دہلانے والی تھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

)"ویسے کماری میں تمہارا شکر گزار ہوں۔"عورت کا کندھا تھپکا۔"تمہارے دھوکے سے احساس ہوا مجھے زندگی میں ہر چیز اپنے باپ کے نام سے نہیں ملے گی۔

"

"تم بہت بڑی غلطی کرنے جا رہے ہو فاطر۔"کماری نے کوششیں جاری و ساری رکھیں۔وہ موقع ریت کی طرح پھسل رہا تھا۔وہ اسکی چار سال کی ریاضت چکنا چور کر رہا تھا۔اس کی فریاد ان سنی کرتا دبیر کا بازو دبوچے وہ گھوڑوں کی سمت چلے۔

"یہ کام فورسسز کے لیئے چھوڑ دو فاطر۔"فاطر نے بنا مڑے ہی اکھڑے لہجے میں کہا۔

"فورسسز کے لیئے دلیل کون لائے گا؟"

"ہمارے وجود ہی سب سے بڑی دلیل ہے۔"

"اور اگر تب تک وہ تین سو لوگ مار گئے؟"

"ماہِ ملکہ تمہاری جان لے لے گا۔ تم انہیں نہیں روک سکتے۔"

"وہ میری ماں ہے بھی نہیں جسے روکو۔" دبیر اس کے ساتھ کھنچا چلا آیا۔ کماری تیز تیز سانسیں لیتے ہلکان ہو رہی تھی۔)

گندمی سے گھوڑے پر بیٹھے گل جان دبیر کو باندھی بنائے سب سے آگے تھی۔ اس مرد کی چھینکیں کان کھا چکی تھیں مگر بے چارے کی مجبوری تو یہ تھی ناک صاف کرنے کی خاطر ہاتھ بھی نہیں کھلے تھے۔ ان کے پیچھے گہرے بھورے گھوڑوں پر فاطر المیر اسمیت چار اور لوگ بھی تھے۔ وہ باقی چار اپنی مرضی سے یہاں تھے۔ شاید ان کے ضمیر بھی زندہ تھے یا پھر ان تین سو میں کوئی ان کا شناسا تھا۔

جہاں المیر اگھڑ سواری کے کچھ گڑ جانتی تھی وہیں فاطر ایک دم اناڑی تھا۔ صد شکر گھوڑے نے اس کو اب تک گرایا نہیں۔

("یہ خود کو کنواں میں جھونکنے جیسا ہے۔" تنگ آ کر پاؤں زمین پر مارے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"دبیر کس دن کام آئے گا۔" گندمی گھوڑے کے نرم بال ہاتھ تلے محسوس کیئے۔ ہنہناتے ہوئے جانور نے ٹانگیں اٹھائیں۔ فاطر نے بچاؤ کی نیت سے دبیر کو آگے کر دیا۔

"یہ ملکہ نہیں جو تمہارے ایک اشارے پر اپنا ہتھیار گرا دے خادم۔ تمہیں یہاں محنت کرنی ہو گی۔" المیرا کی سنجیدہ آواز پر ہر شخص ہی متوجہ ہوا۔ المیرا سینے پر بازو باندھے، سپاٹ سا چہرہ لیئے دور کھڑی تھی۔

"خیر ایک اشارے پر تو تم کبھی میرا کہا نہ مانو البتہ سو سوال پوچھ کر اپنا کہا منوالو۔" آنکھیں گھماتے وہ بس سوچ ہی سکتا تھا۔

قریب آتے المیرا نے سواری کے سرے پر نرم گرفت رکھی۔ جانور رام ہو گیا تو جھٹکے سے اس پر چڑھتے اس نے بانگ سنبھالی۔)

قلعے کی جھلک جونہی قریب آئی توں ہی توں ہی منظر میں دھند بھی بڑھتی گئی۔ایک تو وہ اناڑی اوپر سے ان کی قسمت کو پڑی بیماری، راستہ ہی سارا دشوار ہو گیا۔ سواری کی تیزی کم کرتے وہ نہایت احتیاط سے آگے کا راستے کاٹنے پر مجبور ہو گئے۔

(''یہ تم کہاں جا رہی ہو؟'' فاطر کے سوال پر گھوڑے کو دائرے میں چلاتی لڑکی لاپرواہ ہی رہی۔

''میں تو قلعے قید لوگوں کو رہا کرنے جا رہی ہوں۔ کیوں تم نے بھی کہیں جانا تھا؟''

وہ اسکی ضدی طبیعت سے واقف تھا۔اپنی کہی بات حلق پر انگوٹھا رکھ کر منوانے کا گن جانتی تھی۔ گہری سانس اور عجلت اندر اتارتے وہ گویا ہوا۔

''المیرا وہاں خطرہ ہے۔'' گھوڑے عین فاطر کے سامنے روکا۔

''تو پھر تم کیوں جا رہے ہو؟ آخری اطلاعات تک تم دبیر تو نہیں تھے۔'' گھڑ سوار نے جھکتے گھوڑے کے سر پر ٹھوڑی ٹکا دی۔

"میں اسی لیئے اکیلے جانا چاہتا ہوں تاکہ پیچھے رہنمائی اور حفاظت کے لئے کوئی ہو۔" وہ زچ ہو چکا تھا۔ المیرا ترس کھا کر رہ گئی۔

"تم نے سنا گولڈن گرل یہ تمہیں نکما اور نالائق کہہ رہا ہے۔" فاطر کا دل کیا اپنا سر پیٹ لے یا ہاتھوں سے دل کی گردن مروڑ دے، بھری دنیا میں کیا یہی عورت ملی تھی؟۔ بغل میں کھڑے دبیر نے چھینک ماری۔

آسمان سے باتیں کرتا لوہے کا دروازہ چاند ستاروں کے نقش و نگار سے مرش تھا۔ سرمئی عمارت کو دور سے دیکھو تو حقیقتاً وہ کھنڈر لگتی ہے۔ ایسی ممنون جگہیں جہاں آسیب کے سائے ہوں اور جنات کے خاندان آباد۔ جزیرے کا وہ عجیب سا موسم یقیناً اُن تجربات کا دوہرا نتیجہ تھا۔ اوپر کو جاتی پگڈنڈی پر پاوں دھرتے وہ اب قلعے کی پچھلی سمت کی طرف تیز گام تھے۔

)"آپ اسے لے جائیں فاطر سر۔ میں سنبھال لونگی۔" سر تک ہاتھ لے جاتے سلیوٹ مارا جب ہاتھ میں پکڑا کمان سیدھا آنکھ میں لگا۔ فاطر نے گل کی نااہلی پر کوئی

تجزیہ نہ کیا۔ جس کی عزت کے فالودے کا بھی پانی بن گیا ہو بھئی اس غریب پر بندہ کیا رائے دے۔

فاطر نے گہری سانس آزاد کرتے کندھے ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ کچھ قدم بڑھاتے وہ گھڑ سوار کو گردن اٹھائے دیکھ رہا تھا۔ اس کے یوں روبرو آنے پر المیر اضد کے مینار سے پھسلنے لگی۔

"ملکہ!" نہیں آج وہ کمزور نہیں پڑے گی۔

قلعے کے اطراف بندہ تو چھوڑو کوئی جانور یا چرند بھی نہیں تھا۔ مختصر سے پتے لیئے وہاں تمام درخت گویا خزاں کے موسم میں تھے۔ دو مرد اور دو عورتیں ان قد آور برہنہ درختوں کی اوٹ سے نمودار ہوئے۔ دبے تیز قدم اٹھاتے فاطر عین دبیر کے پیچھے تھا جبکہ المیرا اور گل ان کے ارد گرد۔ دوپہر کا تیسرا پہر ختم ہونے سے زیادہ دور نہ تھا۔ دبیر کی قیادت میں چلتا وہ قافلہ آج مثال لکھے گا۔

www.novelsclubb.com

(''میں تم پر اعتبار کرتا ہوں۔'' وہ نہیں پگھلے گی وہ نہیں پگھلے گی۔

''یہاں کوئی تم جتنا نڈر نہیں۔'' آج تو طے تھا وہ نہیں مانے گی۔

''اگر میں اپنے حصہ کی ذمہ داریاں کسی سے بانٹ سکتا ہوں تو وہ تم ہو۔'' بولتا رہے وہ، آج المیرا ایک کان سے بھی نہیں سنے گی۔

''میری خاطر وہاں مت جاؤ۔'' المیرا ارام ہو رہی تھی ظاہر نہیں ہونے دیا۔

''پلیز۔'' اور سیسہ موم کی مانند پگھل گیا۔)

فاطر کو دبیر پر بھروسا نہ ہوتا جو اگر کماری اس دروازے اور در کی ضروریات پر ہاں میں ہاں نا ملاتی۔ کماری خود غرض تھی جھوٹی نہیں۔ قلعے کے ارد گرد موجود بلند مضبوط بنیاد سے کچھ دور رکتے دبیر ٹھہر گیا۔ پیچھے آتے تینوں کا تصادم ہوتے ہوتے رہا۔ پشت پر بندھے ہاتھ اور چغے میں ڈھکا وجود دھیرے سے پلٹا۔

"میں اپنے ہاتھ بھی اب خود کھولوں؟" وہ تینوں جو کسی نئی چال کی قیاس آرائی میں تھے سٹپٹا گئے۔ فاطر کے اشارے پر گل اسکی رسیاں کھولنے لگیں۔ بے روزگار صحافیوں کی نگاہیں اس نشئی کی نظروں سے ہی ملی رہیں۔

(گھوڑے پر پیچھے ہوتے اس کا سارا سرور سپاٹ ہو گیا۔ فاطر کی پیشانی بل در بل ہوئی۔ گھوڑوں کی رسی تھامتے وہ ایک ہی جگہ گول ہونے کے بجائے فاطر کے گرد گول چکر کاٹنے لگی۔ مرد کے تو گویا سٹی گم ہو گئی۔ خراماں خراماں سے قدم لیتی اسکے جانور کی چال بھی خاموش تھی۔

"میں ایک شرط پر یہاں رکوں گیں؟" فاطر کو اپنے بائیں جانب سے سنائی دیا۔

"یہ شرائط کا وقت نہیں المیرا۔" اس کے دو ٹوک رویہ پر یک دم ہی سواری ٹھہر گئی۔ فاطر کو لگا وہ قدم اس کے دل پر ٹھہرے ہیں۔)

گردن دائیں بائیں ہلاتے وہ وہیں جھکا۔تینوں ساتھی گھبرا کر پیچھے ہوئے۔گھاس پر ہاتھ رکھ کر ٹٹولتے وہ نجانے ہاتھوں کا کیا جادو کرنے لگا۔ فاطر بے صبر آدمی ایڑیوں پر آگے پیچھے ہوا۔گل زیرِلب کلمہ شہادت کو دو سو اکیاون مرتبہ دہرا چکی تھی اور المیرا......وہ موت کا خود نگلنے جا رہی تھی۔

(مصری نے سر اٹھایا۔المیرا اسے ہی دیکھ رہی تھی۔آنکھوں میں ایسا خالی پن تھا پل کو فاطر کے تمام اندیشے درست ہوئے۔کیا یہ ناراض ہو گئی ہے؟)

"دبیر ہم نے آج ہی اندر جانا ہے۔"المیرا نے غیر ہوتی حالت کو چھپاتے ٹہوکا دیا۔ فاطر نے کن آکھیوں سے المیرا کی انگلیاں مروڑ کر پھنساتے،الجھاتے تو کبھی ہٹاتے دیکھا۔دبیر اب گھاس کے ایک خطے کو کھرچنے لگا۔

(اس سے پہلے وہ اپنی صفائی پیش کرتا۔المیرا نے بنا کچھ سوچے اپنا گھوڑا گھمایا اور اسی راستے کی طرف چل پڑی جہاں کچھ وقت پہلے سے فاطر گیا تھا۔ہاتھ پہلو میں گرائے اور دوسرے سے چھینکتے دبیر کو دبوچے اسے یقین آکر بھی یقین نہ آیا۔کیا

یہ واقعی ہو رہا تھا؟ کیا اب وہ ایک عورت کو منانے اس کے پیچھے جائے؟ کیا وہ راستہ
(غموں کی گھاٹی تھی جو ہر اداس روح کا دل وہیں چلتا تھا؟)

"ہاتھوں پر تیل لگا ہے کیا بار بار پھسل کیوں رہے ہیں؟" وہیں کھڑے دوسری تنقید۔ گھاس کے بھاری مقدار کو کھینچ کر زمین سے علیحدہ کیا۔ نیچے سے جھلکنے والے لوہے نے ان تینوں کے سانس روک لیئے۔

(وہ ایک عورت کو منانے نہیں، وہ المیرا کو منانے اس کے پیچھے جا رہا تھا۔ ہر عورت
المیرا نہیں ہوتی اور المیرا کوئی اور نہیں ہو سکتی۔)

★

یہ سمندر کے ایک قدرے قریب علاقہ تھا۔ پانی کا رنگ گہرے نیلے کے بجائے آسمان جیسے ہلکا تھا۔ پتھروں کے کنارے سمندری پودے تھے جبکہ ان سے اوپر کو جاتے جابجا بھورے اور سیاہ بھاری پتھر۔ انہیں میں سے ایک پر سمندر کی سمت چہرہ

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

کیئے المیرا بیٹھی تھی۔ گھوڑا فاصلے پر کھڑا گھاس چرا رہا تھا۔ ہوا کے دوش پر گھنے بال چہرے پر آرہے تھے۔ ان سے بے پرواہ وہ بجھی ہوئی دوپہر کو دیکھتی رہی۔ قدموں کی چاپ پر چہرے کا غمگیں تاثر خوش گواریت میں نہ بدلا۔ سمندر کی متواتر لہروں کے بیچ وقتاً فوقتاً کسی پرندے یا رینگتے جانور کی آواز بھی آجاتی۔

فاطر اسلام نسبتاً اونچے اور چوڑے پتھر پر کھڑا ہوا۔ ہاتھوں پر دبیر سے ضبط کیئے سیاہ داستانے چڑھاتے وہ بھنوؤں کے اوپر سے المیرا کو دیکھ رہا تھا۔

"جانتے ہو ابوالسلام ہماری چھ سالہ نفرت کی وجہ کیا تھی؟" گہری سانس لیتے المیرا کی بھاری آواز سمندر کے شور میں سنائی دی۔ فاطر کچھ قریب آتے کندھے کے پیچھے بیٹھ گیا۔

"ضد! سراسر ضد۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے خار کھاتے تھے، ایک دوسرے کو غلط کہتے تھے اور چاہتے تھے باقی بھی اسے غلط دیکھیں اور جب وہ مواقع ہمارے

ہاتھ آئے تو ہم نے کھلم کھلا دشمن ہونے کا اعتراف کیا۔" ڈوبتا آفتاب دونوں پر منور تھا۔ فاطر گھٹنوں پر کہنیاں جمائے آگے ہوا ہمہ تن گوش تھا۔

"لیکن اس دشمنی کا پہلا پرچم تم نے لہرایا تھا۔" ماضی کی یاد نے اسے مسکرانے پر مجبور کیا۔

"تو صلح کا پہلا قدم بھی تو میں نے ہی اٹھایا ہے۔" اس نے جیسا فخر سے کہا۔

"تو اس قدم کو جمائے رکھو نا، پیچھے کیوں ہٹ رہے ہو۔" وہ ایک دم ایسی کاٹ سے بولی کہ فاطر کے تمام عذر سلب ہو گئے۔ روشنی کی تمازت تلے ان آنکھوں میں تنفر کے انگارے تھے۔ فاطر نے بے اختیار کلمہ شہادت پڑھا۔

"کیوں مجھے ساتھ جانے سے روک رہے ہو؟ تم چاہتے ہو میں یہاں ان سب کے ساتھ رہوں جن میں سے آدھوں کی میں مجرم ہوں اور بقیا ایک دور میں میرے خون کے پیاسے تھے۔"

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"ایک زمانہ ہمارا بھی ایسا ہی گزرا ہے المیرا۔" ہاتھ اٹھاتے مصلحتاً کہاں مباد کے سامنے والی پانی میں ہی نہ گرا دے۔

"اور میں نہیں چاہتی کے وہ دور واپس آئے تبھی میں ساتھ جاؤنگی۔" ہر لفظ پر زور دے کر کہتے وہ پلٹ گئی۔ منہ غصہ سے دہک رہا تھا اور دماغ الگ تپا ہوا تھا۔

فاطر نے داستانے والے ہاتھ آپس میں رگڑے۔ دھوپ تلے آنکھیں چھوٹی کیں۔

"تم وہاں کیا کرو گی؟" المیرا کی ضد ٹالنی چاہی۔

"وہی جو تم کرو گے۔" سینے پر بازو باندھے اس نے رخ پھیرے بنا کہا۔

www.novelsclubb.com

"میں اگر موت کے کنواں میں کودوں گا تو کیا تم بھی وہی کرو گی۔"

"نہیں میں تمہاری جائداد اپنے نام کرواتے تمہیں خود کنواں میں دھکا دونگی۔" جل کر کہتے اس کے طیش میں ولولہ آیا۔

”میری جائداد تم اپنے سامان میں رکھے گھوم رہی ہو اور باقی جہاں تک کنواں کی بات ہے تو میں خود کود جاؤنگا تم بس پیچھے اِن سب کی نگرانی کرنا۔“ وہ حتمی انداز اپناتے اٹھ گیا۔المیرا کا غصہ بے بسی میں بدلا۔ تھک ہار کے ہتھیار گراتے وہ التجاؤں پر اتر آئی۔

”تم تھوڑی دیر رک جاؤنا۔ ہمیں بچانے جو لوگ آئے گیں ان کے ساتھ چلے جانا۔ “سر اٹھاتے وہ کچھ ایسی بے صبری سے بولی فاطر چاہ کر بھی اسے سیدھا انکار نہ کر پایا۔اسکی التجا قدموں میں پڑی زنجیر بن گئی۔

”تبھی تو میں چاہتا ہوں تم یہاں رہو۔“ پاؤں کے بل اسکے سامنے بیٹھا۔”جب امداد آئے اسے فوراً قلعے کی طرف لے آنا۔“ المیرا کو یہ بات بالکل پسند نہ آئی۔ مکمل مڑتے نیا مسئلہ اٹھایا۔

''تم تھوڑاانتظار ہی کرلو۔ان کے بغیر یوں مت جاؤ،ماہِ ملکہ سے کوئی بعید نہیں۔''

ہم رنگ آنکھوں والی عورت کے سامنے سر جھکاتے اس نے آنکھیں سختی سی میچ لیں۔

''میں تمہیں ضمیر کی آواز سننے سے نہیں روک رہی بس کچھ وقت مانگ رہی ہوں۔تھوڑی تاخیر سے چلے جانا۔''

''اور اگر تب تک وہ تمام مر گئے تو؟''تیزی سے سر اٹھاتے اسکی بات کاٹی۔

''اور اگر تب تک تم مر گئے تو؟''المیرا کا لہجہ کمزور ہوا۔

''ایک کی موت بہتر ہے یا تین سو کی؟''آبرو اچکاتے ملال سے کہا۔

''میرے لیئے تو وہ ایک ہی تین سو کے برابر ہے۔''مرد کے ہر حیلہ، بہانہ، ٹال مٹول پر وہ جملہ غالب آیا۔سمندر کے کنارے، سورج تلے اسے اندازہ ہوا کہ الفاظ طاقت رکھتے ہیں۔المیرا کے الفاظ لشکر بدلنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

www.novelsclubb.com

''تم اکیلے ان تین سو کو آزاد کروا بھی نہیں سکتے۔''نرمی سے المیرا نے حقیقت کا تھپڑ مارا۔

''میں ان تین سو کو نہیں میں تمہارے تین سو کو آزاد کرنا چاہتا ہوں۔''اس بار ساکت ہونے کی باری المیرا کی تھی۔اگر لفظوں کی ماہر وہ تھی تو فاطر اسلام بھی دل بدلنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

''میں اس ضمیر کو آزاد کرنا چاہتا ہوں جس پر ابولا اسلام ظہور کی مجبوریوں کا بوجھ ہے۔میرے باپ نے اتنوں کو میرے لیئے مرنے دیا،میں ان کچھ کو بچا کر ان سب کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔''گھٹنوں پر ہاتھ رکھتے وہ کھڑا ہوا۔المیرا کے تمام احتجاج حلق میں دم توڑ گئے جب فاطر اسلام نے اپنا داستانے والا ہاتھ آگے کیا۔

عورت کی آنکھیں قدرے پھیلیں۔ہاتھ پہلو میں گرائے المیرا ہر جذبہ بلائے طاق ڈالے اسکے سامنے بیٹھی تھی۔گردن اٹھی تھی اور اخضر نگاہیں التجائیہ تھیں۔فاطر مسکرایا۔

"تم کیا چاہتی ہو؟" المیرا نے جھٹ سے کہا۔

"یہی کے تم زندہ رہو۔" پائنچے پر بنا زخم ٹانگ شل کر چکا تھا مگر وہ سامنے کھڑا، گردن جھکائے اسکی خوف زدہ آنکھوں میں کچھ ڈھونڈتے ہوئے۔

"مجھے کچھ نہیں ہوگا۔"

"کیوں تم لوہے کے بنے ہو۔" اسکے طنز پر فاطر پہلے تو بھونچکا ہوا پھر کچھ یاد آنے پر دل کھول کر ہنسا۔

"نہیں میرے ساتھ کسی کی خاص دعائیں ہیں۔" جھک کر اسے ہاتھ کی مدد سے اٹھاتے لہجہ میں کیا کمال مان تھا۔ المیرا کی ناراضگی میں کمی نہ آئی۔

"یہ دعا بددعا میں بدل جائے گی اگر تم نے میری شرط نہ مانی۔" پشت پر اپنے ہاتھ باندھتے وہ پورے قد سے کھڑا ہوا۔

"کہو! کیا شرط ہے تمہاری۔" لبوں کو لکیر میں کھینچتے وہ نظریں چرا گئی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"میں تمہارے ساتھ جاؤ نگی یا تم نہیں جاؤ گے۔" سمجھنے کے انداز میں سر ہلاتے وہ کچھ سوچ میں پڑ گیا۔المیرا اب بھی آسمان پر نادیدہ تارے گنتی رہی۔

"اس شرط میں ذرا سا ردو بدل کرتے ہیں۔" وہ دو پتھر اتر کر سامنے آیا۔المیرا کی نظریں اٹھانے کی ہر کوشش ناکام ہوئی۔

"تم میرے ساتھ چلنا۔" وہ چونکی۔"لیکن بس قلعے تک، قلعے کے اندر صرف میں اور دبیر جائے گیں۔" اس سے پہلے المیرا اعتراض کرتی اس نے ہاتھ اٹھاتے وہیں روک دیا۔

"تم واپس آنا اور امدادی گروہ کے ساتھ قلعے کی طرف چل پڑنا۔کیا یہ فیصلہ آپ جناب کو منظور ہے؟" المیرا نے منہ پھلا لیا۔پاؤں سے کنکر آگے پیچھے کرتے وہ انکار کرنے کا کوئی درست جواز ڈھونڈ رہی تھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"ہم دوسروں کے انتظار میں انہیں نہیں چھوڑ سکتے المیرا۔ جو ہم نے دیکھا ہے وہ ان کی سوچ سے بدتر ہے۔" اب کے اس نے نرمی سے شکوہ کیا۔ المیرا نے سر جھکائے رکھا۔ گال کا اندرونی حصہ کترتے اس کے چہرے کا اطراف بالوں نے ڈھکا تھا۔

"آئم سوری۔" وہ الفاظ ٹھنڈی پھوار کی مانند تھے۔ انہیں کو سننے کی خاطر تو یہ منہ پھولا ہوا تھا۔ "مجھے سب کے سامنے یوں بولنا نہیں چاہیئے تھا۔" وہ واقعی نادم تھا۔ المیرا کی آنکھیں خفگی سے چھوٹی ہوئیں۔

"تو کیا اکیلے میں بولنا ٹھیک تھا۔" (بہت ہی پھیل رہی ہے یہ عورت)۔

"سو فیصد ہاں۔" اسکے فخریہ یقین پر المیرا کا جبرا کھلا کا کھلا رہ گیا۔ آدھا خون تو اسکا فاطر کے ہاتھوں ہی جلتا تھا۔

”تم کوئی آسان عورت نہیں نہ ہی میں کوئی آسان مرد ہوں۔ دونوں برابر کے ضدی ہیں۔ ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا حوصلہ ہمیں خدا دے گا۔“ مسکراتے ہوئے وہ ایک طرف ہوا۔ کوئی اور ہوتا تو اب تک المیرا کے ہاتھوں سمندر کی ڈوبکیاں کھا رہا ہوتا، سامنے فاطر تھا اور اس رائے وہ مکمل متفق تھی۔ (اگر عام زبان میں کہا جائے تو دونوں لال جھنڈے تھے)۔

”مجھے بھی چاہیئے تھا کہ یوں سب کے سامنے بلاوجہ کی ضد نہ کرتی۔“ ساتھ چلتے وہ دونوں اوپر کی طرف جا رہے تھے جب المیرا نے معافی مانگی۔

”اکیلے میں بھی نہیں کرنی چاہیئے۔“ فاطر نے تصحیح کی۔ المیرا کا میٹر گھوما۔

”تم کون سا کم ہو۔ اتنا غصہ دلاتے ہو اور پھر بھی بات نہیں مانتے۔“ جلے بھنے تجزیہ کو دل پر ہاتھ رکھتے قبول کیا گیا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"امرک علی الاالعیون ملکہ (آپ کا حکم سر آنکھوں پر)۔" آنکھیں گھماتے اس نے بری سی شکل بنائی۔ فاطر کا اونچا ہوتا قہقہہ بے اختیار تھا۔ خود کو پھسلنے سے بچاتے المیرا اسکی کہنی تھامے اوپر آرہی تھی۔ دو لال جھنڈے ایک دوسرے کو مبارک۔

★★★★

www.novelsclubb.com

باب منصف

قلعہ کے نزدیک نجانے ایسی کیا بدبختی تھی پرندے بھی پر مارنے سے کتراتے تھے۔ نیچے کھڑے ان تینوں کا سانس آہستہ آہستہ رواں ہوا۔ لوہے کی ایک جھلک

پر دبیر کے ہاتھوں میں تیزی آئی۔ گھاس کو ہٹاتے وہ ایک طرف اچھال رہا تھا۔ زنگ کی وجہ سے بے رنگ ہوئے اس دروازے کے دوسری سمت وہی جہنم تھی۔

"یہ لوگ اس دروازے سے اندر باہر ہوتے ہیں؟" سیاہ عبا تلے گل کے سنہری بالوں کی جھلک دکھائی دی۔ دبیر جواباً کام میں لگا رہا۔ مثلث طرز پر بنا وہ دروازہ واقعی ایک خوفیہ گاہ کی چوکھٹ لگتا تھا۔اس چھوٹے سے مقفل پر لگی کنڈی بھاری اور زنگ آلود تھی۔ہر تالے سے عاری۔

"یہاں تالہ کیوں نہیں موجود؟" گل کا دوسرا سوال۔

"یہاں قلعے سے باہر سامان جاتا ہے، قلعے سے اندر نہیں۔" المیرا نے اپنی طرف سے بڑی پتے کی بات کی۔

"مگر بھاگے تو وہ یہیں سے ہونگے تو تالہ کیوں نہیں لگایا۔" کھٹکنے والی بات پر اسکی سوئی اٹک گئی۔

"گل جان تھوڑے دیر کے لیئے overthinking کو لگام دو۔" وہ عورت چپ کروانے کے ایک ہی طریقے سے واقفیت رکھتی تھی۔ اگر تم دور سے دیکھو تو گول دائرہ بنائے تین سیاہ لبادے ایک ساتھ کھڑے دکھے گیں۔ چھوٹا بھورا وجود دائرے کے ہی کنارے نیچے بیٹھا تھا۔ان کے چہرے اچھے سے چھپے تھے۔

کنڈی اس قدر بوسیدہ تھی ذرا ہلاؤ چار محلے دور آواز جائے۔المیرا نے ہاتھوں کو باہم پھنساتے انگلیوں سے کھیلنا برقرار رکھا۔فاطر ترچھی نظروں سے اسکے ہاتھ ہی دیکھ رہا تھا۔

"لگتا ہے تمہارے کام کی نیت ہی نہیں۔" اپنی کمزوری کو ڈھانپنے کی خاطر اس نے تنقید کا سہارا لیا۔اس مرتبہ دبیر السازار نے سر اٹھاتے دیکھا۔

"دوسری فاطر اسلام مت بنو۔" سختی سے کہتے گردن جھٹکائی۔ سینے پر بازو باندھ کر ٹانگ جھلاتی عورت کے تو جیسے چودہ طبق روشن ہوئے۔ لڑنے کی نیت سے مکمل کف چڑھاتے اس نے انگلی اٹھائی جب گل نے دوبارہ سوال کیا۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"مجھے لگتا ہے کماری جھوٹ کہہ رہی تھی۔ وہ سب اندر ہی ہیں تبھی تو یہاں کوئی تالہ چابی نہیں۔" اپنے باقی ساتھیوں کی عقل میں اضافہ کیا۔ کنڈی کی آخری حرکت پر دروازہ زمین سے جدا ہوا۔ دھول مٹی کا ایک طوفان سید ھا ان کے چہروں پر آیا۔ کھانستے ہوئے وہ اب دبیر کو دروازہ اٹھاتے دیکھنے لگے۔

"اس دروازے پر تالہ استعمال نہیں ہوتا۔ یہ کنڈی بھی آج پہلی مرتبہ ہی لگی ہے ورنہ اس کے تمام تالے چابی اندر سے لگتے ہیں۔" کہتے ہوئے ان کا اغوا شدہ قیدی ہاتھ جھارتے اٹھ کھڑا ہوا۔

دروازہ ہٹانے کی آواز یوں تھی جیسے سنسان راستے پر بم گرا دیا ہو۔ اندر لوہے کی پتلی سیڑھیوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ باری باری چاروں نمونوں نے گردن اندر گرائی۔ پہلے تسلی کی اور پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔

"یہاں اتنا اندھیرا ہے۔" گل نے ناک چڑھائی۔

''تم نے اندر سبق پڑھنا ہے؟'' دبیر نے طنز کیا، گل کا دل کیا اسے اندر ہی گاڑھ دے۔

ان دونوں کے مقابلے باقی ساتھی خاموش رہے۔ دبیر اور گل نے باری باری المیرا فاطر کو دیکھا۔ راستے کے دونوں طرف کھڑے ان کی خالی سپاٹ نگاہیں ارد گرد سے لاحقہ تھیں۔ دھند کے سائے قلعے کو اپنی آغوش میں لیئے تھے۔ اس ہیبت ناک خاموشی کے وقفے کو فاطر کی ہی آواز نے توڑا۔

''ہمارا یہی تک آنے کا معاہدہ ہوا تھا۔'' مسکرانے کی کوشش میں وہ بھی ناکام رہا۔ المیرا نے تو جواباً وہ بھی نہ کیا۔ ایک نظر سیڑھیوں پر ڈالی اور دوسری فاطر کی جانب جواب گل سے متوجہ تھا۔

''سورج ڈھلنے والا ہے۔ تم لوگوں کے پہنچنے تک وہاں امداد اور ٹیمز آ چکی ہونگیں۔ ان کو لیتے فوراً یہاں آنا۔'' بنا المیرا کی جانب دیکھے وہ اندر جانے کے لیئے تیار تھا۔ وہ جب جب یوں نظریں چراتا تھا المیرا اسکا خوف پڑھ لیتی تھی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

"ہمیں ہمارے گھوڑوں تک نہیں چھوڑ کر آؤ گے۔" مرد کے قدم ہوا میں ہی ٹھہرے۔ المیرا اپنی حیثیت سے باخوبی واقف تھی۔ گل نے تھوک نگلتے ماحول میں پھیلتے کھنچاؤ سے نظریں چرائیں۔

"اگر نہیں چھوڑ کر آؤ گے تم میں اور گل کہیں نہیں جا رہے۔" گل جان نے گردن گھما کر اپنی دوست کم سر درد زیادہ کو دیکھا۔

"بہن اپنی پریم کتھا میں مجھے کیوں قربان کر رہی ہو۔" آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا۔ مگر وہاں دیکھ کون رہا تھا۔ المیرا کی نظر فاطر پر تھی اور فاطر کی اپنے بلند قدم پر۔ بنا لڑے جھگڑے وہ پیچھے ہو گیا۔ المیرا مرعوب ہوئی۔ مسکراتے ہوئے وہ اس مرد کے شانہ بشانہ چل دی۔

"دبیر پر نظر رکھنا۔" قریب سے گزرتے فاطر نے گزارش کی۔

پیچھے کھڑی گل نے ایک بار انہیں جاتے دیکھا اور پھر آدھ کھلی آنکھیں اور لال ہوتی ناک لیئے دبیر السازار کو۔ دونوں کا وجود ایک سے لباس تلے تھا۔ ایک قربانی کی سمت تھا اور دوسری تحفظ کی جانب۔ ہلکی آسمانی نگاہیں گہری خزاں جیسے نگاہوں میں جھانکیں۔ سرنگ کا کھلا چہرہ ان کے بیچ وارد تھا۔

"خدا کرے تم مر جاؤ۔" اپنے اندر مجتمع زہر کے ہر قطرے کو جمع کرتے گل نے لفظوں سے ڈسا۔ وہاں پہلے سا کچھ نہ تھا۔ نہ رحم، نہ ہمدردی اور نہ ہی احسان۔ اس کے قیاس کے متضاد وہ نہ غصہ ہوا، نہ بے پرواہ رہا اور نہ ہی شرمندہ بلکہ وہ تو۔

"مجھے اپنے قرض سے ادا کرنے کا شکریہ۔" ہنستے ہوئے وہ حیران کر گیا۔

وہ صرف ہونٹوں سے نہیں دبیر آنکھوں سے بھی مسکرا رہا تھا۔ مردہ نگاہوں میں زندگی بھی کب آئی جب وہ عین مرنے کی طرف ہی بڑھ رہا تھا۔ گل جان کے جسم سے جان فنا ہوئی۔ چہرے پر وحشت کے آثار تھے اور نبض پھڑکتی ہوئی۔ وہ ہر بار

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

اس کے نئے انداز سے متعارف ہوتی اور یہ ماننے میں اسے کوئی عار نہیں کہ ہر روپ تلے بھید پوشیدہ تھے۔

★

گھوڑے گھاس کا لطف اٹھا رہے تھے۔ قریب آ کر رکتے المیرا نے ایک کے گدلے سفید بالوں پر ہاتھ پھیرا۔ لب ممنونیت سے مسکرائے۔ فاطر اسلام کچھ قدم دور ہی موجود تھا۔

"بنار کے سیدھا کماری کے پاس جانا۔" جذبات سے عاری جملہ۔ وہ اپنی طرف سے پلٹا مگر المیرا کی آواز نے اِس ممکن کو ناممکنات بنا دیا۔

"ہم یہاں سے نکل گئے تو کیا ان کنٹیکٹ رہے گیں؟" فاطر کو اِس بے موقع سوال پر گہرا تعجب ہوا۔ گھوڑے کے بال سہلاتے اس نے یونہی چہرہ پھیرا۔

"اگر تم رہنا چاہو تو ضرور..... میری جانب سے تو ہاں ہے۔" اس کے قدم اب بھی دوسری سمت جبکہ چہرہ ملکہ کی طرف تھا۔ سمجھنے کے انداز میں اس نے سر ہلا دیا۔ جب وہ کچھ دیر تک خاموش رہی فاطر نے اسے گفتگو کا اختتام سمجھا۔

"اپنا خیال رکھنا۔"

"اگر تم مر گئے تو تمہاری شاعری کا کیا کروں؟" ایک مرتبہ مزید روکنا چاہا۔ فاطر نے جھنجلاہٹ پر قابو پایا۔

"جو تمہیں مناسب لگے۔"

"سنبھال کر رکھ لوں؟" جہاں فاطر دو قدم دور جاتا وہ دل کے ہاتھوں بے بس تین قدم آگے آتی۔

"جو تمہاری مرضی۔" اب بنا دیکھے وہ راستہ پھیر گیا جب المیرا بھاگ کر اسکے پیچھے آئی۔

"تمہیں مجھ سے عقیدت کیوں ہے؟" روکنے کے تمام بہانے چھوٹ گئے۔ دور جانے کی ہر عجلت مانند ہو گئی۔ اب قد آمد درختوں کے بیچ وہ دوبارہ ملکہ سے خادم اور خیر خواہ سے قیدی بن گئے۔

المیرا سیدھا مدعے پر آئی تھی۔ اگر جواب نہ ملا تو شاید سوچ سوچ کر ہی گل سڑ جائے۔ فاطر کے چہرے کی رنگت متغیر ہوئی۔ یہ موقع محل مناسب نہ تھا مگر ایک یہی موقع محل بچتا تھا۔ مستقبل کا کسے کیا علم۔

اپنا لباس سنبھالتے وہ اسکے روبرو آئی۔ پسندیدہ منظر بصیرت میں ٹھہرا۔ المیرا کے چغے کی ٹوپی ڈھلک کر گر چکی تھی۔

"تمہیں کیوں مجھ سے عقیدت ہے۔ ایک وقت تک تو میں قابل نفرت تھی۔ مجھے تمہاری نفرت سے نفرت ہوئی اور اب اچانک سے میرے لیئے ہر رعیات، جذبہ، انداز بدل کیوں گیا؟" اسکا ہر جملہ پچھلے سے تیز ہوتا۔ وہ لفظوں کو یوں پکڑ رہی تھی

www.novelsclubb.com

جیسے ہاتھ سے چھوٹ گئے تو تا عمر خالی ہاتھ رہے گی۔ فاطر اسکے خوف بھانپ چکا تھا۔ وہ اپنے ڈر کے متعلق بھی اچھے سے باعلم تھا۔

''تم مجھے الجھا چکے ہو ابولا سلام اور اب خاموش کھڑے ہو؟'' ناگوار سی کچھ لکیریں اسکے ماتھے پر آئیں۔ فاطر کندھوں سے ذرا نیچے آتی عورت کو دیکھتا رہا۔

''تم ایک اچھی انسان ہو المیرا۔'' اچھی انسان کا دل کیا اپنا ماتھا پیٹ لے۔

''میں اگر اچھی ہوں تو دنیا کا ہر منافق فرشتہ ہے۔'' اسکا چڑ کر جواب دینا ہمیشہ دل پر لگتا تھا۔ فاطر محظوظ ہوتے کچھ آگے آیا۔

''مجھے تم سے عقیدت ہے۔ اب کیوں ہے؟ کیونکہ تم مجھ جیسی ہو۔ کیسے ہوئی؟ جب تمہیں خود جیسا دیکھا۔ کب تک رہے گی؟ جب تک تم چاہو۔'' وہ مسکراتا ہوا کچھ جھکا۔

www.novelsclubb.com

"کیا مزید کچھ جاننا ہے؟" ماتھے پر جھولتی لٹ آگے کو گری۔ اسے چھونے کی خواہش تھی استحاق نہ تھا۔ یہ حق ہی اسے حدود پار کرنے سے روکے تھا۔

"مجھے صرف تمہاری عقیدت نہیں چاہیئے۔" کوفت کے عالم میں دو قدم پیچھے ہوئی۔ فاطر اسلام کی مسکان فنا ہوئی اور تاثرات میں پیچیدگی آئی۔ "جو میں کرنے جا رہی ہوں اس کے بعد مجھے بہتیرے عقیدت مند ملے گیں۔" خود کے لیئے ان آنکھوں میں دکھائی دیتی تضحیک پر فاطر کا دل جیسے مٹھی میں آیا۔

"پھر کیا چاہتی ہو تم؟" بے بس بھرے گلو گیر لہجے میں وہ کچھ آگے آیا۔ المیرا چند پل تو گردن بلند کیئے مقابل مرد کو دیکھتی رہی۔ بہت کچھ کہنا تھا، کاش حق ہوتا۔ بہت کچھ سننا تھا، کاش حق ہوتا۔ جنگل کے خاموشی میں ان کے دل بولتے تھے، دونوں ہی کھو دینے سے خوف زدہ۔

”حق چاہیئے تمہارا۔“ جزیرے کا سارا انظام تھم سا گیا۔ فاطر کو لگا جیسے ہر سو بس اسکی دھڑکن ہی تھی۔ گول آنکھوں والی المیرا ہونٹوں کو سختی سے ملائے بے حد سنجیدہ تھی۔فاطر رکی سانس کے بیچ بولا۔

”کیسا حق؟“ لہجے میں سوال کم ہامی زیادہ تھی۔ وقت نکل رہا تھا، بے صبری بڑھ رہی تھی۔ عورت نے نظریں نہیں ہٹائیں، ہتھیلیوں میں پسینہ نمودار ہوا تو انہیں پشت کے پیچھے چھپالیا۔زندگی سے ہر چیز اس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے ہی مانگیں تھیں تو اس مرتبہ کیوں کترائے۔

”تم زخمی ہو، مرحم اپنے ہاتھوں سے رکھنے کا حق۔ تم اداس ہو، دلاسہ اپنی موجودگی سے دینے کا حق۔ تم کچھ نہ کرو، مگر تمہیں بنا نظر پھیرے دیکھنے کا استحقاق چاہتی ہوں۔“ وہ مسحور تھی اسکے الفاظ سے زیادہ فاطر کی دھڑکن کا شور بلند تھا۔المیرا کی لمبی سانس لینے کی آواز نے اسکی بے صبری میں اضافہ کیا۔وہ آگے جاننا چاہتا تھا۔

”شادی کر لو مجھ سے۔“ چار لفظ اور ایک عام سا جملہ کیا انسان کو پتھر کر سکتا تھا؟ اگر ہاں تو فاطر اسلام یہ سم تراشی کا کھیل تا عمر کھیلنا چاہے گا۔ کیا انسان ماضی میں جانے کی جسارت رکھتا تھا؟ نہیں مگر آہ کاش رکھتا تو وہ بار بار انہیں گھڑیوں کو دہراتا۔

(”شادی کوئی ظلم نہیں ہے۔“ المیرا تو جیسے اس وضاحت پر پھٹ پڑی۔

”شادی ظلم نہیں شادی جہنم ہے۔“)

المیرا اب بھی انہیں منتظر نظروں سے دیکھ رہی تھی، جیسے کوئی برسوں کا خشک ساحل بحر کی لہروں کو دیکھتا ہے۔

www.novelsclubb.com

(مجھے شادی کے کانسپٹ سے ہی نفرت ہے۔ پوری عمر کی بامشقت قید۔ اتنی ذمہ داریاں، اتنی رسمی باتیں، اتنی قربانیاں، میرا دم گھٹتا ہے۔)

فاطر تو جیسے گویا مورت تھا۔ پھونک مار وہ بجھ کر ذرہ ذرہ ہو جائے۔

''اگر تم زندہ بچ گئے تو وعدہ کرو مجھے یہ ہر حق دو گے۔ مجھ سے شادی کرو گے۔'' وہ موت اور زندگی کے بیچ کھڑا تھا۔ایک اس کی محبت تھی دوسری اسکی مجبوری۔

(میں کیوں خود کو تاعمر کسی کے ساتھ مسلط رکھوں۔ مجھے نہیں چاہیئے کسی کا ساتھ، مجھے نہیں بننا کسی کی بیوی۔)

اس کے مصافاتی الفاظ سننے سے پہلے المیرا نے کہنی تھامتے اسے روک لیا۔ فاطر آگے بڑھنے کی وجہ بھول گیا۔

''ہاں یا ناں کہہ دو خدا کی قسم ساتھ چلنے پر اصرار نہیں کرونگی۔'' اسکی التجا سخت تھی، دل مگر زخمی تھا۔ اگر عام صورتحال ہوتی وہ بنا سوچے ہاں تو کیا وہیں انگوٹھی بھی پہنا دیتا۔ فاطر نے آنکھیں میچیں تو چہرے پر بے بسی کی لہر پھیلی۔ المیرا کا دل ہتھیلی پر دھڑک رہا تھا۔ فاطر کا سینا توڑ کر باہر آنے کو بے تاب۔

"میں تمہیں کوئی امید کیسے تھما دوں۔ میری زندگی کا کوئی علم نہیں۔" حلق سے سرگوشی سنائی دی۔ وہ امید تھمانے کا خواہش مند تھا بس حالات اس کے ساتھ نہ تھے۔ المیرا کی گرفت سخت ہوئی۔

"زندگی کا علم خدا کے سوا کسی کے پاس نہیں اور تم خدا نہیں بشر ہو۔" دوٹوک انداز اور سبز رنگ میں سختی لیئے وہ آج ہاں یا ناں کے بنا نہیں ٹلے گی۔ اسکی دلیل کے آگے وہ الفاظ کے ذخیرہ میں سے جملے تلاشنے لگا۔ ہر کسی کے آگے بولنے والا یہاں آکر ہار جاتا تھا۔

فاطر نے پہلے اپنی کہنی پر موجود اسکا مومی ہاتھ دیکھا۔ گہری گرفت کے باوجود بھی انگلیاں لرز رہی تھیں۔ وہ بھی اتنی خوف زدہ تھی جتنا کے وہ۔ پھر اپنے چہرے کو خوف سے دیکھتے اسکی آنکھیں۔ تمام جذبوں میں بس ایک خوف اسے ان آنکھوں میں دیکھنا پسند نہ تھا۔

ایک قدم نزدیک آتے فاطر نے اپنے داستانے والا ہاتھ اسکی مندمل زخموں والی کلائی پر رکھا۔اپنی کہنی آزاد کروائی اور پھر المیرا کے ہاتھ کی پشت اپنی ہتھیلی میں لی۔ ہاتھ پر گرفت مضبوط کرتے سنجیدگی سے اسکی آنکھوں میں دیکھا اور پھر اسکی ہتھیلی اٹھاتے اپنے دل کے مقام پر رکھی۔ ہری بھوری آنکھیں یک دم ہی پھیل گئیں۔ اسکے ہاتھ تلے فاطر کی دھڑکن بے انتہا تیز تھی۔اس قدر کے المیرا کو اسکے زندہ ہونے پر بے یقینی ہوئی۔

"بنت محسن فاطر تم سے وعدہ کرتا ہے۔اگر وہ زندہ رہا تو تمہیں اپنا نام دے گا، اور اگر مر گیا تو (وہ مسکرایا) یاد رکھنا دل میں تمہیں رکھ کر مرا تھا۔" اپنے انگوٹھے سے اسکی انگلیوں کی ہڈی سہلاتے وہ لفظوں کے بنا بھی اسے بکھیر گیا۔دوزخ کی بجھی آگ کو پیچھے چھوڑتے وہ دونوں مرتعش دھڑکنیں سنبھالے آمنے سامنے تھے۔اگر فاطر نے اسکا ہاتھ نہ پکڑا ہوتا تو یقیناً وہ اب تک گر چکی ہوتی۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

(”تمہیں پیدا کرنے والی بھی ایک عورت تھی۔ تمہاری بہن بھی ایک عورت ہے اور خدا نخواستہ۔۔۔ جس بیچاری سے تمہاری شادی ہو گی وہ بھی ایک عورت ہی ہونی ہے۔“

”مجھے پیدا کرنے والی کے لیئے مجھے کبھی کوئی جذبہ محسوس نہیں ہوا۔ اپنی بہن کو میں عورتوں میں شامل نہیں کرتا۔ وہ اکیلے ہی چار مردوں پر بھاری ہے اور جہاں تک بات ہے شادی کی۔۔۔ تو یہ اکتیس سال کی بھری جوانی اور حسن میں کیوں ضائع کر رہا ہوں۔ کبھی سوچا نہیں۔“)

کہاں شادی کے نام سے کترانے والی عورت اور جذباتیت کو بے وقوفی سمجھنے والا مرد اور کہاں یہ حق کے لیئے انا کا سودہ کرتی عورت اور اصول کو دل کے لیئے توڑتا مرد۔ ان کی کہانی کا انت عجیب تھا۔ بلکہ ان کو تو مکمل کہانی ہی عجیب تھی۔

★

گل نے درست کہا تھا یہاں واقعی اندھیرے حد سے زیادہ تھا۔ دور جانے پر باہر سے آتی روشنی بھی دور ہوتی گئی۔ ایک طویل راستے کو خاموشی سے پار کرتے فاطر اور دبیر کندھے سے کندھا تھے۔ راستے پر انسانی خون کی بو تھی اور ان کی بے دردیوں کا ثبوت۔

فاطر اسلام کا جبڑا ہر قدم کے ساتھ بھینچ رہا تھا، دماغ کی رگ الگ پھڑک رہی تھی۔ کچھ قریب جاتے انہیں ایک پردہ ساد کھائی دیا۔ سفید پردے پر سرخ دھبے تھے۔ شاید نہیں یقیناً یہ انسانی خون تھا۔ پردے کے دوسری جانب جلتی بجھتی روشنی سی آ جا رہی تھی۔ فاطر نے بنا دبیر کو بلائے خاموشی سے چلنے میں بہتری سمجھی۔

پردے کے قریب پہنچتے اس نے دبیر کو ہٹانے کا اشارہ کیا۔ کمزور آدمی فاطر کے سامنے مزید چھوٹا سا دکھتا۔ پردے کی دوسری جانب ایک الگ دنیا ہی آباد تھی جہاں انسانیت برباد اور زندگیاں مجروح۔ چار طرف جاتے مختلف راستے تھے اور ہر راستے کا خاکہ ایک سا۔ لمبی راہداریاں اور ان میں بنے متواتر دروازے۔ عجیب سی مشک پر

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

چغے سے جھلکتی ناک کھڑی ہوئی۔ فاطر کو بے اختیار متلی آئی۔ یہاں اس قدر خون کی بو میں یہ کام کیسے کرتے تھے۔

لباس میں چھپائے چاقو کو ٹٹولتے وہ آگے بڑھا۔ایک ہاتھ سے دبیر کی رسیاں دبوچ رکھیں تھیں۔ ان مختصر تنگ راستوں کی بتیاں جلتی بجھتی اور ایک عجیب سی غرغراہٹ ماحول میں پیدا کرتیں۔اس نے کمروں میں جھانکا۔ایک تو روشنی کا کھیل دوسرا تیز بدبو اسکے اعصاب ہلکان کرنے لگی۔ مگر ایک بات تو ظاہر تھی وہ تمام قید خانے خالی تھے۔ایک ایک بستر پر مشتمل اندر کوئی موجود نہ تھا۔

فاطر کے اپنے ہی قدم دیواروں سے گونجتے کان میں ٹکرائے۔اس نے قدم کچھ تیز کیئے تو ان بیچ مدھم سی آوازیں آئیں۔چغے تلے ہونٹ مسکرا دیئے۔بیچ راہ میں رکتے اس نے ٹوپی گرائی اور آہستگی سے پلٹا۔

گدلا سا سفید رنگ اور پھر آتی جاتی روشنی کے باوجود بھی اسے پردے کے قریب کھڑے شخص کو پہچاننے کے لیئے تردد نہ کرنی پڑی۔ دبیر کو آزاد کرتے وہ چل کر آگے آیا۔ بالوں میں ہاتھ پھیرا تو وہی گول زلف پیشانی پر جھولنے لگی۔

"کوسے لطیف۔" فاطر جیسے اپنے درست اندازے پر محضوظ سا ہوا۔ آنے والے کی پہلے ٹانگیں منظر میں آئیں اور پھر مکمل وجود روشنی تلے آیا۔

"یا پھر حبتہ اللہ۔" وہ قہقہہ لگائے بنا نہ رہ سکا۔ آنے والے آدمی کی مسکراہٹ میں ویسی ہی کمینگی تھی۔ سر بالوں سے عاری اور دونوں آنکھیں سیاہ۔ نہ ایک نکلی تو دوسری نیلی۔

www.novelsclubb.com

"تمہارے لیئے تو میں ذبیح اللہ ہوں خادم۔" چہرہ اور حلیہ تو اپنے نگران کا تھا مگر اسکی یہ مسکراہٹ۔ تین ماہ میں اس نے پہلی بار اس آدمی کو مسکراتے دیکھا تھا۔ اس کا نگران تو بولنے کی صلاحیت سے نابلد تھا۔ کوسے لطیف کی دونوں سیاہ آنکھوں میں غیر انسانی لالچ نے ہر بساط کے مہرے گرادیئے۔

NOVELSCLUBB@GMAIL.COM
WWW.NOVELSCLUBB.COM

★★★★

www.novelsclubb.com

(جاری ہے)

اگلی قسط انشاءاللہ جلد